بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

حُزن

ہما تنویر

حُزن

ہما تنویر

پیشِ لفظ

یہ کہانی انڈیا کے ایک ایسے گاؤں سے ہے جہاں پنچایتی نظام ایک وقت میں اپنے عروج پر تھا! لوگوں کی زندگیاں اُنہی جرگوں کے فیصلوں کے ماتحت تھیں، سردار کا فیصلہ حرفِ آخر مانا جاتا تھا اور معصوم سی زندگیوں کے ننھی پلکوں پر سجنے والے خواب بھی اُنہی جرگوں کی نذر ہوئے، ارمان ٹوٹے، خواب بکھر گئے، الفاظ دم توڑ گئے۔ زندگی جینے کی بجائے گزارنے پر اکتفا کیا گیا!

وقت کی آزمائشیں اور وقت کے دیے گئے دکھ انسان کو توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اس ناول میں بھی آپ کو یہی سب دیکھنے کو ملے گا کہ انسان کتنا بے بس ہوتا ہے، اور اُس کے اختیارات کتنے محدود ہوتے ہیں اس وسیع جہاں میں۔۔

تعلیم کی کمی اور شعور کی آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے کیسے انسان ہی ایک دوسرے کے دلوں کو کچل دیتے ہیں! اس ناول میں اپنوں سے ملنے والے دھوکے، تکلیف، رنج اور زندگی بھر کی اذیت کو بہت قریب سے دکھایا جائے گا! ہو سکتا ہے یہ ناول آج کے معاشرے کی ضرورت بھی ہو، کیونکہ وہی پرانی اور سخت روایات آج تک بھی چلی آرہی ہیں اُن کو ختم کرنے کے لیے یہ ایک چھوٹی سی کاوش ہے، اُمید ہے اس تحریر کو پڑھنے والا، انسانی دکھوں کو سمجھنے لگ جائے گا، اپنے گھر والوں کی تکالیف اور پریشانیوں کو سمجھنے لگ جائے گا، اپنی جھوٹی اناؤں اور تسکین کے لیے زندگیاں برباد نہیں کرے گا! اور یہ سب اللہ کے فضل و کرم سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

یہ قصہ جو آپ پڑھنے جا رہے ہیں حقیقت پر مبنی ہے اور اِسے پڑھتے وقت محسوس کیجیئے گا کہ اگر آج سے بیس بائیس سال پہلے یہ سب آپ کے ساتھ ہوا ہوتا تو کیا آپ خود کو ہیل کر پاتے؟ سب سے اہم سوال کیا آپ جی پاتے؟ یہ تو آپ کہانی پڑھیں گے تبھی جانیں گے۔۔۔ خود کو کہانی کا ایک ایسا کردار مان کر کہانی شروع کریں کہ جیسے آپ یہ سب اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔۔

یہ کہانی آپ پر پھر آہستہ آہستہ اپنے دکھ کھولنے شروع کر دے گی۔۔۔

کہانی ہر انسان کی ہوتی ہے اور یہ جب سے میں نے لکھنا شروع کیا ہے تب سے جانا ہے۔۔ کسی کی کہانی میں کوئی نہ کوئی ایسا سبق ضرور چھپا ہوا ہوتا ہے جو یاں تو اُسے بنا سنوار دیتا ہے یاں اُسے ساری زندگی پچھتاوے ہی نصیب میں آتے ہیں۔

کچھ لوگوں کی زندگی باقی لوگوں کے لیے سبق بن جاتی ہے اور کچھ کی زندگی ایک حسرت۔۔

اور میں دعا کرتی ہوں کہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں جتنی بھی مشکلوں کا سامنہ کیوں نہ کرنا پڑے بس اُن کی زندگی میں سکون ضرور ہو۔۔ اور وہ اللہ کے قریب ضرور ہو۔۔ تبھی سکون میسر آتا ہے، آپ کا زیادہ وقت نہیں لونگی۔

اُمید کرتی ہوں آپ کہانی کو بے حد پسند کریں گے۔۔

دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔چلتے ہیں کہانی کی سمت۔۔۔۔

ہما تنویر

14 اپریل 2026

پاکستان۔۔

انتباہ

اس ناول کا ایک ایک لفظ میرے دل کے بہت قریب ہے کیونکہ اسے میں نے بہت محبت اور لگن سے لکھا ہے۔۔

اپنے پہلے دونوں ناولز کو میں اس قدر وقت نہیں دے سکی تھی۔ مگر اس ناول کو میں نے بار بار لکھا، بدلا، درست کیا اور مکمل کرنے کی کوشش کی۔۔۔

اور جن محترمہ کی یہ کہانی ہے اُن سے مجھے بہت محبت ہے۔۔ اُن کی ہی یہ خواہش ہے کہ اُن کا نام نہ بتایا جائے اس لیے میں اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے یہاں اُن کا نام ظاہر نہیں کرونگی۔۔

اس ناول کی کوئی لائن کوئی بھی سین میری اجازت کے بغیر کسی بھی مصنف کسی بھی ادارے کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ استعمال کرے۔۔

اور میری اجازت کے بغیر اس کا کوئی بھی ایڈیشن پبلش نہ کیا جائے، ورنہ میں قانونی کاروائی کا مکمل حق رکھتی ہوں۔

مجھے اس کتاب سے بہت محبت ہے، اور اپنے قارئین سے بھی۔

اور یہ یقین بھی ہے کہ وہ اسے بہت پسند کریں گے۔۔ باقی عزت و مقام دینے والی بس ایک وہی پاک ذات ہے۔۔

جزاک اللہ۔۔

انتساب:

یہ کتاب اُن اناؤں کے نام جن کی وجہ سے معصوم زندگیاں
تباہ و برباد ہو جاتی ہیں، اور سفر حیات بوجھ بن جاتا ہے۔۔۔
زندگی کے کچھ لمحات ایک پچھتاوے کی طرح گزرتے ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے
مقصدِ حیات باقی نہیں رہا۔۔

حُزن

بہاروں کے موسم ہمیشہ اچھے نہیں لگتے۔
چمکتی ہوئی دھوپ بھی نہیں بھاتی۔
انسان کی زندگی کی رونقیں اُسے نہیں لبھاتی۔
گر اُس کا دل مر جائے۔
گر اُسے سکون میسر نہ آئے۔
چہروں کی رونقیں واپس نہیں آیا کرتیں۔
گر اپنے ہی خلاف ہو جائیں۔
گر جیتے جی موت واقع ہو جائے۔
بہت ہی لمبی زندگی ہے،
جس میں انسان سو بار مرتا ہے،
گر اُس سے اختیارات چھین لیے جائیں۔
سو بار جیتا ہے،
گر من پسند کی ہوئی تدبیر سے نواز دیا جائے ۔
یہی انسان کی لغزش ہے،
اپنی خواہش کی وجہ سے وہ اپنا سکون گنوا دیتا ہے۔۔

☆☆☆☆☆

حال:

26 جون 2026 کی رات دس بجے وہ جرمنی کے میونخ ایئرپورٹ میں پینٹ شرٹ پہنے، ایک ہاتھ میں ہینڈ بیگ اور دوسرے میں اپنا سوٹ کیس تھامے داخل ہوا۔

اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا، وہ بالکل اکیلا تھا۔ اکیس سال بعد وہ انڈیا جا رہا تھا۔ اسے چھوڑنے والا کوئی نہ تھا۔

اس نے ٹکٹ پر فلائٹ نمبر دیکھا اور چیک اِن کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ پاسپورٹ اور ٹکٹ عملے کو دیے، سوٹ کیس کا وزن کروا کر بیلٹ پر رکھ دیا گیا اور کچھ ہی دیر بعد اس کے ہاتھ میں بورڈنگ پاس تھا۔

وہ سیکیورٹی چیک سے گزرا اور اپنے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ارد گرد لوگوں کا رش تھا مگر وہ خاموشی سے اکیلا چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد بورڈنگ شروع ہونے کا اعلان ہوا۔ اس نے بورڈنگ پاس دکھایا اور جہاز میں داخل ہو کر اپنی سیٹ ڈھونڈی۔

ہینڈ بیگ کو اوپر کیبن میں رکھا اور کھڑکی کے پاس اپنی سیٹ پہ بیٹھ گیا۔

کچھ ہی دیر میں جہاز کا دروازہ بند ہوا۔ جہاز رن وے پر آہستہ آہستہ چلنے لگا، پھر اچانک رفتار تیز ہوئی۔

چند لمحوں بعد جہاز نے زمین چھوڑ دی۔

وہ خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ اکیس سال بعد انڈیا کی طرف اس کا یہ سفر شروع ہو چکا تھا، اور اس بار بھی وہ اکیلا تھا۔ جیسے انڈیا سے وہ اکیلا آیا۔ اپنا سب کچھ چھوڑ کر۔ بالکل اکیلا۔

اُس کے پاس ساری رات تھی۔ اُن یادوں کو یاد کرنے کے لیے جو وہ انڈیا سے اپنے ساتھ جرمنی لایا تھا۔ وہ ساری رات فلائٹ میں اب بس یہی کرنے والا تھا۔

اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اُس نے ٹیک آف ہوتے ہی آنکھیں موند لیں۔ زندگی کسی فلم کی طرح پردے پر چلنے لگی۔

☆☆☆☆☆

بائیس سال پہلے:

"کون ہے تُو۔۔" ہسپتال کی مرمر کی راہداری کے ایک بینچ کے ساتھ دبک کر بیٹھے ہوئے لڑکے کو گارڈ نے اونچی آواز میں بلاتے ہوئے پوچھا۔

صبح کے ساڑھے چھ کا وقت تھا، ہوا میں ہلکی ہلکی سی خنکی تھی، موسم بھی اچھا تھا، مگر ہر کسی کے لیے ہر چیز اچھی نہیں ہوا کرتی۔

گارڈ نے ہلکے بھورے رنگ کی پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی سر پر ٹوپی بھی اُسی رنگ کی تھی۔ گارڈ کی آواز سُن کر لڑکے پر کوئی اثر نہ ہوا تو گارڈ نے دوبارہ سے اُسے پکارا، اب کی بار لڑکے نے اُس کی جانب دیکھا۔ گہری بھوری آنکھوں میں اجنبیت ہی اجنبیت تھی۔

لڑکے کی بھوری آنکھیں شدتِ غم سے سرخ تھیں یاں وہ بہت بیمار تھا؟ معلوم نہیں۔!

اُسے سردی لگ رہی تھی، مگر اُسے محسوس تو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا، وقت کی کچھ تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کی تمام حسیں مرجایا کرتی ہیں۔

اُس لڑکے نے اپنی آنکھیں اوپر اُٹھا کر گارڈ کو دیکھا۔ گارڈ نے ایک بار پھر سے اپنا سوال دُہرایا۔

"ہاں تجھ سے ہی پوچھ رہا ہوں۔۔ کون ہے تُو۔۔؟"

اُس لڑکے نے اُسے خاموشی سے دیکھا۔ کالے رنگ کی جینز شرٹ میں ملبوس دبلے سے جسم پر وہ لباس اُس کے سائز کا نہیں لگ رہا تھا، بال جو کہ سارے بکھرے ہوئے تھے، نجانے کب سے کاٹے نہیں تھے۔

چہرے پر صدیوں کی تھکان تھی، وہ دیکھنے سے بہت بیمار لگ رہا تھا۔

وہ اُسے خاموشی سے تکے جا رہا تھا۔

"اوہ بھائی۔۔۔ تیرے سے پوچھ رہا ہوں کون ہے تُو۔۔؟" گارڈ نے اس بار آواز میں مزید سختی ورعب لاتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

لڑکے کی آنکھیں نیچے کو جھکی تھیں، گارڈ کا صبر جواب دے رہا تھا۔

گارڈ نے آگے بڑھتے ہوئے اُس کا کالر پکڑا ہی تھا کہ اُس لڑکے کا کوئی جاننے والا وہاں شاید اُسی کی تلاش میں آن نکلا۔

"ارے ارے آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟" اکیس بائیس برس کے لڑکے نے اُس گارڈ کو غصے سے پھنکارتے ہوئے پوچھا تو وہ ڈر کر ذرا پیچھے کو ہوا۔

"میں کب سے پوچھ رہا ہوں یہ کچھ بتا ہی نہیں رہا۔" زبان سے اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے اُس گارڈ نے بتایا۔

شاید وہ گارڈ ابھی نیا تھا، ورنہ گارڈ کہاں ڈرا کرتے ہیں۔۔

"میرا دوست ہے یہ، کمرے میں دل گھبرا رہا تھا اس وجہ سے باہر نکل آیا ہو گا۔۔" اس لڑکے کی جگہ وہ بولا۔

"اچھا اچھا لے جاؤ اسے۔۔" گارڈ نے ٹوپی ٹھیک کرتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

سفید کُرتے پاجامے میں ملبوس لڑکے نے جینز شرٹ میں ملبوس لڑکے کو اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اُٹھایا تھا۔

"اپنا خیال رکھا کرو ایسے طبعیت مزید خراب ہو گی۔" اُس کی بات سُن کر بھوری آنکھوں والے لڑکے نے اُس کی جانب ایک نظر اُٹھا کر دیکھا۔

"ایسا مت دیکھا کر، اب ڈر نہیں آتا مجھے۔" خوبصوت لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا مگر بیمار لڑکے پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اُس کا تاثر دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

کچھ لوگ ہمیں اتنے محبوب ہوتے ہیں کہ اُن کی تکلیف دیکھ کر اُن سے بھی زیادہ درد محسوس ہوتا ہے۔ وہ اُسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آیا۔

"خالہ یہ وہاں باہر برآمدے میں بینچ کے پاس بیٹھا تھا۔" عادل نے کمرے میں داخل ہوتے ہی شمیم کی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا مہک کی طبعیت ذرا خراب ہے تو تم اس کے پاس جاؤ میں اسے دیکھ لوں گی۔۔" شمیم نے اتنا کہہ کر کمال کا ہاتھ تھاما اور اُسے بیڈ پر بٹھانے کے لیے ذرا آگے کو ہوئیں۔ وہ کب سے پریشان تھیں کہ کمال کہاں چلا گیا۔

"ڈاکٹر کہہ کر گیا ہے اس کے کپڑے بھی تبدیل کروا دیں۔" شمیم نے اُس کی حالت کو دیکھتے ہوئے عادل سے کہا۔

شمیم جو کے کمال کی ماں تھیں اور عادل کی ساس۔۔

"جی خالہ میں آج واپسی پر اس کے لیے اچھا سا سوٹ لے آؤں گا۔۔" اتنا کہتے ہی وہ کمال کو دیکھ رہا تھا، جو بخار میں تپ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔" شمیم نے عادل کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا اور عادل سلام کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمال ابھی تک کسی غیر مرئی نقطے پر اپنی نظروں کو مرکوز کیے ہوئے بیٹھا تھا۔ شمیم نے افسوس سے اپنے بیٹے کی جانب دیکھا۔

جوان اولاد کا غم بہت بڑا ہوتا ہے اور شمیم نے یہ کچھ ہی عرصے میں جان لیا تھا۔ اب تو اُنہیں عادت سی ہونے لگی تھی کمال کو ایسے دیکھنے کی۔

وہ کمال کے بیڈ کے ساتھ رکھے چھوٹے سے صوفے پر بیٹھی تھیں جب کمال نے اُنہیں پکارا۔

"ماں وہ مر کیسے سکتی ہے؟ وہ کیوں مر گئی ماں؟ وہ مجھے کہتی تھی کہ وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی وہ تو دُنیا ہی چھوڑ گئی۔۔"

وہ ابھی بھی کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا، مگر وہ مخاطب شمیم سے تھا۔

"بیٹا جس نے جانا ہوتا ہے وہ چلا جاتا ہے۔ اس دُنیا میں آنے کے ساتھ ہی آپ کی واپسی کا بھی وقت طے ہو چکا ہوتا ہے، اس سب میں اس کا کوئی عمل دخل تھا اور نہ ہی میرا اور نہ ہی تمہارا۔" ایک لمحے کو شمیم نے رُکتے ہوئے اپنے بیٹے کمال کی جانب دیکھا۔

"اگر اُس کے بس میں ہوتا تو وہ اپنی ساری عمر تمہارے ساتھ ہنستے مسکراتے ہوئے خوشی سے گزارتی، مگر قسمت میں نہیں تھا میرے بچے۔۔ اس غم سے نکل آؤ میرے بیٹے وہ اب کبھی واپس لوٹ کر نہیں آسکتی۔"

شمیم نے بڑے دُکھ کے ساتھ کمال کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر ماں میں تو اُس کے پاس جا سکتا ہوں نا؟ تو آپ لوگ مجھے کیوں مر جانے نہیں دیتے۔۔؟" کمال نے اب اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ شمیم کا دل ڈوبا تھا کمال کی بات سُن کر۔ کمال کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔

"ایک ہی تو بیٹا ہے میرا، اُسے بھی مر جانے دوں؟ کیسی باتیں کرتا ہے تو کمال کیا تجھے اپنے بوڑھے ماں باپ پر ترس نہیں آتا، تیرے بعد ہمارے پاس بچے گا ہی کیا؟" شمیم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اُنہوں نے غصے سے کہا۔

کچھ ہی عرصے میں اچھا خاصا گھر تباہی کی طرف نکل پڑا تھا۔

"اُس کے مر جانے کے بعد میرے پاس بھی کچھ نہیں بچا، مجھے ایسے لگتا ہے۔" اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے اپنی بات ابھی مکمل نہیں کی تھی کہ اُس سے پہلے ہی شمیم بولیں۔

"میں ہوں نا کمال، تمہاری بہن ہے تمہارے ابو ہیں۔۔۔ ہم ہیں تو سہی تمہارے ساتھ ہمارے اوپر ایسے ظلم مت ڈھاؤ۔۔ اپنے بیٹے کے زندہ ہوتے ہوئے ہمیں اتنی تکلیف کیوں دیکھنی پڑ رہی ہے۔۔" شمیم نے اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔۔

"آپ جانتی ہیں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے جسم میں جان نہیں ہے میں سانس تو لیتا ہے لیکن وہ سانسیں مجھے زندگی نہیں موت جیسی لگتی ہیں، آپ کے سامنے میں گھٹ گھٹ کر جی رہا ہوں آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں مجھے مر جانے دیں ماں، مجھے مر جانے دیں۔۔" کمال کی باتیں ایک ماں کے سینے میں خنجر گھونپنے کے مترادف تھا۔ کمال ابھی تک اپنے سینے کو مسل رہا تھا، ایسے جیسے اُسے سانس لینے دشواری ہو رہی ہو۔

"تم اتنے ظالم کیسے بن سکتے ہو کمال؟ تمہیں اپنے ماں باپ کی کوئی پرواہ نہیں ہے اتنے مہینوں سے تم ایک لڑکی کے رنج میں

مبتلا ہو۔" شمیم نے اب غصے سے کہا تھا۔

"وہ بس کوئی لڑکی تو نہیں ہے ماں، وہ میری پہلی محبت ہے اور مرتے دم تک وہی میری محبت رہے گی۔۔ پتہ نہیں اللہ نے اُس کا ساتھ مجھ سے کیوں چھین لیا، میں نے تو اتنی دعائیں مانگی پھر بھی اللہ نے مجھ سے میری سب سے عزیز چیز چھین لی۔ اُس کے بنا جینے کا تصور بھی موت کے برابر ہے۔۔" وہ ایک لمحے کو رکا اور پھر سے بولا۔

"بلکہ موت سے بھی بدتر ہے اُس کے بنا جینا، ماں آپ مجھے اُس کی قبر پر بھی نہیں لے کر جاتیں، نہ آپ نہ مہک اور نہ ہی عادل۔۔"

"ہاں تاکہ تم اپنا بسیرا اُس کی قبر پر کرلو۔۔" شمیم نے درشتگی سے کہا تھا۔

"آپ مجھے کہتیں ہیں کہ میں ٹھیک ہو جاؤں تو اگر میں نے اُس کی قبر دیکھ لی تو میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" کمال نے اپنی ماں کو یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی۔

"تمہاری کسی بات پر مجھے کوئی بھروسہ نہیں ہے، تم جو اسپتالوں سے بھاگ بھاگ کر قبرستانوں کی قبروں پر اُسے ڈھونڈ سکتے ہو تو تم کچھ بھی کرسکتے ہو۔۔" شمیم نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ بھی چلی جائیں یہاں سے مجھے آپ سے بھی کوئی بات نہیں کرنی، جب آپ مجھے میری محبت سے ملوا ہی نہیں سکتیں تو آپ کیسے کہہ سکتی ہو کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔۔" اُس کی آنکھیں اب لال ہو رہی تھیں، بنا آنسوؤں کے خشک۔ لال آنکھیں۔

شمیم نے اُسے دیکھا۔

"جب تک تم بلکل ٹھیک نہیں ہو جاؤ گے میں تمہیں اُس کی قبر کا ہرگز نہیں بتاؤں گی۔۔" شمیم نے اب اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا تھا۔

اتنی بات کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"آپ کو بس نام کی محبت ہے مجھ سے، آپ سب بس ڈھونگ کرتے ہیں کہ آپ کو محبت ہے ورنہ کوئی محبت نہیں ہے آپ کو۔۔ محبت ہوتی تو مجھے اُس کی قبر پر لے جاتے آپ۔ اپنے ہی بیٹے پر ظلم کر رہی ہیں آپ۔ سُنا آپ نے۔ ظلم کر رہی ہیں آپ۔" کمال نے چیختے ہوئے کہا، کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اُنہیں کمال کی یہ بات صاف سنائی دی تھی مگر وہ نظر انداز کرتی وہاں سے چلی آئیں۔ کمال اب کمرے میں اکیلا تھا، اپنی پہلی محبت کی خوبصورت یادوں کے ساتھ، اُس کی یادوں کے محور میں کھویا ہوا۔

یادیں خوبصورت ہوں یا کسی بُرے خواب کی مانند جب بھی یاد آئیں دیتی تکلیف ہی ہیں۔

کمرے سے باہر نکل کر شمیم نے اسپتال کے سارے برآمدے میں نظر گھوما کر دیکھا، صبح کا وقت تھا مریضوں کے احباب و

اقارب بر آمدے میں ہی بستر لگائے سوئے تھے۔

کسی کے سفید لٹھے کے سوٹ تھے، کوئی سفید پوش تھا، کوئی غریب تھا یوں کہ اُس وقت وہاں ہر قسم کے لوگ ایک ہی غرض سے موجود تھے۔

اپنوں کی محبت میں انسان کچھ بھی کر لیتا، بس محبت بے لوث، بنا کسی غرض کے ہونی چاہیے بنا کسی مطلب کے۔

شمیم کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے، اُن کے بیٹے نے کیسی محبت کی تھی؟ اتنی شدت بھری محبت، پچھلے چھ مہینوں سے اُسے خود کی بھی ہوش نہیں تھی۔

چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی وہ ایک بینچ کے نزدیک آئیں اور آہستگی سے اُس پر بیٹھ گئیں، گلابی رنگ کے سوٹ میں ملبوس سر پر بڑی سی سفید چادر اوڑھے وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی آواز کو دبانے کی کوشش کر رہی تھیں، وہ رو رہی تھیں۔

جب کسی کا ہنستا بستا گھر کسی کی وجہ سے تباہ ہوتا ہے تو تکلیفیں بھی تو اُتنی ہی شدید ہوتی ہیں۔

ساڑھے چھ مہینے ہونے والے تھے کمال کو اسپتال میں مگر وہ نہ کچھ کھاتا تھا ڈھنگ سے اور نہ ہی کسی اور چیز کا ہوش تھا اُسے۔

کچھ حقیقتیں چھپی رہیں تبھی زندگی میں سکون رہتا ہے۔ شمیم نے اپنے آنسو صاف کیے اور اسپتال کی کینٹین کی جانب چل دیں۔ اُنہیں اپنے اور کمال کے لیے کھانا لینا تھا۔ چاہے کمال کھائے یا نہ لیکن وہ اُس کے لیے کھانا ضرور لیتی تھیں۔

☆☆☆☆☆

سارے صحن میں ماربل لگا ہوا تھا گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، جب وہ اپنے بھاری قدم اُٹھاتی کمرے کے بڑے سے دروازے کو دھکیلتی باہر نکلی۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ گھر میں موجود باقی تمام افراد اُٹھ چکے تھے۔ اُس نے بنا ادھر اُدھر دیکھے باتھروم میں جانا مناسب سمجھا۔

بُری سی حالت میں وہ قدم اُٹھاتی باتھروم میں داخل ہو گئی، اب وہ خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ ملگجے کپڑے، بکھرے بال، آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے، رنگ کیکر کے پھولوں جیسا پیلا، رُخسار جو کہ ایک وقت میں نرم و گداز اور گلابی ہوا کرتے تھے وہاں چہرے کی ہڈیاں عیاں ہو رہی تھیں۔

وہ تین ماہ کی حاملہ تھی۔ نئی نویلی دولہن تو وہ کہیں سے نہیں لگ رہی تھی۔ شادی کو ابھی چار ماہ ہی تو گزرے تھے چار ماہ میں کسی کے شوق کیسے مر سکتے ہیں؟۔

وہ کافی دیر وہاں کھڑی رہی، خاموشی سے، خود کو آئینے میں نہارتی رہی، اپنے آپ کو پہچاننے کی جدوجہد میں مگر وہ خود کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔۔

وقت انسان کو ایسی مشکل میں ڈال دیتا ہے کہ انسان خود کو پہچاننے سے بھی انکاری ہو جاتا ہے شاید وہ بھی خود کو بھول چکی تھی، شاید وہ بھی اُسی وقت میں پھنسی ہوئی تھی۔

انسان اپنا اصل کیسے بھول سکتا ہے؟ حد سے زیادہ تکلیف کی وجہ سے؟ اپنوں سے دھوکہ کھانے کی وجہ سے؟ بے یقینی کی وہ حالت کہ انسان کے سارے اوسان خطا ہو جائیں۔

وہ بھی اُنہی مراحل میں تھی اپنوں کی بے اعتنائی نے اُسے اندر سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، وہ چند ہی دنوں میں خاموش ہو گئی تھی اور اُس کی خاموشی کا فائدہ دُنیا اُٹھا رہی تھی۔

"ارے کدھر رہ گئی ہو بھابھی۔۔۔؟ کھانا بنا دو بھائی نے کام پر بھی جانا ہے اور آج کپڑے بھی دھونے والے ہیں۔۔"

پیچھے سے اُس کی نند کی باریک سی آواز اُس کے کانوں میں زوردار سیٹی کی طرح گونجی۔ اُس نے اچانک سے اپنے چہرے

سے نظریں ہٹا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اب اُس نے اپنے گیلے منہ کو دوبارہ آئینہ میں دیکھا۔ کچھ تھا جو اُسے یاد آیا تھا۔ مگر فوراً ہی اُسے دوبارہ سے نگینہ نے آواز دے کر بلایا۔ یادوں کے بھنور میں پھنسنے سے وہ بچ گئی تھی۔ مگر کب تک؟ انسان کب تک بھاگتا ہے اپنی یادوں سے؟ تلخ حقیقتوں سے؟ کبھی نہ کبھی تو وہ تلخ حقیقتیں اُسے اپنے حصار میں آن لیتی ہیں ایسے کہ انسان کے لیے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔۔

"پتہ نہیں کیسی لڑکی بیاہ لایا ہے تُو جسے نہ کھانا پکانا آتا ہے اور نہ ہی باقی گھر کے کاموں کا کچھ اتا پتہ ہے۔" زہرہ کی ساس نجمہ اپنے بیٹے سے کہہ رہی تھیں۔

شاہد نے بس خاموشی سے ایک نظر اپنی ماں کی جانب دیکھا اور پھر گیلا منہ پونچھتی زہرہ کی طرف۔

ان سب باتوں سے بے نیاز وہ خاموشی سے کھانا بنانے کے لیے باورچی خانے میں جا رہی تھی۔

شاہد کو اُس پر ترس آیا، وہ معصوم شکل ان چند مہینوں میں کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ وہ شادی کی رات کتنی خوبصورت تھی۔۔

ہمسفر کا اچھا ہونا زندگی کو دنیا میں ہی جنت کی مانند بنا دیتا ہے۔

باورچی خانے میں کھڑی ہو کر اُس نے باہر دیکھا چارپائی پر بیٹھا شاہد اُسے ہی دیکھ رہا تھا مگر آنکھوں میں واضح جذبات وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اُس نے فوراً سے ہی اپنی نظریں توے پر ڈالی ہوئی روٹی کی جانب کر لیں۔

"بھابھی ذرا جلدی روٹی پکا دیں میں نے اسکول جانا ہے۔" نگینہ سے چھوٹی بہن جو زہرہ سے سات سال چھوٹی تھی بڑی جلدی میں کیچن میں داخل ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نگینہ اور سکینہ دونوں شاہد سے چھوٹی تھیں۔ نگینہ زہرہ کی ہم عمر ہی تھی۔

زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"نگینہ اسے سالن ڈال دو۔۔" زہرہ نے برتن دھوتی نگینہ سے کہا۔ وہ اپنے ہاتھ تولیے سے خشک کرتی اُٹھی۔

"سکینہ تمہیں اب خود بھی کچھ کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے، اگلے گھر جا کر کیا کرو گی۔۔؟" چائے کے اوپر چھاننی رکھتے ہوئے نگینہ نے ایک اُچٹتی نگاہ زہرہ پر ڈالی۔

"ورنہ زہرہ بھابھی جیسی حالت ہو جایا کرتی ہے سسرال میں جا کر۔۔" چائے کپ میں چھان کر اُس نے کپ سکینہ کی جانب بڑھایا۔ سکینہ نے کپ کو تھاما اور سر کو ہاں میں ہلا کر زہرہ سے پراٹھا پکڑ کر وہ ہال میں چلی گئی۔

نگینہ نے زہر خند نظروں سے زہرہ کو دیکھا اور دوبارہ سے برتن دھونے لگی۔ زہرہ نے ایک بار بھی پلٹ کر نگینہ کو نہیں دیکھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کام میں مگن تھی۔ کیا شادی کے بعد عورت کو بولنے کی اِجازت نہیں ہوتی یاں عورت خود جان بوجھ کر نہیں بولتی۔۔؟

وہ کن عورتوں میں شمار ہوتی تھی؟

شاہد جو باہر ہال میں بیٹھا زہرہ کو ہی دیکھ رہا تھا اپنی ماں کی آواز پر چونک کر اُن کی جانب متوجہ ہوا۔

"بیٹا نگینہ کے سسرال والے آرہے ہیں اس اتوار کو، خرچے پانی کے لیے کچھ پیسے مل جاتے تو مہمان نوازی اچھے سے ہو جاتی۔۔" چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے نجمہ نے شاہد کو دیکھا۔

شاہد نے ایک لمبا سانس اندر کو کھینچا تھا۔

"ماں ابھی کل ہی تو آپ کو میں نے ساری تنخواہ لا کر دی تھی ایک دن میں وہ سارے پیسے کہاں گئے؟" شاہد جانتا تھا کہ اُس کی ماں اُس سے فیکٹری میں ایکسٹرا ٹائم دینے کے بھی پیسے مانگ رہی ہیں۔

"بیٹا وہ تو گھر چلنے میں استعمال ہو نگے نا۔۔" بڑی معصوم سی شکل بنا کر نجمہ نے کہا۔

جیب سے 2 نوٹ نکال کر شاہد نے اپنی ماں کی جانب بڑھائے۔۔ نجمہ نے اُن نوٹوں کو فٹ سے تھاما۔

"ہاں بس اتنے ہی؟ دو سو میں کیا آئے گا؟" پیسے پکڑتے ہوئے وہ خفگی سے بولیں۔

"اماں کل دس ہزار دیے تھے اس سے آپ کے دو مہینے بڑے آرام سے گزر جائیں گے اب آپ مجھ سے الگ سے پیسے مانگ رہی ہیں میں نے اپنا خرچ بھی تو دیکھنا ہے نا۔۔" شاہد نے ذرا سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا چل سہی ہے جیسے تجھے ٹھیک لگتا ہے، ویسے اتنے سے کام چل ہی جائے گا۔" نجمہ نے منہ کے تیور بگاڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اب مجھے کھانا لا دیں میں نے کام پر بھی جانا ہے۔۔" ہاتھ پر بندھی گھڑی کو دیکھتے ہوئے شاہد نے کہا۔

"تیری بیوی ہی بہت سست ہے اتنی سست روی سے کام کرتی ہے کہ سامنے والا بھوکا ہی مر جائے۔" اپنی ماں کی بات سُن کر اُسے تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ جانتی ہیں ماں وہ شادی سے پہلے گھر کے کام نہیں کرتی تھی۔" ابھی وہ اتنا ہی بولا تھا کہ نجمہ نے برق رفتاری سے جواب دیا۔

"ہاں دُنیا جہان کے باقی سارے کام جو کر ڈالے ہیں اس نے۔۔" اپنی ماں کی ان باتوں کو برداشت نہ کرتا وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور باورچی خانے میں چلا گیا۔ نجمہ نے اُسے جاتا دیکھا تو نخوت سے سر جھٹکا۔ پھر جلدی جلدی نوٹ اپنے چادر کے پلو سے باندھنے لگیں۔

"زہرہ۔۔" اُس نے بڑے پیار سے پکارا تھا زہرہ کو۔

اپنی سیاہ نظروں کو اُس کی جانب اُٹھاتی وہ رو دینے کو تھی۔

"کوئی بات نہیں بُرا نہیں منانا ماں کی بات کا اُن کو عادت ہے چھوٹی چھوٹی بات پر غصہ کرنے کی۔" زہرہ کی آنکھ سے ایک آنسو اُس کے گال پر پھسلا۔

نگینہ وہاں بیٹھی اُن دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ایسا بھی کیا کہہ دیا ماں نے آپ کو بھابھی جو آپ ایسے آنسو بہائے جا رہی ہیں؟" نگینہ نے اتنا کہا تو شاہد نے اُسے مڑ کر دیکھا، اُس کی آنکھوں میں تنبیہ تھی، اُسے دیکھ نگینہ نے تھوک نگلا اور وہیں خاموش ہو گئی۔

"کھانا نہیں بنایا جا رہا تو کمرے میں جا کر آرام کر لو، کھانا نگینہ خود بنا لے گی۔ چھوڑو۔" شاہد نے اُس کے ہاتھ سے روٹی بنانے والی چمٹی کو پکڑا اور ایک طرف رکھتے اُسے کندھے سے تھامے وہ باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔

نگینہ غصے سے پھنکارتی باہر کو آئی۔

"ماں میں گھر میں چند دن ہی کی تو مہمان ہوں اُس میں بھی آپ کی بہو کے نخرے ختم نہیں ہو رہے۔" غصے سے کہتی وہ اپنے بازو باندھے کمرے میں جاتے شاہد اور زہرہ کو خون ٹپکاتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں اس کل کی آئی لڑکی نے میرے بیٹے پر کیسا جادو کر دیا ہے جو اسے اس لڑکے کے سوا کوئی اور نظر ہی نہیں آتا۔" نجمہ نے دوپٹہ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ کمرے میں جاتے زہرہ اور شاہد کے کانوں نے بات کو سُن لیا تھا۔

شاہد اُسے کندھوں سے تھامے اپنے کمرے میں لے آیا۔ اُسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے وہ نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔

"آپ نیچے کیوں بیٹھ رہے ہیں؟" سفید لٹھے کی شلوار قمیض میں وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ زہرہ ہڑبڑا کر اُٹھنے لگی تھی کہ شاہد نے اُسے بیٹھے رہنے کا کہا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اُسے عجیب لگ رہا تھا۔

"آپ کا کُرتا خراب ہو جائے گا شاہد۔" ہیجانی سی کیفیت میں مبتلا وہ بولی۔

"کوئی بات نہیں کپڑے ہی تو ہیں دُھل جائیں گے۔" اُس کی بات سُن کر زہرہ خاموش ہو گئی۔ کچھ لمحے سرکے تو وہ بولا۔

"میں کوشش کر رہا ہوں زہرہ کہ تمہیں یہاں کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو مگر ماں کا مزاج ذرا اور طرح کا ہے تمہیں یہاں ایڈجسٹ کرنے میں وقت لگ سکتا ہے۔" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔ زہرہ کی کالی سیاہ آنکھوں میں سحر تھا۔ پلکوں کے پیچھے چھپی موٹی سیاہ آنکھیں شاہد کو دیکھ رہی تھیں۔

"وہ بس کچھ باتوں کو لے کر غصہ ہیں آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا تم فکر نہ کرنا بس اور اگر طبیعت خراب ہو جائے تو سکینہ سے کہہ دیا کرو وہ کام کر دیا کرے گی، نگینہ اور ماں کی طرح وہ ناراض نہیں ہے تم سے۔" اُس کے ہاتھ کو نرمی سے

اپنے ہاتھ میں پکڑے شاہد اُسے سمجھا رہا تھا۔
زہرہ نے اُس کی بات سُنی اور سر اثبات میں ہلا کر اُس کی جانب دیکھا۔
"مت رویا کرو زہرہ تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے کے لیے تمہیں میں شادی کر کے اس گھر میں نہیں لایا تھا۔۔" اپنے ہاتھ کی پشت سے اُس کے آنسوؤں کو صاف کرتے وہ نیچے بیٹھا ہوا اپنا سر اُس کی گود میں رکھے ہوئے اپنی آنکھیں موند گیا۔
سارا سکون ہی تو محرم کے حصار میں ملتا ہے۔
"میری ذمے داری ہو تم زہرہ۔۔ تمہاری خوشی میرے لیے ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔۔ اور میرا سکون بھی تم ہو، میں بس تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔۔" زہرہ کے نرم و ملائم ہاتھ کی پشت پر شاہد نے بوسہ دیا۔ زہرہ بے جان وجود بنی بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔
"تم ہنسا کرو! خوش رہا کرو جیسے شادی سے پہلے ہوا کرتی تھی۔ مجھے وہی ہنستی مسکراتی زہرہ پسند ہے۔۔" وہ بڑے سکون سے آنکھیں موندیں زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ زہرہ نے کوئی حرکت نہ کی تو شاہد نے اُس کا ہاتھ تھام کر اپنے سر پر رکھا۔۔
"میرے سر کے بالوں کو سہلاؤ مجھے بہت اچھا لگتا ہے زہرہ۔۔" زہرہ نے اُس کے سر کے بالوں کو سہلانا شروع کیا۔
"میرے بال کتنے سوفٹ ہیں! ہے نا زہرہ؟" وہ اُس سے اپنی تعریف کروانا چاہتا تھا؟ زہرہ نے اُس کی بات سُنی تو بنا مسکرائے رہ نہ سکی۔
"جی جیسے لڑکیوں کے ہوتے ہیں نا سلکی سے۔۔۔ ویسے بال ہیں آپ کے۔۔"
اُس کی بات سُن کر شاہد نے فوراً سے اپنی آنکھیں کھولیں اُن آنکھوں میں خوشی اور حیرانگی تھی۔۔
"کیا مطلب؟ اتنے اچھے بال ہیں میرے۔۔" اُس کی بات سُن کر زہرہ کھلے دل سے مسکرائی اور سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولی۔
"ہاں نا میں جھوٹ نہیں بولتی۔۔"
"بڑی بات ہے۔" وہ دوبارہ سے آنکھیں موندے سر اُس کی گود میں رکھ گیا۔
"زہرہ کیا تم میرے ساتھ خوش ہو؟" اُس نے زہرہ کا ایک ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔
"ہاں۔۔!" زہرہ نے بس ایک لفظ بولا تھا۔
"تو تم مجھ سے باتیں کیوں نہیں کرتی؟" وہ محبت میں شکایت کر رہا تھا۔
"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟" زہرہ نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

"ہاں بہت محبت کرتا ہوں۔" شاہد کی بات سُن کر وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"تو محبت میں سوال و شکوے کیسے ؟" اُس کی بات سُن کر شاہد اُٹھ بیٹھا۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔۔"

"اب سوچ لیجئے گا۔۔" وہ بھی جواب دیے جا رہی تھی۔

"ہاں اب تو میری پیاری سی بیوی نے کہا ہے تو سوچنا تو بنتا ہے نا۔۔" اُس کی بات سُن کر وہ مسکرائی تھی۔

"ہنستی رہا کرو اچھی لگتی ہو۔" اُس کے رخسار کو اپنی ہتھیلی سے چھوتا وہ سیدھا ہوا۔

"مجھے کام سے دیر ہو رہی ہے واپسی پر بات ہو گی۔۔" وہ زمین سے اُٹھتا اپنے کپڑوں کو ہاتھوں سے جھاڑتے ہوئے بولا۔

"کس وقت تک آئیں گے آپ ؟" زہرہ نے شاہد سے پوچھا۔

"چھ یا ساڑھے چھ بجے تک آجاؤنگا۔۔" کچھ سوچتے ہوئے شاہد نے جواب دیا۔ اتنا کہہ کر وہ اُسے اک نظر بھر کر دیکھتا چلا گیا، وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔

اُس کا شوہر اُس سے بہت محبت کرتا تھا لیکن وہ خوش پھر بھی نہیں تھی۔۔

کچھ تعلق ختم ہو جائیں یاں بن چاہے تعلق بن جائیں تو انسان خوش ہو کر بھی خوش نہیں ہو پاتا۔

اپنوں کے ہاتھوں سے مارے ہوئے لوگ کچھ وقت کے لیے تو خوش ہونا بھول جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنے عزیزوں کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔ اُس کے خواب، اُس کی چاہتیں، اُس کا مان ٹوٹا تھا۔

وہ خاموش ہو گئی تھی مگر شاہد اُسے بہت سپورٹ کرنے کی کوشش کرتا تھا، اپنی ماں اور بہن کی باتوں سے کس قدر وہ زہرہ کو بچا کر رکھتا تھا، زہرہ اس بات سے بخوبی واقف تھی۔

شاہد کے جانے کے بعد وہ خاموشی سے اُٹھی اور بیڈ پر جا کر لیٹ گئی، وہ ٹھیک نہیں تھی نہ ذہنی طور پر، نہ جذباتی طور پر اور نہ ہی جسمانی طور پر۔

وہ خاموشی سے لیٹی چھت کو یکٹک گھور رہی تھی۔ وہ بیس برس کی ہونے والی تھی، ان بیس سالوں کی زندگی میں وہ ایک رانی کی طرح اپنی زندگی کو گزار کر آئی تھی یہاں۔

"اے زہرہ۔۔۔۔۔۔؟" باہر سے اُس کی ساس نجمہ نے اُسے ایسے پکارا جیسے وہ اُن کی غلام ہو۔ وہ جو گہری یادوں میں ڈوبی تھی ایک ہی آواز سے وہ کیسے باہر نکلتی اپنی اُن یادوں سے ؟

"پتہ نہیں کس مٹی کی بنی ہے یہ لڑکی۔ نہ کوئی گھر کا کام کرتی ہے اور نہ ہی ہمارے پاس آکر بیٹھتی ہے۔ ہم سے تو ایسے خار کھاتی ہے جیسے ہم نے اس کا جینا حرام کر رکھا ہو۔۔" باہر صحن پر لگی ہوئی ٹوٹی پر کپڑے دھوتے ہوئے نجمہ نے اونچی آواز میں کہا تو اُس کا سارا دھیان اُن کی جانب مبذول ہو گیا۔

زہرہ نے اُنہیں نظر انداز کیا تھا۔ خاموشی سے لیٹی وہ پچھلے دنوں کی باتوں کو ذہن پر زور دیے یاد کرنے کی بے تحاشہ کوشش کر رہی تھی مگر اُسکے ذہن میں کوئی بھی واضح لکیر کھینچ نہیں پا رہی تھی۔

اپنے سر کے بالوں کو نوچتی وہ یک دم بیڈ پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُسے عجیب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی، اپنے سینے پر ہاتھ مارتی وہ بے چین سی ہوتی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے پانی کے جگ کی جانب متوجہ ہوئی۔

شیشے کے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے اُس کے ہاتھ ایک لمحے کو لرزے تھے۔ اُس کا سر چکرا رہا تھا، دل عجیب ہو رہا تھا، ہاتھ پاؤں سُن ہو رہے تھے۔

وہ خود کی حالت سے پریشان تھی اُسے تکلیف تھی لیکن جسم کے کس حصے میں تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ ذہنی طور پر بیمار تھی یا جسمانی یا دونوں؟

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ابھی اُس نے پانی کا ایک گھونٹ ہی حلق سے نیچے اُتارا ہو گا کہ باہر صحن سے ایک بار پھر نجمہ کی گرج دار آواز اُسے سنائی دی۔

"پتہ نہیں کیسی ڈیٹھ اولاد پیدا کی رضیہ آپا نے شرم نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں اس میں۔۔" اتنا سننے کے بعد اُس نے پانی پیا اور گلاس کو دوبارہ سے میز پر رکھتی اب وہ بیڈ کے نرم گدے پر لیٹتی دوبارہ سے چھت کو یکٹک دیکھ رہی تھی۔

انسان کی ساری توانائی اُس کے خیالات اُس سے چھین لیتے ہیں۔ ایک انسانی ذہن جتنا سوچتا ہے اُس کی پریشانی اُتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔

مگر ایک بات انسان کو یاد ہی نہیں ہے تو کیا کرے وہ؟ اپنے ذہن پر زور نہ دے؟ وہ یہ سب سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھولتی نگینہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"بھابھی آپ کو ماں اتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہیں آپ کو سنائی نہیں دے رہا۔۔" غصے سے کہتی نگینہ اُس کے بیڈ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ زہرہ کو خاموشی سے لیٹا دیکھ وہ ایک بار پھر بولی۔

"اب اُٹھ بھی جاؤ بھابھی۔۔ ایسا بھی کیا بیمار بندہ کے اُس سے یہ گھر کے تین چار کام نہیں ہوتے۔" لہجے میں حد درجہ کڑواہٹ بھرے اُس نے کہا تو زہرہ جو تب سے چھت کو ہی گھور رہی تھی اپنی گردن کا زاویہ تبدیل کرتی اب اُسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر میں بیمار ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں بیمار ہوں اور ایسی حالت میں بیمار ہوں، کل ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اُس نے آرام کرنے کو کہا ہے اب کل کو کچھ ہو جائے گا تو اس کی ذمے داری تم لو گی کیا؟" زہرہ نے اُس سے اتنا کہا اور دوبارہ سے اپنی گردن سیدھی کرتی چھت کو دیکھنے لگی۔

"بھابھی اللہ ہی بچائے آپ جیسی بھابھیوں سے۔۔" نگینہ نے ابھی اتنا کہا تو زہرہ نے بنا اُس کی طرف دیکھے کہا۔

"ہاں اور میرے جیسی بھابھیوں کو تم جیسی نندوں سے بچائے۔۔" نگینہ نے اتنا سُنا تو تن فن کرتی پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی۔

زہرہ جو اُس کے سامنے اپنی اضطرابی کیفیت کو چھپائے ہوئے تھی یک دم سے اُسے گھٹن محسوس ہونا شروع ہوئی۔

اُس کا سانس رک رہا تھا اُس نے جلدی سے اُٹھ کر کمرے میں موجود ڈریسنگ ٹیبل کے ڈرار کو اوپن کیا وہاں کچھ دوائیاں پڑی تھیں اُس نے جلدی جلدی ہاتھ مارتے ہوئے کچھ دوائیاں ٹٹولی ، اُس کا سانس مزید اُکھڑتا جا رہا تھا۔

اُسے چکر آ رہے تھے وہ گرنے ہی والی تھی کہ کمرے میں سکینہ نے آتے ہی اُسے بے حال ہوتے دیکھا۔

"بھابھی۔۔۔!" ایک زوردار چیخ کے ساتھ وہ بھاگتی ہوئی اُس کی طرف گئی تھی۔ سکینہ کی آواز سن کر نجمہ اور نگینہ جو صحن میں کام کر رہی تھیں اُس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"بھابھی آ۔۔۔ آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ اُسے اپنی پوری قوت لگاتے اُٹھانے کی کوشش کر رہی تھی، اُسی لمحے نجمہ زہرہ کی ساس اور نگینہ بھی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"سکینہ ہٹو پیچھے۔۔" اُسے پیچھے کو کرتے نجمہ اور نگینہ نے زہرہ کو سہارا دیتے بیڈ پر لٹایا۔

"اس کا تنفس پھول رہا ہے اسے ڈاکٹر نے جو دوائی لکھ کر دی ہے وہ دراز سے نکالو نگینہ اور سکینہ تم پانی لے کر آؤ۔" زہرہ کو اس حال میں دیکھ نجمہ پریشانی میں مبتلہ ہوئی تھیں اور پریشانی اس بات کی نہیں تھی کہ زہرہ کی طعبیت بگڑ گئی ہے بلکہ پریشانی اس بات کی تھی کہ زہرہ کے گھر تک بات گئی تو کیا ہو گا؟ امیروں کی لاڈلی بیٹی۔۔؟ ہنہہ۔

مگر وہ تو اب شاہد کے علاوہ کسی کی لاڈلی نہیں تھی اور یہ وہ بخوبی جانتی تھی، پر نجمہ کو شاید اس بات کا علم نہ تھا۔

نگینہ نے جلدی جلدی دراز میں سے دوائی نکالی اور سکینہ کو آواز دی۔

"سکینہ جلدی پانی لے آؤ۔" زہرہ کی حالت کافی خراب ہوتی جا رہی تھی۔ چند ثانیے بعد سکینہ بھاگتی ہوئی ہاتھ میں پانی کا گلاس تھامے کمرے میں داخل ہوئی جبکہ کمرے میں پانی پہلے سے موجود تھا۔

جلد بازی میں وہ تینوں بوکھلا گئی تھیں۔

اُسے دوائی کھلا کر وہ بیڈ پر لیٹا رہی تھیں۔

"اللہ جانے یہ کب ٹھیک ہو گی۔" تقریباً مارچ کا شروع تھا جب ہلکی ہلکی گرمی ہونا شروع ہو چکی تھی۔
اب گرمی بھی شروع ہو رہی تھی اور گھر کے کام کرنے کے لیے ملازمین کو بھی نجمہ نے چھٹی دے دی تھی کہ اب تو بہو آگئی ہے "جیسے بہو نہ ہو گھر کی ملازمہ ہو۔۔"
مگر اب جب وہ بیمار تھی اور گھر کے تمام کام اُن کو خود دیکھنے پڑ رہے تھے تو اُنہیں اپنا جلد بازی میں لیا فیصلہ بہت غلط لگ رہا تھا۔
"سکینہ اس کے پاس رہو جب اس کی طعبیت سنبھلے تو اُٹھ کر آجانا باہر۔۔" اتنا کہہ کر نجمہ اور نگینہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔
"مگر ماں مجھے اسکول بھی جانا تھا۔" سکینہ نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔
"ایک دن چھٹی کر لو گی تو کوئی آفت نہیں آجائے گی، اس رانی کی دیکھ بھال کے لیے اس کے گھر والوں نے ملازم تو بھیجے نہیں ساتھ۔" اپنی ماں کی بات سُن کر سکینہ نے ایک سرد آہ اندر کو کھینچی۔ دوائی کھاتے ہی زہرہ کو سکون آگیا تھا۔ سکینہ اُس کے سرہانے بیٹھی اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔
"پتہ نہیں بھابھی آپ نے ایسا کیا کیا ہے جو ماں آپ کو ایک نظر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔۔" سکینہ نے اُس کے ماتھے پر آئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے سوچا۔
کچھ چیزیں وقت کے ساتھ ہی سامنے آئیں تو ہی اچھی لگتی ہیں، وقت سے پہلے ہونے والی کوئی بھی چیز کبھی بہتر پھل نہیں دیتی۔ سکینہ کا ابھی زہرہ کے بارے میں نہ جاننا ہی شاید زہرہ کے لیے بہتر تھا۔
اور وہیں زہرہ ان سب باتوں سے بیگانہ دوائی کے زیرِ اثر سوئی ہوئی تھی۔ سکینہ نے خاموشی سے اُسی کے پاس بیٹھے رہنے کا سوچا۔

☆☆☆

"مہک۔۔؟" عادل اپنے گھر میں داخل ہوا تھا، آٹھ بجنے والے تھے، اُس کی آواز سُن کر مہک کمرے سے باہر نکلی۔
"آگئے آپ کیسی طعبیت ہے اب کمال کی؟" مہک نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔
"ہاں پہلے سے بہتر ہے۔۔" کمال نے برآمدے میں پڑی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"آپ ایک منٹ رُکیں میں آپ کو پانی لا کر دیتی ہوں۔۔" مہک نے جلدی سے کیچن میں جاتے ہوئے کہا۔ عادل نے اپنا سر ہلایا۔
چند ہی ثانیے بعد وہ ہاتھ میں پانی کا بھرا گلاس لیے کیچن سے باہر نکلی۔

"یہ لیں عادل۔۔" اُسے پانی دیتے ہوئے مہک اُسی کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"اب بتائیں عادل کیا کہا ڈاکٹرز نے کب تک ٹھیک ہو جائے گا کمال؟" مہک نے بے چینی سے عادل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پانی پی کر بتاتا ہوں۔۔" عادل نے ہاتھ میں پکڑا گلاس مہک کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا۔" مہک نے اُس کی بات سُن کر خاموشی اختیار کی۔

تین گھونٹ میں عادل نے گلاس کو خالی کیا اور مہک کی جانب چہرہ پورا گھمایا۔

"دیکھو مہک تمہاری پہلے ہی طعبیت ٹھیک نہیں رہتی اس لیے اتنا پریشان مت ہوا کرو، میں اور خالہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں ہر چیز کو اچھے سے مینج کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ بہت جلد کمال ٹھیک ہو جائے گا۔" مہک کو دلاسہ دیتے ہوئے عادل نے اُس کے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا۔

"عادل میرا ایک ہی بھائی ہے وہ جو کہتا ہے وہ آپ کر کیوں نہیں دیتے وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے معلوم ہے وہ جو کہہ رہا ہے اگر آپ ویسا کر دیں گے تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" مہک نے عادل کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

"وہ ٹھیک تو ہو جائے گا لیکن ٹھیک ہوتے ہی وہ مر جائے گا۔" عادل نے بڑی تلخی سے کہا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں عادل وہ ٹھیک ہونے کے بعد۔۔۔" اگلے الفاظ بولنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی تھی اُس سے۔

"آپ ایسی بات کر بھی کیسے سکتے ہیں عادل۔۔؟" مہک کو صدمہ پہنچا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مہک مجھے یہ کہنے میں بہت مزہ آیا ہو گا؟ وہ میرا جگری یار ہے، نہ میری ماں ہے اور نہ ہی میرا باپ۔ ایک تم ہو جو میری کل کائنات ہے اور دوسرا میرا دوست۔۔۔! ایسا دوست جس نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا ہے۔ میں بھی اُسے کھونا نہیں چاہتا۔" مہک نے عادل کو دیکھا جس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

"وہ جو کہہ رہا ہے ویسا کیا تو بہت سی تکلیفیں اور مشقتیں ہمیں اُٹھانی پڑ سکتی ہیں۔ اُسے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو اُسے اس سب سے دور کرو نہ کہ اُس کی یہ بے جا ضد پوری کرنے پر ہمیں راضی کرو۔" عادل نے مہک کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔

"میں اُسے باغرا کبھی نہیں جانے دونگا کبھی بھی نہیں۔۔۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ مہک کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"باغرا اُسے نگل جائے گا، اُس کی سانسیں وہاں جاتے ہی ختم ہو جائیں گی۔۔ جب تک وہ لکھنؤ میں ہے تب تک وہ زندہ ہے۔۔" ایک خوف کی تیز لہر تھی جو اُن دونوں کے سراپے میں دوڑ گئی تھی۔

"وہ باغرا جانے کی ضد کرتا ہے؟" مہک نے حیرت سے پوچھا تھا۔۔

عادل نے بس اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"وہاں تو۔۔۔" مہک کی ریڑھ کی ہڈی میں ایسے جیسے کرنٹ دوڑ گیا تھا۔

"مت کرو یاد وہ سب، ایسے لمحات بھی ذہن میں مت لایا کرو جو تمہیں تکلیف دیتے ہوں۔ کمال کو تو عادت ہے خود کو اذیت دینے کی اُسے مزہ آتا ہے۔۔" عادل نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا اور کمرے میں چلا گیا۔

مہک گم صم سی بیٹھی رہی وہاں۔ اُس کے پاس مزید کچھ تھا ہی نہیں جو وہ عادل سے کہہ پاتی کہ اُسی خاموش لمحے میں عادل نے کمرے میں سے اُسے آواز دی۔

"مہک کھانا بنا دو 9 بجے تک مجھے آفس کے لیے بھی نکلنا ہے۔ ابھی بنانا شروع کرو گی تو ہی میں ٹائم سے کام پر جا پاؤں گا۔۔"

عادل کی بات سُن کر ماضی کی تلخ یادوں سے وہ باہر آئی تھی۔

"جی آپ کے کپڑے میں نے استری کر کے الماری میں ٹانک دیے ہیں آپ نہا لیں میں تب تک ناشتہ بنا لوں۔" اتنا کہتے وہ اُٹھی اور بھاری قدموں سے کیچن میں چلی گئی۔

عادل نے الماری کھولی تو اُس میں پورے ہفتے کے سوٹ پریس کر کے اُس کی بیوی نے رکھ دیے تھے۔

ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر آئی تھی۔ مہک کی ہی محبت تھی جس نے اُسے اتنی جلدی ٹھیک کر دیا تھا ورنہ باپ کے بعد ماں کا بھی چلے جانا اور کسی کا ساتھ بھی نہ ہونا کیسا ہوتا ہے وہ بخوبی جانتا ہے۔

دُنیا میں ماں کے بعد بیوی کا ہی رشتہ ایسا ہوتا ہے جو ایک مرد کو بنانے اور سنوارنے کا کام کرتا ہے، عورتوں پر نسلوں کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔

الماری میں سے کپڑے پکڑتا وہ نہانے کے لیے واشروم کی طرف چل دیا۔

"عادل آجائیں کھانا لگا دیا ہے میں نے۔۔" ڈائننگ ہال سے مہک کی آواز پورے گھر میں گونجی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے عادل نے اُسے فوراً سے جواب دیا۔

"بس دو منٹ رکو میں ابھی آرہا ہوں۔" بالوں کو جیل اور برش سے سیٹ کرتا وہ آئینے میں خود کو ایک آخری نگاہ دیکھتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

جب وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تو مہک بالوں کو کیچر میں مقید کیے ٹیبل پر برتن لگا رہی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرایا تھا، اُسے مسکراتا دیکھ مہک نے آنکھوں ہی آنکھوں سے مسکرانے کی وجہ پوچھی۔

"اب شوہر اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکرا بھی نہیں سکتا؟" وہ شرارت کرتے انداز میں بولا۔

" شوہر مسکرا سکتا ہے اپنی بیوی کو دیکھ کر لیکن مسکرانے کی وجہ بھی تو بتانی چاہیے نہ بیوی کو۔۔" کمر پر ہاتھ باندھتے ہوئے مہک نے آنکھوں کو ذرا چھوٹا کر کہ اُسے دیکھا تھا۔

"ایسے مت دیکھا کرو ورنہ اور محبت ہو جائے گی تم سے۔۔" وہ اُسے اتنا کہہ رہا تھا اور وہ ٹماٹر کی طرح سُرخ ہو رہی تھی۔

"ایک تو تم شرماتی بہت ہو۔" وہ اُسے تنگ کرتا محظوظ ہو رہا تھا۔

"اب اس شرمانے سے ہی پیٹ بھرنا ہے یاں کچھ کھانے کو بھی دو گی؟"

"خود ہی بنا کر کھالیں آپ۔۔" وہ جھینپ سی گئی تھی۔

"اب اپنے شوہر کو تم کھانا بھی نہیں دو گی؟" عادل نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایسا کب کہا۔۔؟"

"ارے ابھی تو تم نے کہا۔" عادل اُس کی ایکٹینگ سے متاثر ہوا تھا۔

"نہا کر آئے ہیں ذرا کان بھی صاف کر آتے آپ۔۔" اب وہ محظوظ ہو رہی تھی۔

"توبہ توبہ شوہر کو ایسے کہتے ہیں؟" وہ اب واقعی میں حیران ہو رہا تھا۔

"آپ بتادیں شوہر کو کیا اور کیسے کہتے ہیں کچھ بھی۔۔" وہ اپنی ہنسی دباتی بولی۔۔

"شوہر کو عزت سے کھانا بنا کر دیتے ہیں اُس کی بات مانتے ہیں اور۔۔" اب وہ مہک کی جانب دیکھتا خاموش ہوا تھا۔

"کیا اور۔۔۔" پلیٹ میں املیٹ ڈالتے ہاتھ ایک لمحے کو روکے وہ اُسے دیکھنے لگی تھی۔

"اور یہ کہ شوہر جب پیار سے بات کرے تو بیوی کو بھی پیار کرنا آنا چاہیے۔" ایک آنکھ دباتا وہ مہک کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"املیٹ والی پلیٹ میز پر رکھتی وہ کیچن میں جانے لگی تھی۔

"اب کہاں چل دی۔۔" عادل نے اُس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"چولہے پر چائے چڑھا کر آئی تھی۔۔" اپنا ہاتھ چھڑواتی وہ بجلی کی سی رفتار سے ڈائننگ ہال سے غائب ہوئی تھی، عادل کا زور دار قہقہہ اُس نے اپنے پیچھے سُنا تھا۔

"یہ لڑکی بھی نہ۔۔" سر کو دائیں بائیں ہلاتا وہ مسکراتے ہوئے پلیٹ میں خود ہی املیٹ ڈالنے لگا تھا۔ اُسے وقت پر آفس بھی پہنچنا تھا اور پھر۔۔؟ پھر اُسے کمال کے پاس بھی تو جانا تھا۔۔

کمال کا خیال آتے ہی چہرے سے وہ مسکراہٹ غائب ہوئی تھی، مسکراہٹ کی جگہ سختی در آئی تھی۔

کچھ یادیں کچھ ماضی کے خیال ایسے ہوتے ہیں کہ انسان ہنستے ہوئے بھی اندر ہی اندر گھٹنے لگتا تھا۔۔ وہ بنا ماضی کو یاد کیے کھانا کھانا چاہتا تھا اُسے اس وقت تو باغرا کو یاد نہیں کرنا تھا۔۔

"عادل کل بازار چلیں۔۔" ڈائننگ ہال میں انٹر ہوتے ہوئے مہک نے عادل کو پکارا تھا۔

"ہاں۔۔" وہ جو کسی اور ہی خیال کے زیرِ اثر تھا مہک کی آواز سے چونکا۔

"میں نے کہا کل بازار چلیں کچھ سامان لینا اور ڈاکٹر کے پاس سے بھی ہو آئیں گے۔۔"کُرسی کھسکا کر وہ بیٹھی تو عادل نے اُسے دیکھا۔

"اسپتال تو تم میرے ساتھ آج ہی چلو گی میں دو بجے تک چھٹی لے کر گھر آجاؤں گا، باس سے میں نے چھٹی لے لی ہوئی ہے۔۔"فورک سے اُس نے املیٹ منہ میں ڈالا تھا۔

"پر آپ نے تو کمال کے پاس جانا تھا۔۔؟"

"اُس کے پاس خالہ ہیں نا، میں چار پانچ بجے چلا جاؤں گا اور خالہ کو ڈرائیور گھر لے آئے گا۔۔"اتنا کہہ کر وہ مہک کو دیکھنے لگا جو میز پر کہنی ٹکائے اپنی ٹھوڑی کو ہتھیلی پر رکھے خاموشی سے کسی غیر مرئی نقطے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"تم پریشان مت ہوا کرو مہک وہ ٹھیک ہو جائے گا۔۔"عادل نے مہک کے میز پر رکھے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اُسے تسلی آمیز انداز میں کہا۔

"جب وہ ایک دم ٹھیک ہو جائے گا تو میں اُسے انڈیا سے کہیں بہت دور بھیج دو نگی۔۔وہ ٹھیک رہنا چاہیے، نظروں کے سامنے بیشک نہ رہے۔۔"اتنی بات کرتے ہوئے اُس کی آنکھوں کے پورے بھیگنے لگے۔۔۔

"بہت کچھ کرنا ابھی باقی ہے اس لیے جلدی سے کھانا کھاؤ۔۔"اُس کی بات سُن کر مہک نے حیرانی سے اُس کو دیکھا۔

"اب کاموں کا میرے کھانے پینے سے کیا تعلق؟"وہ سوالیہ نظروں سے عادل کو دیکھ رہی تھی۔

"ارے میری پیاری سی بیگم پہلے ہی اتنا بیمار رہتی ہو۔۔کھانا نہیں کھاؤ گی تو طاقت کیسے آئے گی اور اگر طاقت نہ آئی تو پھر میرے لیے کھانا کیسے پکاؤ گی؟"عادل کی بات سُن کر اُس کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔ ابھی وہ کچھ کہنے کے لیے لب کھولتی کہ اُس سے پہلے ہی عادل نے کہا۔

"اچھا اچھا اب کچھ مت کہنا میں ہوں ہی غلط مجھے پتہ ہے سب۔۔"اپنی غلطی تسلیم کرتا وہ اب نوالہ بناتے ہوئے اُسے کے منہ کے قریب کرتے مسکرایا تھا۔

"آں کرو۔۔"

"میں کوئی چھوٹی بچی ہوں۔۔؟"

"ہمم۔۔۔! اب کھولو منہ۔۔"عادل کی بات سُن کر مہک منہ کھولا تو عادل نے اپنے ہاتھ سے اُسے نوالہ کھلایا۔

"اب تم پیٹ بھر کے کھانا کھاؤ میں آفس کے لیے نکلتا ہوں لیٹ نہ ہو جاؤں کہیں۔۔"وہ اُٹھتے ہوئے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے باہر چلا گیا تھا۔

"دو بجے تک تیار رہنا میرے آتے ہی اسپتال کے لیے نکلنا ہے۔۔" صحن سے عادل کی اونچی آواز اُس کی سماعتوں سے واضح ٹکرائی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے آپ دھیان سے جایئے گا۔۔" مہک نے فوراً سے باہر کا رُخ کیا۔

" کھانا کھاؤ جا کہ میرے پیچھے کیوں آ رہی ہو۔۔؟" عادل اُسے صحن میں آتا دیکھ فوراً بولا تھا۔

"آپ کو بائے بائے کرنے آ رہی تھی۔۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا جی۔۔۔!" وہ ہنستا ہوا اُس کے قریب آیا اور اُس کے بالوں کو سہلانے لگا۔

"دوائی بھی ٹائم سے کھا لینا اپنی، اس معاملے میں ذرا سی بھی لاپرواہی نہیں ہونی چاہیے اور خالی پیٹ کھانا بھی مت کھانا۔۔" عادل نے محبت سے کہا تو مہک نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں اب چلتا ہوں۔۔ اللہ حافظ۔۔" دروازے کے اندرونی طرف کھڑی وہ اُسے گاڑی میں بیٹھتا دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ ہلاتا وہ اب گاڑی اسٹارٹ کرتا گلی سے باہر جا چکا تھا۔ مہک نے کافی دیر تک وہیں کھڑے رہ کر اپنی نظروں سے عادل کی گاڑی کا تعاقب کیا تھا۔

جب اُسے عادل کی گاڑی نظر آنا بند ہو گئی تو وہ دروازہ بند کرتی کھانے کے لیے ڈائننگ ہال میں چل دی، اُسے کھانا کھا کر کچھ کام کرنے تھے اور پھر اپنے اس بڑے سے گھر کی صفائی بھی خود ہی کرنا تھی، آج ملازمہ نے چھٹی کی تھی۔ ایک لمبا سانس لیتی وہ بس سوچ ہی سکی تھی۔

☆☆☆

"آپا اسے ہوش کے ابھی سوئی ہوئی ہے؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی نجمہ نے بولنا شروع کر دیا۔

"جی ماں آگیا ہے ہوش اب وہ ٹھیک ہیں۔۔" نجمہ کی بات سُن کر سکینہ نے فوراً سے کہا۔

"تو اِسے بولو یہ ڈرامے چھوڑ کر کچھ کام ہی کر لے، ہمارے گھر میں حویلی کی طرح ملازم نہیں ہیں جو اس مہارانی کے آگے پیچھے بھاگے گے سب۔۔" ایک زہر خند نگاہ تھی جو زہرہ کو محسوس ہوئی تھی اور اُس نے اپنی آنکھوں پر سے بازو ہٹاتے ہوئے نجمہ کو دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو صحیح کہہ رہی ہوں میں۔۔ میں تو خود بیمار رہتی ہوں اپنا خیال مجھ سے رکھا نہیں جاتا تمہارا کہاں سے رکھوں گی اوپر سے نگینہ کی بھی بس اسی مہینے میں شادی کر دینی ہے، اور پیچھے بچی سکینہ وہ کہاں ہر روز اسکول سے چھٹی کر کے تمہاری سیوہ میں لگی رہے گی؟ اس لیے بی بی وقت پر کھانا کھا کے دوائی کھا لیا کرو۔۔ ایک تمہاری حالت ایسی ہے اوپر سے اپنے کام دیکھو تم۔۔" نجمہ بولے جا رہی تھیں اور زہرہ بنا کچھ کہے خاموشی سے سب سُنتی جا رہی تھی۔

"ماں۔۔"سکینہ نے نجمہ کو پکارا۔لہجے میں شکوہ تھا۔

"کیا ہے؟"بڑی تلخی سے کہتے ہوئے اُنہوں نے سکینہ کو دیکھا۔

"ماں وہ ٹھیک نہیں ہیں۔۔۔"سکینہ نے ڈرتے ہوئے ہی کہا۔

"تو اب میں اُسے سمجھاؤں ہی نہ؟ ہیں۔۔۔۔؟؟"غصے سے پھنکارتیں وہ اب سکینہ کو باتیں سنانے لگی تھیں۔

"ایک تو یہ وقت پر کھانا نہیں کھاتی، دوائی نہیں لیتی۔۔اگر کھانا نہیں کھائے گی دوائی بھی نہیں لے گی تو بیمار ہی ہو گی اور پھر بہانہ مل جائے گا کام نہ کرنے کا۔۔۔ بھئی ہم لوگ ملازم تھوڑی لگے ہیں۔۔۔"غصے کے ساتھ آواز بھی مزید اونچی ہوتی جا رہی تھی۔۔۔

"بھلائی کا کوئی زمانہ ہی نہیں اب بندہ کسی کو سمجھائے بھی نہ۔۔"غصے سے پیر پٹختی نجمہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"سکینہ مت جواب دیا کرو امی کو۔۔"

"پر بھابھی وہ آپ کو بلاوجہ ڈانٹ رہی تھیں۔۔"

"کوئی بات نہیں خیر ہے۔۔"زہرہ نے اتنا کہا اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔وہ نیچے اُترنے لگی تھی۔

"بھابھی آپ کو کچھ چاہیئے تو آپ مجھے بتا دیں میں لا دیتی ہوں آپ کو۔۔"سکینہ نے اُسے بیڈ سے نیچے اُترتے دیکھا تو فوراً سے بولی۔۔

"اب میں ٹھیک ہوں سکینہ میں خود کر لونگی تم ابھی چلی جاؤ اسکول اتنی دیر نہیں ہوئی۔۔۔"گھڑی کو دیکھتے ہوئے اُس نے کہا تو سکینہ نے بھی گھڑی کو دیکھا۔

"بھابھی نو بج گئے ہیں اگر اس وقت اسکول گئی تو ٹیچر بہت ڈانٹ لگائے گی۔۔کوئی بات نہیں میں صبح چلی جاؤں گی۔۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے۔۔"اپنے ملگجے کپڑوں کو ہاتھوں سے سنوارتی ایک نظر اپنے عکس کو آئینے میں دیکھتی وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

"بھابھی آپ نہا کر کپڑے بدل لو میں تب تک آپ کو کھانا لا دیتی ہوں۔۔"زہرہ نے اُسے دیکھا، کیا جذبات تھے اُس کے؟ وہ معصوم سی بچی اُس سے محبت کرتی تھی، بنا کسی غرض کے بنا کسی لالچ کے۔۔

زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا، کپڑے نکال کر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اُس کے پاس آئی۔پیار سے اُس کے سر پر پیار دیتی اُس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولی۔

"اللہ تمہاری یہ معصومیت ہمیشہ ایسے ہی برقرار رکھے، اس دنیا کے ہاتھوں تمہاری خوشیاں ماری نہیں جائیں۔۔"

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی تھی، زہرہ نہانے کے لیے باتھروم چلی گئی تھی اور سکینہ باورچی خانے میں۔

"کیا ہوا امی بھابھی کی طبیعت اب ٹھیک ہوئی ہے کہ نہیں؟" نل کے نیچے کپڑے دھوتی نگینہ نے اپنی ماں سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے اسے کیا ہو گا؟ ایسی لڑکیوں کو کچھ نہیں ہوتا، زمانے بھر کی خاک چھان کر بھی زندہ ہے اتنے سے مرے گی نہیں۔۔" کپڑے سمیٹ کر بیٹھتے ہوئے نجمہ نے نخوت سے کہا تھا۔

"پتہ نہیں بھائی کو اس میں کیا نظر آتا ہے، نہ اسے اپنے حلیے کی کوئی ہوش ہے، نہ کھانے پینے کی، پتہ نہیں میرا بھائی کیسے گزارا کر رہا اس جیسی کے ساتھ۔" کپڑے کھنگالتی نگینہ نے منہ کے مختلف زاویے بناتے ہوئے کہا۔

"بس اس کے گھر والوں نے بھی اسے اپنے گھر سے رفع دفع کرنا تھا، اپنے کھونٹے سے کھول کر ہمارے گھر لا باندھی ہے، اس کا کوئی پتہ بھی نہیں کب یہ لال جھنڈا دکھا کر پھر اُڑن چھو ہو جائے۔" نجمہ نگینہ کو کپڑے دھوتی کو دیکھتے بول رہی تھیں جب وہ اُن کے پیچھے کھڑی خاموشی سے اُن کی باتیں سُن رہی تھی۔

"کس کی بات کر رہی ہیں آپ امی۔۔؟" زہرہ جو ہاتھ میں کپڑے لیے کھڑی تھی، نجمہ نے فوراً سے اُسے مُڑ کر دیکھا تھا، اُن کا ماتھا شکن آلود ہوا تھا۔ وہ ابھی تک اُسی جگہ خاموشی سے کھڑی آنکھوں میں سوال لیے اُنہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

نجمہ نے اُسے مارے ڈر و خوف سے ایک نظر دیکھا۔ شاید اُس نے بات پوری نہیں سُنی تھی یا اُسے کچھ یاد ہی نہیں تھا؟ لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے اُسے کچھ یاد کیوں نہیں تھا؟

نجمہ نے اپنے دونوں لبوں کو زبان سے تر کیا۔ زہرہ کی آنکھوں میں سوال تھے اُن کا گلا خشک ہو گیا تھا اُنہوں نے تھوک نگلا اور اُس کے بعد اُنہوں نے زہرہ کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ اُس نے حقیقتاً کچھ نہیں سنا تھا یا وہ باتوں کو محسوس کرنا بھول چکی تھی۔

"بھابھی یہ ساتھ والوں کی لڑکی کے بارے میں بات کر رہی تھیں امی، بہت عجیب لڑکی ہے وہ شادی سے پہلے لڑکے کے ساتھ بھاگنے کی پوری تیاری کر چکی تھی۔" ٹوٹی کو بند کرتے ہوئے نگینہ نے زہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ نجمہ نے سُکھ کا سانس لیا تھا۔

"اچھا۔۔" اپنے سر کو ہلاتی زہرہ کپڑے تھامے نہانے کے لیے چلی گئی۔

"اس نے تو میرا سانس ہی خشک کر دیا تھا، کیسی لڑکی ہے یہ۔۔" اپنی چھاتی کو مسلتے ہوئے نجمہ نے گہرے سانس لیے تھے، اُن کا خوف اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ زہرہ سے ڈرتی تھیں بلکہ وہ تو کسی اور سے ڈرتی تھیں اور وہ کون تھا؟

"ارے ماں وہ نہیں کہے گی کچھ اُسے تو خود کچھ یاد نہیں۔۔" نگینہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا تھا۔

"پتہ نہیں ہے جلال صاحب نے کیا کہا تھا؟ اس کے سامنے ماضی کی کوئی بھی بات نہیں کرنی، ورنہ اسے سب یاد آ بھی سکتا ہے اور اگر اسے سب یاد آ گیا تو۔۔۔" نجمہ نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"کچھ نہیں کرلے گی یہ۔ پھنسی تو بہت بُری طرح ہے یہ۔" شیطانی مسکراہٹ اُس کے چہرے سے واضح ہو رہی تھی۔

" اب چپ کر کے کام کرلے۔ یہ نہ ہو نہاتے ہوئے بھی یہ سب سُن لے، کوئی پتہ نہیں اس کا۔" دُھلے ہوئے کپڑوں کو تار پر سکھانے کے لیے نجمہ کپڑوں میں سے پانی نچوڑتے ہوئے اُس سے کہہ رہی تھیں۔

سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے وہ دھیان سے کپڑے دھونے میں مشغول ہو گئی۔

کچھ ہی وقت گزرا تھا جب وہ نہا کر باہر نکلی۔ پرپل کلر کا سوٹ پہنے گیلے بالوں کو تولیے میں باندھے وہ کافی حد تک بہتر لگ رہی تھی، پاؤں میں کریمی رنگ کی چپل پہنے اُس کے سفید پاؤں بھی جوتے کے رنگ کے ساتھ مکس سے ہو رہے تھے۔

"بھابھی آپ کا ناشتہ میں نے کمرے میں رکھ دیا ہے۔۔" سکینہ نے اُسے کھانے کا بتایا اور نگینہ کے ساتھ کپڑے دھونے لگ گئی۔ زہرہ نے اُس کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور کمرے میں چلی گئی۔

"یہ روز روز اسکول سے چھٹی کرنا اچھی بات نہیں ہے، کل وقت پر اسکول جانا۔" نگینہ نے کپڑے دھوتے دھوتے سر سری سا کہا تھا۔

"جی آپا۔۔" آنکھوں کو الگ طرح سے گول زاویے میں گھماتے ہوئے سکینہ نے منہ بگاڑا تھا۔

"یہی بات تیری چہیتی بھابھی نے تجھے کہی ہوتی تو بڑے آرام سے جواب دینا تھا تم نے۔" نگینہ کو اُس کا یوں منہ بگاڑے جواب دینا پسند نہیں آیا تھا۔

"آپا میں نے ایسا ویسا کچھ بھی نہیں کہا۔۔ پتہ نہیں آپ کو کیا مسئلہ ہے بھابھی سے وہ تو کچھ کہتی بھی نہیں ہیں۔" سکینہ نے ناخوشی سے کہا۔

"یہ جو تم اُس پر اتنا اندھا اعتبار کرتی ہو نا کسی دن تمہیں بھی بگاڑ دے گی وہ۔" نگینہ کی بات سُن کر اُس نے تاسف سے اُسے دیکھا تھا۔

"آپ کو وہ تو ویسے ہی پسند نہیں ہیں آپا، اسی وجہ سے آپ ایسی باتیں کرتی ہیں۔" سکینہ کی بات سُن کر نگینہ شعلہ بار نظروں سے اُسے گھورنے لگی۔

"تم نے ابھی اُس کے رنگ نہیں دیکھے جب دیکھ لو گی نا تو روتے ہوئے میرے پاس مت آنا کہ آپا مجھ سے بھول ہو گئی۔"

"تو آپ اپنی توانائی برقرار رکھیں اُس وقت کے لیے جب میں آپ کے پاس روتی ہوئی آؤں گی اور آپ مجھے اُس وقت طعنے دے سکو گی۔"

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے سکینہ، اپنی عمر دیکھو اور اپنی زبان دیکھو، چار دن میں ہی اُس نے تمہیں بولنے کے تیور سکھا دیے ہیں اب اور کیا ہی ثبوت چاہیے تمہیں کہ وہ تمہارے لیے صحیح نہیں ہے، اُس کی صحبت کا اثر ہے جو تمہاری زبان بنا سوچے

سمجھے کچھ بھی بکے جا رہی ہے۔"نگینہ نے جھپٹ کر اُس کے ہاتھ سے دُھلے کپڑوں کو پکڑا اور اُسے وہاں سے جانے کا کہہ دیا۔

"آپا انسان کو موقع بھی دینا چاہیے اگر اُن سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اُسے سدھارنے کا موقع بھی ملنا چاہیے ایک ہی غلطی پر کسی پر اپنا دروازہ بند نہیں کرنا چاہیے، اللہ بھی ہمارے لاکھوں عیب چھپا کر رکھتا ہے وہ تو ہمیں نہیں کہتا کہ تم نے یہاں یہ غلطی کی تھی اس وجہ سے میں تمہیں اب کوئی موقع نہیں دونگا، اگر وہ اتنی بڑی ذات معاف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو ہم تو اس کے بندے ہیں کیا اُس کی یہ با کمال صفات اپنا نہیں سکتے؟"اُس نے ایک لمحے کو رُک کر نگینہ کو دیکھا۔

"آپا آپ کوئی بات نہ سنتی ہیں اور نہ ہی سمجھتی ہیں، اتنی میل بھی دل میں رکھنا اچھی بات نہیں ہوتا، لوگوں کی بہوئیں کتنی جلاد قسم کی ہوتی ہیں اللہ پاک نے آپ کو اتنی اچھی بھابھی دی ہے اُس کا شکر ادا کرنے کی بجائے آپ اُس کا جینا حرام کرنے کا ہر حربہ آزما رہی ہیں۔کچھ تو خدا کا خوف کریں۔"اتنا کہتے ہی وہ نگینہ کی بات سنے بنا وہاں سے چلتی بنی۔

غصے سے نگینہ کی گردن کی رگیں پھول رہی تھیں تنفس بگڑ رہا تھا۔ایک ہی جھٹکے سے اُس نے کپڑوں کو بالٹی میں پٹخا تھا۔

"اس کا کچھ تو علاج کرنا پڑے گا ایسے تو یہ سکینہ کو اپنے ہاتھوں پر ڈال لے گی۔"ماتھے پر آئے پسینے کو کلائی سے صاف کرتی وہ نخوت سے بولی۔

کپڑے دھونے سے اُس کا دل اُٹھ چکا تھا، اُس کا سارا سفید چہرہ غصے کی شدت سے لال ہو چکا تھا۔زہرہ کے لیے نفرت مزید بڑھ گئی تھی۔انسان جسے پسند نہ کرتا ہو، اُس سے نفرت کرنے کے لیے ریت کے ذرے برابر بھی وجہ کافی ہوتی ہے۔

"کپڑے کیوں نہیں دھو رہی؟"نجمہ کپڑوں کو تار پر ڈال کر فارغ ہوتی اُس سے پوچھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ماں دھو ہی رہی ہوں۔"اتنا کہہ کر اُس نے اپنا سر جھٹکا اور کپڑے دھونے میں مشغول ہو گئی۔

☆☆☆

"بھابھی آپ کو کچھ چاہیے؟"کمرے میں داخل ہوتے ہی سکینہ نے زہرہ سے پوچھا تھا۔

زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔اُس کا جواب سُن کر وہ خاموشی سے چلتی ہوئی اُس کے پاس بیٹھ گئی۔

"بھابھی آپ اپنے گھر میں کون سا کام زیادہ شوق سے کیا کرتی تھیں؟"کھانا کھاتی زہرہ رسماً مسکراتے ہوئے بولی۔

"مجھے کتابیں پڑھنا اچھا لگتا تھا میں نے بہت سے ناولز پڑھے ہیں۔"آنکھوں میں پانی کی لکیر نظر آنے لگی تھی۔

"آپ کا آئیڈیل شوہر بھائی جیسا تھا؟ہے نا؟بھائی ہمارے کسی ہیرو سے کم تو نہیں ہیں۔۔"اتنا کہتے ہوئے سکینہ کی گردن فخر سے تن گئی تھی۔

اُس کی بات سُن کر زہرہ مسکرائی۔۔

"ہاں تمہارے بھائی بہت خوبصورت ہیں اس میں تو شک نہیں ہے۔۔"

"آپ کو بھائی اچھے لگتے ہیں؟" دل میں اپنے بھائی کی تعریف اپنی بھابھی سے سننے کو وہ بے تاب تھی۔

"ہاں۔۔" یک لفظی جواب آیا تھا۔

"سب سے زیادہ کیا پسند ہے بھائی میں؟"

"تمہارے بھائی کی مُڑی ہوئی لمبی پلکیں۔" جواب بنا سوچے سمجھے آیا تھا۔

"اوہہہہ۔۔۔" ہونٹوں کو گول سی صورت میں بنائے سکینہ نے کافی لمبا کہا تھا۔

اُس کی یہ حرکت دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے بھابھی مجھے بھائی سارے کے سارے اچھے لگتے ہیں، وہ بہت اچھے ہیں اور پیارے بھی ہیں۔" دونوں ہاتھوں کو گالوں کے نیچے ٹکائے وہ معصومانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ اُس کی بات سُن کر زہرہ کھل کر ہنسی تھی۔

"بھابھی آپ سے ایک بات پوچھوں۔۔؟" کھانا کھاتا ہاتھ منہ کے پاس جا کر ایک لمحے کو رُکا تھا۔ منہ میں نوالہ ڈال کر زہرہ نے اُس سے اشارتاً پوچھا۔

"بھابھی، آپ کو ماں اور آپا اتنا ناپسند کیوں کرتی ہیں؟" اُس کا سوال سن کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی تھی۔ پھر نارمل لہجہ رکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں کہ ہر انسان اس دُنیا میں آپ کو پسند کرے ایسا لازم نہیں ہے، ہر انسان کی پسند کا کرائیٹیریا الگ ہوتا ہے۔ کسی کو ظاہری خوبصورتی والے انسان پسند آتے ہیں اور کسی کو انسان کی سیرت بھاتی ہے۔ تو ہر انسان کو آپ خوش بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن جن کے ساتھ عمر گزارنی ہو اُن کے لیے تھوڑا بہت بدلا جا سکتا ہے۔" چھت پر پنکھا ہولے ہولے سے چل رہا تھا۔

"اس وجہ سے آپ بدل گئی ہیں؟" اُس کے سوال پر اُس نے کندھے اچکا دیے۔

"شاید اور شاید نہیں، شاید اس وقت میں مجھے ایسا ہی بننا تھا۔ کوئی بھی انسان ساری عمر ایک سا نہیں رہ سکتا یاں تو وہ بگڑ جاتا ہے یاں سنور جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک اور اوپشن ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے سمجھوتا کرنا۔ میں نے شاید سمجھوتا کر لیا ہے سکینہ۔" اُس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"سمجھوتا۔۔ سمجھوتا کیا ہوتا ہے بھابھی؟" سکینہ کو سمجھ نہیں آیا تھا شاید۔

"جب کوئی اور اوپشن نہ ہو تو آپ کے پاس جو بھی ہو آپ کو اُسی کے ساتھ خوش رہنا پڑتا ہے آپ مزید کسی خواہش کو اپنے دل میں پروان نہیں چڑھا سکتے۔"

"تو کیا سمجھوتا کرنا اتنا ضروری ہوتا ہے؟" سورج باہر اپنی آب و تاب پر چمک رہا تھا۔
"شاید، اپنوں کی خوشی کے لیے آپ کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، خوشی نہ سہی تو انا کی خاطر کرنا پڑتا ہے۔ خلاصا یہ کہ کسی نا کسی چیز کے لیے اور کبھی نا کبھی انسان کو سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس دُنیا میں کوئی ہی ایسا انسان ہو گا جسے کبھی سمجھوتا نہ کرنا پڑا ہو۔ بچوں تک کو کرنا پڑتا ہے، کبھی اپنے من پسند کھلونے کے لیے تو کبھی اپنے بہن بھائی کی خوشی کے لیے۔" اُس کا ناشتے سے دل اچاٹ ہو چکا تھا۔
"بھابھی لیکن میں نے تو آج تک ایسا سمجھوتا نہیں کیا جس میں مجھے کچھ کھونا پڑے، نہ ہی اپنی کوئی چیز چھوڑی ہے۔ اس کا مطلب میں نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔؟" اُس کے سوال پر زہرہ نے حیرت سے سکینہ کو دیکھا۔
"تو تم یہ چیز ایکسپیریئنس کرنا چاہتی ہو؟" تعجب سے اُس کی آنکھوں کی پتلیاں مزید پھیل گئی تھیں۔
سکینہ نے گھبرا کر زہرہ کے بگڑے تاثرات کو دیکھا۔ اپنے آپ کو نارمل کرتے ہوئے اُس نے کہا۔
"ارے نہیں بھابھی۔۔ میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی کہ میں نے سمجھوتا نہیں کیا۔۔" اب اُسے اپنے ہی سوال پر شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی۔
"جو چیز ہمیں دیکھنے میں آسان لگ رہی ہوتی ہے وہ کرنے میں اُتنی آسان نہیں ہوتی سکینہ، اس لیے اللہ پاک جس بھی حال میں رکھے خوش دلی سے اُسی حال میں رہ لینا چاہیے، بعض اوقات اُس سے سوال کرنا آپ کو بہت بھاری پڑتا ہے۔" برتنوں میں آدھا کھانا ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا۔
"بھابھی کچھ لوگوں کو ایسی چیزوں سے محروم کر دیا جاتا ہے جو اُن کو بہت محبوب ہوتی ہیں تو اُن کو اُس چیز پر رنج نہیں کرنا چاہیے؟" زہرہ نے اُسے دیکھتے ہوئے سر کو ذرا سا خم دیا تھا۔
"تو اللہ پاک کو کیسے پتہ چلے گا کہ اُس کا بندہ تکلیف میں ہے؟" اُس کے سوال پر زہرہ نے اپنے ہاتھوں کو صاف کیا۔ آہستہ سے ہاتھ کو اُس کے قریب کرتے عین اُس کے دل کی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا۔
"اللہ ایک سچے مومن کے دل میں بستا ہے۔۔ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے کیا وہ ہی سمجھ نہیں پائے گا کہ میرے بندے کے رنج کی وجہ کیا ہے؟ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ دکھ میں ہوتا ہے تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے اُسے ہر چیز رنج میں غرق کرنے لگتی ہے اور اُس انسان کو خود اس سب کی وجہ معلوم نہیں ہوتی لیکن۔۔۔" وہ ایک لمحے کو رُکی تھی، تھوڑے سے توقف کے بعد وہ پھر سے بولی۔
"لیکن اللہ کو پتہ ہوتا ہے اُسے سب پتہ ہوتا ہے سکینہ۔۔" سکینہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ پھر گردن جھکائے اپنی جھولی میں پڑے ہاتھوں کو۔

"ابھی تم چھوٹی ہو لیکن سوال تمہارے بہت اچھے ہیں۔۔"اتنا کہہ کر اُس نے تھال میں برتن سمیٹے۔

"کتابیں پڑھا کرو۔۔مزید سوال اچھے ہونگے اور کئی بار سوالوں کے جواب بھی مل جائیں گے۔"اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے اُس نے کہا۔

"کون سی کتاب پڑھوں۔۔؟"اُس کے سوال پہ زہرہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"ابھی تم قرآن پڑھو، اُسی سے زیادہ سیکھو گی۔"

"کیا قرآن۔۔"سکینہ نے اچھنبے سے اُس کی جانب دیکھا۔

"ہمم۔۔"پاؤں میں جوتا اڑستے ہوئے زہرہ نے سرسری سا کہا۔

"پر قرآن میں کہانیاں تو نہیں ہیں۔۔"اُس کی بات سُن کر زہرہ نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"میں نے کب کہا کہ قرآن کہانیوں کا مجموعہ ہے؟"وہ برتن وہیں میز پر رکھتے ہوئے اُس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

سکینہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"اچھا میری بات سُنو۔مجھے یہ بتاؤ کہ آج تک کوئی ایسی کتاب کسی نے لکھی ہے جس میں کہیں بھی گرامیٹیکل میسٹیک نہ نکلی ہو؟یاں اُس پر لوگوں کے اعتراضات نہ ہوں؟"زہرہ کے سوال پر سکینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا کبھی قرآن میں کوئی غلطی نظر آئی ہے، ایک زیر یا زبر کی بھی؟"سکینہ نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

"یاں کبھی سُنا ہو کہ اس میں یہ فلاں والی کہانی کتنی سبق آموز ہے؟"سکینہ نے ایک بار پھر سر نفی میں ہلایا تھا۔

"کیا کبھی یہ سُنا ہے کہ قرآن میں موجود یہ واقع کتنا اہم ہے اور اس سے لوگوں نے ہدایت پائی؟اور یہ ایک خاص خزانہ ہے جو مسلمانوں کے پاس ہے؟"کچھ دیر سوچنے کے بعد سکینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایسا اس وجہ سے ہے کیوں کہ یہ حقائق پر مبنی کتاب ہے نہ کے من گھڑت کہانیاں۔حقائق بھی وہ جو خدا نے خود بیان کیے ہیں، واقعات وہ ہوتے ہیں جو حقیقت میں کسی نا کسی دور میں پیش آئے ہوتے ہیں، جبکہ کہانیاں وہ ہوتی ہیں جو انسان خود سے اخذ کر لیتا ہے، جن میں سب کچھ انسان کا اپنا سوچا سمجھا ہوتا ہے، اور اگر کہیں کچھ حقیقت ہو بھی تو اَسی فیصد چانسز ہوتے ہیں کہ اُس میں کچھ نا کچھ اُس نے خود سے اخذ کیا ہو گا۔جب کہ قرآن میں ایسا نہیں ہے۔۔"

"قرآن میں ہر چیز حق سچ پر مبنی ہے۔"اُس نے ایک لمحے کو اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"سمجھ آ رہی ہے؟"سکینہ نے فوراً سر کو اوپر نیچے زور زور سے ہلایا۔

"اچھا ایک اور چیز کیا تمہیں آیت کا مطلب پتہ ہے؟"ایک بار پھر سکینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"آیت کا مطلب نشانی ہوتا ہے، مطلب اگر آپ قرآن پڑھتے ہیں تو اُس میں موجود چیز آپ کے آج اور آنے والے کل کو ڈیفائن کرتی ہے۔" سکینہ نے اپنی بھنوؤں کو اوپر اُٹھاتے ہوئے سمجھنے کے انداز سے سر کو ہلایا۔

"تو جب تم **قرآن باترجمہ** پڑھو گی تب تمھیں اپنے سارے سوالوں کے جواب بھی ملنا شروع ہو جائیں گے۔" سکینہ نے نظریں اُٹھائیں تو سامنے دیوار میں نصب الماری پر نظر پڑی جو کھلی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے بھابھی ڈیلی ہم قرآن پڑھا کریں گے، آپ کریں گی ہیلپ؟" سکینہ کافی پُر اُمید تھی۔

"ہاں ضرور۔۔"

زہرہ کے اتنا کہنے کی دیر تھی وہ خوشی سے جھوم اُٹھی۔۔۔

"ٹھیک ہے بھابھی۔۔" اُسی خوشی میں جھومتی وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ زہرہ وہیں بیٹھی تھی خاموشی سے، نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر جمائے، شل دماغ کے ساتھ، آگے کیا ہونے والا ہے اُس سے انجان۔۔

"آگے کیا ہو گا اس سے تو ہر انسان بے خبر ہوتا ہے، مگر کوئی انہونی ہونے والی ہو تو شاید دل میں پہلے سے ہی ڈر و خوف بیٹھ جاتا ہے۔ اُسے بھی وہی ڈر محسوس ہو رہا تھا، خوف اُس کے سراپے پر سرایئت کر گیا تھا۔ اپنے خوف کو کہیں دور جھٹکتے وہ اُٹھی اور باہر کو چل دی۔ برتن اُس کے ہاتھ میں تھے۔

جب وہ باہر نکلی تو نجمہ اور نگینہ کپڑے دھو چکی تھیں۔

"مجھے کل اپنے گھر جانا ہے ماں کی بہت یاد آرہی ہے۔" کھانے والا تھال اُس نے ہاتھ میں ہی تھام رکھا تھا۔

"کس خوشی میں جانا ہے؟ پرسوں اتوار ہے اور اُس دن نگینہ کے سسرال والوں نے بھی آنا ہے؟ کام کتنا ہے پتہ بھی ہے؟ پھر بھی جانا ہے؟ اگلے ہفتے چلی جانا۔ اس ہفتے ممکن نہیں ہے۔" باہر رکھے لکڑی کے تختے پر بیٹھے ہوئے نجمہ نے کرخت لہجے میں کہتے ہوئے اپنی چادر کو کان کے پیچھے اڑسا۔

اُن کا لہجہ بہت سخت تھا، آنسوؤں کا پھندا اُس کے حلق میں اٹک سا گیا تھا۔

"اب یہاں بت بن کر کیا کھڑی ہو؟ جاؤ برتن رکھو کیچن میں اور ایسے ہی مت رکھ آنا ان کو دھو کر سمیٹ کر آنا۔۔" بھیگی نم آنکھوں سے ایک آنسو گالوں پر پھسلا تھا۔

"جی" کہہ کر وہ کیچن کی طرف بڑھ گئی۔

کیچن میں داخل ہوتے ہی اُس نے ایپرن پہنا، برتن نل کے نیچے کیے، آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، وہ اُن کو صاف کرنے کی بھی زحمت نہیں کر رہی تھی۔

اس گھر میں بس دو لوگ ہی اُس کے لیے محسن جیسے تھے جن سے کھل کر وہ بات کر سکتی تھی، شاہد اور سکینہ۔

"برتنوں کو اسپنچ کی مدد سے صابن لگاتے وہ روئے جا رہی تھی۔

اپنے گھر میں اُس نے کبھی برتن ادھر سے اُٹھا کر اُدھر نہیں رکھا تھا اور یہاں؟ سچ کہتے ہیں عورت کے نصیب ہی اس بات کو طے کرتے ہیں کہ وہ اگلی زندگی میں خوش رہے گی یا دکھ اُس کی زندگی میں مقدر بن کر آئیں گے۔

کھڑکی سے باہر اُس نے دیکھا، نجمہ آرام سے بیٹھی نگینہ کو فروالہ کھلا رہی تھیں، جسے عام زبان میں اسٹرابیری کہتے ہیں۔

" کھالے میرا بچہ، ابھی سے کھاؤ گی تو صحت اچھی رہے گی۔۔"اُن کی بات سُن کر زہرہ کو مزید رونا آیا تھا۔

ماں زندگی میں ہونا دنیا کی سب بڑی نعمت ہے، جیسے ایک ماں اپنی اولاد کا خیال رکھ سکتی ہے کوئی کسی کا نہیں سکتا اور جب ایک ماں اپنے بچوں میں فرق کرتی ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اُس نے برتن دھوئے، برتنوں کو شلیف میں سجاتے ہی اُس نے ایپرن اُتارا اور نم آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب قدم اُٹھاتی وہ برآمدے سے نجمہ اور نگینہ کے سامنے سے گزری۔ اُن دونوں نے نخوت سے اُسے دیکھا تھا۔

اُن کی دھتکار بنا دیکھے بھی وہ محسوس کر سکتی تھی۔

خاموشی سے بنا کچھ کہے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی، باہر بیٹھیں نجمہ اور نگینہ ابھی تک فروالہ کھانے میں مصروف تھیں۔

وقت گزرتا جا رہا تھا، خاموشی سے۔

کسی کا بہت اچھا اور کسی کا تکلیفوں میں لپٹا ہوا۔ وقت جیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

10 مرلے کے گھر میں، جس کے صحن میں سفید مرمر کی ٹائلیں لگی ہوئیں تھیں، گھر میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ چند گز کا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں ایک جھولا اور کچھ پھول کھلے ہوئے تھے۔

سفید شلوار اور آتشی گلابی رنگ کی قمیض جس پر بھر بھر کر کڑھائی کا کام ہوا تھا پہنے، بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں مقید کیے چند ایک لٹیں آزاد گالوں کے آس پاس لہرا رہی تھیں اور وہ باغیچے میں لگے پھولوں کو آب پاش سے پانی دے رہی تھی، جب اُسے باہر کار کے رکنے کی آواز آئی۔

خوشی سے اُس نے آب پاش کو نیچے گھاس پر رکھتے ہوئے اپنے گلے میں لپٹے دوپٹے کو لگی گرہ کھولی۔

قمیض کے دامن کو ہاتھوں سے صاف کرتی جو چند ایک سلوٹیں تھیں اُنہیں ٹھیک کرتے کرتے وہ دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی جب دروازہ کھٹکا۔

" آرہی ہوں۔۔" یہ کہہ کر اُس نے تیزی سے قدم اُٹھائے اور دروازے کا ایک پٹ کھولا۔

باہر عادل ہاتھ باندھے اُسی کے انتظار میں کھڑا تھا۔

"آگئے آپ۔۔؟" عادل کے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے وہ ایک سائیڈ ہوئی بولی۔

"جی بیگم صاحبہ میں تو آگیا ہوں لیکن آپ کب تک تیار ہو نگی؟ ڈاکٹر کا اپوائنٹمنٹ تھا آج ہمارا، اگر آپ کو یاد ہو تو۔"

آنکھوں پر لگا کالا چشمہ اُتارتے ہوئے اُس نے ایک نظر مہک کو سر تا پاؤں دیکھا۔

"تیار ہوں میں۔" عادل اُسے ہی دیکھتے گھر کے اندر داخل ہوا۔

" جی دیکھ رہا ہوں میں، آپ پیاری لگ رہی ہیں۔" اُس کی بات سُن کر وہ شرمائی تھی۔

"چلیں۔۔؟" اُس کے بالوں کو کانوں کے پیچھے اُڑستے ہوئے اُس نے کہا اور مہک نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں اپنی چادر لے آؤں پھر چلتے ہیں۔"

"اچھا آپ لے آؤ میں گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں آپ کا۔"

"جی ٹھیک ہے۔" اتنا کہہ کر وہ دوپٹہ لینے کے لیے کمرے میں چلی گئی اور عادل گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

گھر سے باہر نکلتے عادل کو کچھ یاد آیا تو وہ دوبارہ سے اندر داخل ہو رہا تھا جب اُس کے فون پر ایک میسج ریسیو ہوا۔

اپنی پینٹ کی پاکٹ میں سے اُس نے فون نکالتے ہوئے سرسری سا میسج کو دیکھا۔ اب وہ گھر کے اندر کھڑا تھا۔

تعجب سے اُس کی آنکھوں کی پتلیاں سُکڑی تھیں۔

اُس نے میسج کو زیرِ لب پڑھا تھا۔ ایک ایک لفظ پڑھتے ہوئے اُس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات مزید بڑھتے جا رہے تھے۔

وہ کسی ساکت پُتلے کی طرح بنا کوئی حرکت کیے وہیں کھڑا بار بار اُنہی الفاظ کو دیکھ رہا تھا۔

مہک خود کو چادر سے ڈھانپے باہر نکلی تو عادل کو اتنا شاکڈ سا کھڑا دیکھ وہ آہستہ سے قدم اُٹھاتی اُس کے قریب ہوئی۔

اُس کے چوڑے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے عادل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا عادل اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں سب ٹھیک ہے؟"

عادل نے آنکھوں میں استعجاب لیے مہک کو دیکھا۔

"اسپتال سے میسج موصول ہوا ہے۔" مہک نے اپنی بھنوؤں کو سکوڑا۔

"کس کا میسج ہے؟"

""خالہ کا میسج ہے۔" کسی میکانکی سی کیفیت میں کہتا وہ کبھی فون کو دیکھ رہا تھا اور کبھی اپنے سامنے کھڑی مہک کو۔

"کیا میسج آیا ہے؟ کمال تو ٹھیک ہے نا؟" سب سے پہلے اُسے اپنے بھائی کی ہی پریشانی لاحق ہوئی تھی۔

عادل نے اپنا نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کمال سے جلال ملنے آیا ہوا ہے اسپتال میں۔۔" مہک نے اچھنبے سے عادل کو دیکھا۔

"پر وہ۔۔" الفاظ اُس کے منہ میں ہی دم توڑ گئے تھے۔

وہ ابھی تک کسی صدمے میں تھا۔

"مجھے اسپتال جانا ہے مہک۔ تمہیں بعد میں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔" اتنا کہتے ہی وہ باہر نکلنے لگا تھا جب مہک نے پیچھے سے کہا۔

"مجھے بھی ساتھ لے چلو عادل۔"

عادل نے بس اُسکو ایک نظر دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسے وہاں کسی کے سامنے بھی نہیں لانا چاہتا تھا۔

مہک کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اُسے ایک آخری نظر دیکھتا وہ گھر سے نکلتے گاڑی میں بیٹھا۔

چند ہی ثانیے لگے تھے اُسے اور وہ مہک کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پریشانی کی وجہ سے اُس نے کتنا وقت داخلی دروازے کے پاس کھڑے رہ کر گلی کے آخری سرے کو گھورنے میں ضائع کیا تھا۔

آنسوؤں کی وجہ سے اُسکی آنکھوں سے اُسے کچھ واضح نظر نہیں آرہا تھا۔

آہستہ سے دروازے کو بند کرتی وہ بھاری ہوتے قدموں سے کمرے میں چلی گئی تھی۔

اُس کا سکون جیسے کہیں غائب ہو گیا تھا۔ کچھ چیزیں انسان بار بار افورڈ نہیں کر سکتا۔

ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ آدھے گھنٹے میں ہی اسپتال پہنچ گیا تھا۔

اخلاقیات سے گری حرکت کرنے والوں سے بھی اُتنا ہی خوف آتا ہے جتنا ایک خونخوار جانور سے۔ ایسے لوگ آپ کی عزت پر وار کرتے ہیں اور خونخوار جانور آپ کی جان پر۔

لیکن اگر عزت چلی جائے تو جان کی کیا ضرورت؟ اور وہ تو دونوں طرح سے خسارے میں تھے۔

عزت بھی چلی گئی اور جان بھی۔۔۔۔!

اُس کا دوست تو زندہ تھا لیکن مردوں سے کم بھی نا تھا۔

گاڑی کو پارکنگ ایریا میں کھڑا کرتا وہ برق رفتاری سے اُسے لاک کرتا اسپتال کی جانب بھاگ رہا تھا۔

اسپتال کا بڑا لان اِس وقت حبس زدہ تھا۔

لان کو عبور کرتا وہ بھاگتا ہوا ہسپتال کی راہداری میں داخل ہوا تھا۔

کمرہ نمبر 704 میں کمال کے کمرے کے باہر شمیم پریشانی سے ٹہل رہی تھیں۔

عادل نے اُنہیں دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔ اُس کے قدموں نے مزید جلدی پکڑ لی۔

ایک ہی جست میں اُس نے بر آمدہ پار کیا۔ بنا خالہ سے ملے وہ فٹ سے دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا۔

پسینے میں شرابور وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

اندر کا منظر دیکھ کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹھکا تھا۔

کمرے میں بیٹھے تینوں نفوس اُس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

چند لمحے کے لیے وہ وہیں ٹھہر سا گیا تھا۔

"ارے عادل تم۔۔؟" اُسے یوں دروازے میں کھڑا دیکھ ایک آدمی اپنی جگہ سے اُٹھا تھا، سفید سوٹ میں ملبوس سر پر پگڑی رکھے وہ بہت باوقار سا لگ رہا تھا۔

من کی کالک سفید کپڑوں سے چھپا نہیں کرتی۔ عادل نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

"آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" بنا سلام دعا کیے اُس نے شہیر راجپوت کی آنکھوں میں دیکھے سپاٹ سے انداز میں کہا۔

پاس بیٹھا جلال خاموشی سے کھڑا ہوا۔ تیکھے و سحر بھرے نقوش، چھوٹی سی آنکھیں، وہ بھی سفید شلوار سوٹ میں ملبوس شال کندھے پر جمائے عادل سے مخاطب ہوا۔

اُس کی شخصیت میں رعب تھا۔ عادل نے اُس کی طرف دیکھا۔

"اسلامُ علیکم!" اُس کی وزنی آواز سن کر عادل کو بہت غصہ آیا تھا۔

"میں نے پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔۔" جلال کی آنکھوں میں غصے سے گھورتے ہوئے اس نے اپنا رخ شہیر کی جانب کیا تھا۔

"ملنے آئے تھے تم لوگوں سے۔ آخر کو ہمارے ہی گاؤں کے لوگ ہیں آپ۔" چھت پر لٹکا پنکھا آہستہ آہستہ جھوم رہا تھا۔

شہیر کی بات سُن کر عادل نے غصے سے اپنی دونوں مٹھیاں مضبوطی سے بند کی تھیں۔

"دیکھو عادل بیٹا ہم تو یہاں تم لوگوں کی مدد کرنے آئے ہیں۔" شہیر کی بات پر اُس نے فوراً سے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے اُن کو چپ رہنے کا کہا۔

"ہمیں آپ کی کسی بھی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنے برے دن نہیں آئے کہ آپ جیسوں سے مدد لینا پڑے ہمیں۔۔"

عادل کا غصہ اتنا واضح تھا کہ کمال بھی اب اپنے اعصاب کو استمعال کرنے لگ گیا تھا۔

"بیٹے اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔ ہم تو آپ سب کا بھلا ہی چاہتے ہیں۔" شہیر نے بڑے شفقت بھرے لہجے میں کہا تھا، اُن کی بات سُن کر عادل کے دماغ کی رگیں پھولنے لگی تھیں۔

"میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں اس لیے یہ ڈھونگ رچانا بند کریں آپ، خدا کا واسطہ ہے۔" عادل نے بیزاری سے کہا تھا۔

"ایسے کیسے نہیں ہو تم ہمارے بیٹے؟ اپنے ہاتھوں میں بڑھا کیا ہے تمھیں ہم نے۔۔" شہیر نے اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو اُس کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔

"جن ہاتھوں نے ہمیں پال کر بڑھا کیا وہ اب اس دُنیا میں نہیں رہے۔" ضبط کرتے ہوئے عادل نے شہیر کو کچھ باور کروایا تھا۔

"ہاں، اُن کی جگہ اب ہم جو ہیں باقی سب کے لیے۔" اپنی پگڑی کو چھوتے شہیر راجپوت نے فخر سے کہا تھا۔۔

"کسی کا اقتدار چھین لینے سے اُس جیسا وقار نہیں مل جایا کرتا شہیر راجپوت۔۔۔" عادل نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا تھا۔ شہیر کے چہرے پر مسکراہٹ فوراً پھیکی ہوئی تھی۔

"اوقات میں رہ عادل۔۔" پاس کھڑا اجلال اس وقت اپنے باپ کی بے عزتی پر فوراً سے بولا تھا۔

"آپ لوگ یہاں سے دفع ہونگے یاں میں دھکے مار کر نکالوں یہاں سے؟" جلال کے مقابل پر وہ بھی دھاڑا تھا۔

"تمیز سے بات کرو۔۔" پاس کھڑا اجلال غصے سے آگے کو بڑھنے لگا تھا جب درمیان میں شہیر آن کھڑے ہوئے۔

عادل نے آنکھوں میں خون لیے جلال کو دیکھا تھا۔

"اتنا غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔ مل بیٹھ کر حل نکال لیتے ہیں عادل بیٹے۔" شہیر نے اُس کے بگڑتے تیور دیکھے تو مزید نرم لہجے میں کہنے لگے۔

"نہ تو ہمیں کسی چیز کا حل چاہیے اور نہ ہی آپ سے بات کرنی ہے۔ ہمارا بات کرنا کسی بھی حوالے سے ٹھیک نہیں ہے، نا ہی مجھے آپ سے کوئی غرض ہے اور نا ہی آپ کو ہونی چاہیے۔" عادل اب آہستہ آہستہ نارمل لہجے میں بول رہا تھا، کمال ٹھیک تھا اُس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

"ہم گاؤں کے سردار ہیں اور سب ہماری بات مانتے ہیں۔" شہیر نے بڑے فخر سے گردن کو اونچا کرتے ہوئے کہا۔

"شہیر راجپوت، آپ اپنے گاؤں میں ہیں سردار۔ یہاں آپ بنا ہماری اجازت کے ہماری زندگیوں میں مداخلت نہیں کر سکتے، یہ آپ کی پنچایت نہیں کہ جو آپ کا حکم ہو گا ویسا ہی ہو گا۔" وہ اب ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

شہیر راجپوت نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی۔ اس کے لہجے کی سختی اور اندازِ گفتگو اسے ناگوار گزر رہا تھا، مگر وہ ابھی تک اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے تحمل سے بات کر رہا تھا۔

جلال نے حقارت بھرے لہجے میں کہا،

"تم جیسے لوگوں کو ہم اپنی مٹھی میں مسل کر رکھتے ہیں۔ تم ہمیں انکار نہیں کر سکتے۔ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔"

اتنا کہہ کر اس نے ایک نظر کمال پر ڈالی۔

عادل نے فوراً اس کی نگاہوں کا رخ محسوس کیا۔ جلال جس انداز سے کمال کو گھور رہا تھا، وہ عادل کے ضبط کا آخری امتحان بن گیا۔ اس کے اندر دبا ہوا غصہ یکدم بھڑک اٹھا۔

وہ پوری قوت سے دھاڑا،

"یہاں سے فوراً دفع ہو جاؤ! ورنہ میں تم کو دھکے دے کر باہر نکال دوں گا۔ اور اگر ایک لمحہ بھی مزید یہاں رکے تو میں ابھی پولیس کو کال کر دوں گا!"

"تم ایسا نہیں کر سکتے، عادل۔" جلال کی آواز میں غرور اور دھمکی صاف جھلک رہی تھی۔

"کیونکہ تم بھی جانتے ہو اور ہم بھی کہ تمہاری جان ہماری مٹھی میں ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟ اگر ہم نے اسی وقت یہاں کھڑے ہو کر سارا سچ بیان کر دیا، تو کیا تم اس کے بعد پیدا ہونے والے حالات کا سامنا کر سکو گے؟"

شہیر، جو تب سے صبر کیے ہوا تھا، اس کے چہرے پر پھیلی بے نیازی عادل کے غصے کو مزید ہوا دے رہی تھی اور باقی کی کمی جلال کی بات نے پوری کر دی۔

عادل نے اس پر ایک ناگوار نظر ڈالی۔ وہ اپنے ضبط کی آخری حد پر کھڑا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ مجبور ہے... ہر لحاظ سے مجبور۔ اگر وہ ان کا ساتھ نہ دیتا، تو اپنا دوست کھو دیتا، اور اگر ساتھ دیتا، تب بھی یا تو اپنے دوست سے ہاتھ دھو بیٹھتا یا کسی بے گناہ کی زندگی برباد کرنے کا سبب بنتا۔

آخر وہ کیا کرتا؟

اس وقت وہ شدید پریشانی کے عالم میں وہاں کھڑا تھا۔

دوسری طرف جلال اس کی بے بسی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی، جبکہ کمال، جو اس تمام معاملے سے مکمل طور پر بے خبر تھا، حیرانی سے کبھی شہیر، کبھی جلال اور کبھی عادل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کے لہجوں، اشاروں اور باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر سب کچھ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

عادل نے ایک لمحے کے لیے شہیر کی طرف دیکھا۔ اُس نے کچھ سوچا تھا، چند لمحوں میں ہی وہ سوچ چکا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، میں تمہاری ان باتوں سے ڈر جاؤں گا؟"

اس کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب وہ جلال کو دیکھتا محظوظ ہو رہا تھا۔

اس نے جلال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُر اعتماد لہجے میں کہا،

"تمہیں کیا لگتا ہے، جس بات کا تم ذکر کر رہے ہو، ہم نے اس سے چھپا رکھا ہو گا؟ اسے سب کچھ معلوم ہے۔"

پھر اس نے بے نیازی سے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

"جو کھانا ہے، سکون سے کھا لو، کیونکہ یہاں سے تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی مدد نہیں ملنے والی۔ اب بہتر یہی ہے کہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"تم جیسے لوگوں کے پاس چاہے جتنا بھی پیسہ، اقتدار، حکومت یا رُتبہ آ جائے، تم لوگ اندر سے اتنے ہی مفلس رہتے ہو۔ تمہیں نہ خدا کا خوف ہے، نہ اس بات کا احساس کہ تم کسی کی زندگی تباہ کر رہے ہو۔" اب وہ دروازے کے پاس سے چلتا کمال کے پاس آیا تھا۔ شہیر اور جلال اُسے غصے سے دیکھ رہے تھے۔

"تمہیں یہاں سے کسی بھی قسم کی کوئی مدد نہیں ملنے والی۔ سات آٹھ گھنٹے کا سفر کر کے یہاں آئے ہو، تو آرام سے کھانا کھا کر جانا۔ اگر کھانے کے علاوہ بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا، میں منگوا دوں گا۔ آخر میں تم لوگوں جیسا تنگ دل تھوڑی ہوں۔"

اپنی بات مکمل کر کے عادل بے نیازی سے صوفے پر براجمان ہو گیا۔ اس کے چہرے پر نہ خوف تھا، نہ پریشانی، بلکہ ایک عجیب سا سکون اور بے اعتنائی تھی۔

شہیر اور جلال نے غصے سے اسے گھورا۔

"تم یہ سب نہیں کر سکتے،" جلال دانت پیستے ہوئے بولا۔

"تم جانتے ہو اس کے نتائج کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں، پھر بھی ہمارے مقابلے میں کھڑے ہو؟ ہمارے... راجپوتوں کے سامنے؟"

جلال کے لہجے میں غصہ کھل کر جھلک رہا تھا۔ عادل کی بے پروائی اسے اندر ہی اندر جلا رہی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ سامنے بیٹھا شخص ان کی دھمکیوں کو اس قدر معمولی سمجھ رہا ہے۔

مگر عادل پر جیسے ان باتوں کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔ وہ خاموشی سے ٹوکری میں ہاتھ ڈال کر انگور کا ایک خوشہ اٹھاتا، ایک ایک دانہ کھاتا رہا، گویا کمرے میں ہونے والی تلخ گفتگو اس کے لیے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔

وہ سمجھ چکا تھا... راجپوتوں کا کھیل، ان کی چالیں، ان کی مجبوری... سب کچھ اس کی سمجھ میں آ چکا تھا۔ اسی لیے اب وہ بھی انہی کے انداز میں ان کے ساتھ کھیل رہا تھا، اور یہی بات راجپوتوں کو اندر ہی اندر جلا رہی تھی۔

آخر کوئی پیسوں کے لیے اتنا کیسے گر سکتا ہے؟ کوئی اپنی انا اور طاقت کی خاطر انسانیت کو اپنے قدموں تلے کیسے روند سکتا ہے؟

دوسروں کو بے بس کرنے والے آج خود اس کے سامنے بے بس کھڑے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اس وقت یہاں کھڑے ہو کر ایک لفظ بھی سچ بول دیا تو ان کے پاس بچا ہوا آخری راستہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔ اور وہ ایسا ہر گز نہیں ہونے دے سکتے تھے۔

عادل ان کی ہر چال سمجھ چکا تھا۔ اسی لیے اب وہ پہلے والا عادل نہیں رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی بے نیازی تھی، جیسے اسے کسی چیز کی پرواہی نہ ہو۔

اسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا کہ اس کے سامنے باغراکا سردار، شہیر راجپوت، کھڑا ہے...

یا اس کے ساتھ اس کا وہ بیٹا، جس کے غصے اور لالچ سے ہر کوئی واقف تھا۔

عادل کی نظریں دونوں کے چہروں پر جمی تھیں۔ نہ اس کے لہجے میں خوف تھا، نہ نگاہوں میں جھجک۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت طاقت ان کے ہاتھوں میں نہیں...

جلال آگے بڑھا ہی تھا کہ عادل پر ہاتھ اٹھائے، مگر عین اسی لمحے شہیر راجپوت نے اس کا بازو مضبوطی سے تھام لیا۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جلال کو اشارہ کیا کہ ابھی نہیں۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شہیر نے اپنے لہجے کو غیر معمولی حد تک پر سکون رکھتے ہوئے عادل کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں اس وقت جا رہا ہوں... مگر یہ مت سمجھنا کہ بات یہاں ختم ہو گئی ہے۔ میں واپس آؤں گا، اور اگلی بار پوری تیاری کے ساتھ آؤں گا۔ تب تمہارے پاس ہمیں انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں بچے گی۔"

وہ ایک قدم اس کے قریب آیا، اس کی نظریں سرد اور بے رحم تھیں۔

"اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا... جو بھی ہم سے ٹکرانے کی کوشش کرتا ہے، اس کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔"

اس نے ایک لمحے کو توقف کیا، پھر زہر گھولتی آواز میں بولا،

"اپنی ماں کو تو تم پہلے ہی کھو چکے ہو۔ اب کیا اپنے دوست کو بھی کھونا چاہتے ہو؟"

عادل کا چہرہ سپاٹ رہا، مگر اس کی بندھی ہوئی مٹھیاں اس کے اندر اٹھتے طوفان کا پتا دے رہی تھیں۔

شہیر نے اس کے قریب جھک کر دھیمے مگر کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"اور اگر وہ دوست بھی تم سے چھن گیا... تو تمہارے پاس بچے گا ہی کیا؟ اپنے دوست کی بیمار ماں، جس کا بوجھ چند دن بعد شاید تم خود بھی نہ اٹھا سکو۔۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک سرد مسکراہٹ ابھری۔

"اور اس کی بہن..."اس نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ کر پھر کہا،"اگر ہم چاہیں تو اسے بھی تمہاری نظروں سے ہمیشہ کے لیے غائب کر سکتے ہیں۔"

عادل نے اپنا لہجہ بدستور سپاٹ رکھا۔اس نے جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔وہ خاموشی سے شہیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا رہا، جیسے اس کی ہر دھمکی کو خاموشی سے چیلنج کر رہا ہو۔

جلال ایک طرف کھڑا یہ سارا منظر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر پھیلی طنزیہ مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ اسے یہ سب کسی تماشے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

ادھر بیڈ پر پڑا کمال نیم بے ہوشی کی کیفیت میں مشینوں میں جکڑا ہوا تھا۔اس کی نظریں کبھی عادل پر ٹھہرتیں تو کبھی شہیر اور جلال پر۔وہ نہ پوری طرح ہوش میں تھا، نہ اتنا بے ہوش کہ ارد گرد ہونے والی باتوں سے بالکل بے خبر رہتا۔مگر اس کی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ سمجھ پاتا یہاں آخر ہو کیا رہا ہے۔وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا، بس بے بسی سے سب کچھ دیکھنے پر مجبور تھا۔

شہیر راجپوت نے عادل پر ایک آخری نظر ڈالی، پھر سیدھا ہو کر مڑا۔اگلے ہی لمحے وہ جلال کو اپنے ساتھ لیے اسپتال کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے کے باہر کمال کی ماں، شمیم، کب سے بے چینی کے عالم میں کھڑی تھیں۔جیسے ہی شہیر راجپوت اور جلال کمرے سے باہر نکلے، وہ گھبرا کر ایک طرف ہو گئیں۔

گزرتے ہوئے شہیر راجپوت نے ان پر ایک سرد اور کرخت نظر ڈالی، مگر بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گیا۔چند ہی لمحوں بعد دونوں ہسپتال کی راہداری میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

ان کے جاتے ہی شمیم جلدی سے کمرے کے اندر داخل ہوئیں، جہاں عادل خاموشی سے کمال کے بیڈ کے قریب بیٹھا تھا۔

کمال بدستور نیم بے ہوشی کی حالت میں مشینوں میں جکڑا لیٹا تھا، جبکہ عادل گہری سوچ میں ڈوبا اس کے سرہانے بیٹھا تھا۔

شمیم نے اندر آتے ہی پریشانی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیا ہوا، عادل؟ وہ لوگ کیا کہہ رہے تھے؟"

عادل نے ایک لمحے کے لیے ان کی طرف دیکھا، پھر اپنے لہجے کو معمول پر رکھتے ہوئے بولا۔

"کچھ نہیں، خالہ۔۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔"

"مگر وہ چاہتے کیا ہیں؟ سب کچھ تو ہم نے کیا جو اُنہوں نے کہا۔ اب کیوں ہمیں پریشان کرنے آ گئے ہیں؟" شمیم نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"خالہ وہ جائیداد اپنے نام کروانا چاہتے ہیں۔ باغ اور جتنی بھی جائیداد ہے۔" عادل نے کہا تو شمیم نے اُس کی جانب پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔

"تو ہم کیا مدد کریں اس سب میں اُن کی؟" شمیم نے پھر سوال کیا۔

"کمال کی مدد چاہتے ہیں وہ۔ وہ اُسے جذباتی طور پر توڑنا چاہتے ہیں۔ تاکہ جیسا وہ چاہیں وہی ہو۔"

"ایسا مت ہونے دینا عادل بیٹا۔ بہت تکلیں دیکھی ہیں اُس نے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں خالہ۔ میں سنبھال لونگا۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر کمال کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

"آپ بس ابھی اس کا خیال رکھیں۔ کل تک میں یہاں کے سارے کاغذات بھی مکمل کروا دیتا ہوں، پھر ہم اسے کسی دوسرے ہسپتال میں منتقل کر دیں گے۔"

اتنا کہہ کر اس نے نرمی سے کمال کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی بے بسی اور ترس تھا جیسے وہ خود کو کمال اس حالت کا قصوروار سمجھ رہا ہو۔

شمیم خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے بس آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆☆

شام کے تقریباً چار بج رہے تھے جب شاہد دن بھر کا کام نمٹا کر گھر واپس لوٹا۔ گھر میں غیر معمولی سی خاموشی تھی۔ وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو زہرہ خاموشی سے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔

اس کی طبیعت صبح سے ہی کافی خراب تھی، مگر اس نے نجمہ یا نگینہ کو کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ جانتی تھی، اگر ان دونوں میں سے کسی کو بھی اپنی طبیعت کے بارے میں بتائے گی تو تیمارداری کے بجائے باتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اسی لیے وہ خاموشی سے تکلیف برداشت کیے لیٹی رہی۔

شاہد نے جیسے ہی اس پر نظر ڈالی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ جلدی سے اس کے پاس آیا، نرمی سے اس کا کندھا ہلایا اور سہارا دے کر اسے بٹھاتے ہوئے پریشانی سے بولا۔

"کیا ہوا، زہرہ؟ تم ٹھیک تو ہو؟"

زہرہ نے ہلکا سا سر ہلایا۔

"ہاں شاہد۔۔۔بس ذرا طبیعت خراب تھی، اسی لیے لیٹ گئی تھی۔"

مگر اس کا اترا ہوا چہرہ، بجھی ہوئی آنکھیں اور بے جان آواز صاف بتا رہی تھی کہ وہ صرف "ذرا" بیمار نہیں تھی، بلکہ کافی دیر سے تکلیف برداشت کر رہی تھی۔

شاہد نے اس سے مزید کچھ نہیں پوچھا۔ خاموشی سے اٹھا، کچن میں گیا، اس کے لیے کھانا گرم کیا، پلیٹ میں نکالا اور واپس کمرے میں آگیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے زہرہ کو چند نوالے کھلائے، پھر اسے دوا دی۔ جب وہ کچھ بہتر محسوس کرنے لگی تو وہ بھی وہیں اس کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے لگا، مگر اس کی نظریں بار بار زہرہ کے چہرے پر ہی جا ٹھہرتیں۔

ادھر صحن میں نجمہ اور نگینہ کسی کام میں مصروف تھیں۔ شاہد کو گھر آئے کافی دیر ہو چکی تھی، مگر وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

نجمہ نے ناگواری سے منہ بنایا اور نگینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"دیکھا تم نے؟ کیسا زن مرید بنتا جا رہا ہے۔ نہ آکر ماں کو سلام کیا، نہ بہن سے دو باتیں کیں، سیدھا بیگم کے پاس جا پہنچا۔"

نگینہ نے بھی ہونٹ سکیڑتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"اللہ بچائے ایسی بہوؤں سے۔۔ ہمارے بیٹے کو تو پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ پہلے گھر والے نظر آتے تھے، اب ہر وقت بس بیوی ہی دکھائی دیتی ہے۔"

نجمہ کے لہجے میں شکوہ کم اور جلن زیادہ تھی، جبکہ کمرے کے اندر بیٹھا شاہد ان سب باتوں سے بے خبر، صرف اپنی بیمار بیوی کی فکر میں گم تھا۔

"ایسا کرو زہرہ کچھ دن اپنے میکے چلی جاؤ، خالہ تمہاری صحیح سے دیکھ بھال کر لیں گیں، میں تو سارا دن کام میں اُلجھا ہوا رہتا ہوں تین چار دن میں تمہیں واپس لے آؤں گا۔" کھانا کھاتے ہوئے شاہد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جی وہ میں نے صبح ماں جی سے پوچھا تھا اُنہوں نے کہا کہ نگینہ کے دن پکے ہو جائیں پھر چلی جانا۔" اتنی سی بات کرتے ہوئے وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"اچھا آپ اُن کی فکر نہیں کریں میں دیکھ لونگا، بس آپ اپنا خیال رکھیں۔" اتنا کہہ کر وہ اُسے دیکھ رہا تھا اور وہ خاموشی سے اپنی جھولی میں رکھے ہاتھوں کو۔ وقت یوں ہی سرکتا جا رہا تھا جب وہ کھانا کھا کر برتن اُٹھائے کمرے سے سیدھا باورچی خانے میں گیا تھا۔

"شاہد برتن رکھنے کے بعد کچھ دیر ماں کو بھی دے لینا۔" کان کے پیچھے دوپٹہ سرکاتی نجمہ نے شاہد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بیٹھیں اُس وقت سبزی بنا رہی تھیں۔

"جی ماں ابھی آتا ہوں۔۔" مسکراتے ہوئے اُس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور برتن رکھ کر سیدھا اُن کے پاس چلا آیا۔ کافی دیر وہ اُن کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا تھا۔

☆☆☆

تقریباً شام کے ساڑھے سات بج رہے تھے جب شمیم ڈرائیور کے ساتھ گاڑی سے اُتر کر گھر کے اندر داخل ہوئیں۔

ادھر مہک تب سے صحن میں ہی چکر لگا رہی تھی۔ جب سے عادل گیا تھا اس کے حلق سے پانی کا ایک گھونٹ تک نہیں اُترا تھا۔ نہ اس نے کچھ کھایا تھا، نہ کسی کام کو ہاتھ لگایا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور لبوں پر مسلسل دعائیں جاری تھیں۔ وہ بار بار اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کی سلامتی مانگ رہی تھی۔

جیسے ہی اس کی نظر گیٹ سے اندر آتی ہوئی شمیم پر پڑی، وہ تقریباً دوڑتی ہوئی ان کے پاس آ گئی۔

"ماں... کیا ہوا؟ کمال کیسا ہے؟"

اس نے بے چینی سے ان کے دونوں بازو تھام لیے۔

"مجھے۔۔۔ عادل نے بتایا تھا کہ جلال ہسپتال آیا تھا۔ ماں، پلیز بتائیں نا۔۔ کمال ٹھیک ہے نا؟ اس کی طبیعت اب کیسی ہے؟ اسے ہوش آیا؟ سب ٹھیک تو ہے؟"

وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ بول گئی۔ وہ اتنی پریشان تھی کہ آخری الفاظ کے ساتھ ہی اس کی آواز رُندھ گئی۔

ان کے والد اس وقت دبئی میں تھے، اور یہاں گھر کے سارے حالات شمیم اکیلی سنبھال رہی تھیں۔ ان کے دل پر کیا گزر رہی تھی، یہ شاید کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

شمیم نے آگے بڑھ کر مہک کے گال تھپتھپائے۔

"بیٹا۔۔۔ گھبراؤ مت۔ اللہ کے فضل سے کمال پہلے سے بہتر ہے۔ عادل آج رات وہیں ہسپتال میں رہے گا، اور کل تک اسے کسی دوسرے ہسپتال میں شفٹ کر دے گا۔ ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ جانتی تھیں کہ ان کی یہ تسلی مہک کے دل کا خوف ختم نہیں کر سکتی، مگر اس وقت اس کے سوا ان کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ اسے اپنے ساتھ لیے اندر کمرے میں آ گئیں۔

کمرے کی روشنی میں مہک کی حالت اور بھی خراب لگ رہی تھی۔ صبح سے وہ اُنہیں کپڑوں میں تھی۔ چادر جانے کب کی ایک طرف رکھ دی تھی، دوپٹہ بھی گلے میں نہیں تھا۔ بالوں کی چند لٹیں بے ترتیبی سے چہرے پر بکھری ہوئی تھیں۔ آنکھیں مسلسل رونے کی وجہ سے سرخ اور سوجھی ہوئی تھیں، جبکہ چہرے کی زردی صاف بتا رہی تھی کہ اس نے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔

شمیم نے خاموشی سے اسے بستر پر بٹھایا۔ پہلے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں دیا، پھر بڑی مشکل سے اسے چند نوالے کھلائے۔ اس کے بعد دوائی دی۔

مہک نے بغیر کچھ کہے سب کچھ کر لیا۔

وہ اب مزید ہمت نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے خاموشی سے بستر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، جبکہ اس کی انگلیاں اب بھی تسبیح کے دانوں پر چل رہی تھیں۔

شمیم نے عمر بھر جدوجہد کی تھی تاکہ ان کے دونوں بچے زندگی میں ایک اچھے مقام تک پہنچ سکیں۔ اپنی ہر خواہش، ہر آرام اور ہر خوشی کو پسِ پشت ڈال کر انہوں نے صرف اپنے بچوں کے مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کی تھی۔

مگر آج قسمت نے انہیں ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ان کا ایک بیٹا کسی کے غم میں ہسپتال کے بستر پر بے بس پڑا تھا، جبکہ دوسری طرف ان کی بیٹی اسی بھائی کے دکھ میں اندر ہی اندر ٹوٹ رہی تھی۔

حالانکہ مہک کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ ہر آسائش، ہر سہولت اس کے پاس موجود تھی، مگر کچھ رشتوں کی اہمیت دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ محب صرف اس کا بھائی نہیں تھا، اس کی طاقت، اس کی خوشی اور اس کے سکون کا دوسرا نام تھا۔ دونوں بہن بھائی لڑتے بھی تھے، ایک دوسرے سے ناراض بھی ہوتے تھے، لیکن ان کے درمیان موجود محبت ہر شکوے، ہر ناراضی پر ہمیشہ غالب آ جاتی تھی۔

شمیم کے لیے اپنے دونوں بچوں کو اس حال میں دیکھنا آسان نہیں تھا۔ ایک ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے، یہ شاید لفظ کبھی بیان ہی نہیں کر سکتے۔ مگر وہ ٹوٹنے کی اجازت خود کو نہیں دے سکتی تھیں۔

وہ ماں تھیں۔۔۔ اور ماں کو اکثر اپنے آنسوؤں سے پہلے اپنے بچوں کا سہارا بننا پڑتا ہے۔

انہوں نے دل اپنا مضبوط کیا۔ وہ اپنے بچوں کو اس حال میں تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھیں، نہ ہی چھوڑنا چاہتی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ ایک دن وہ دونوں پھر سے سنبھل جائیں گے، اپنے قدموں پر پہلے سے زیادہ مضبوطی سے کھڑے ہوں گے، اور وہ انہیں اسی روپ میں دوبارہ دیکھنا چاہتی تھیں۔

خاموشی سے انہوں نے مہک کی طرف دیکھا۔ پھر خود بھی چند نوالے کھائے، اسے بھی اپنے ہاتھوں سے کھلایا، اور اس کے بعد خاموشی سے عادل کے آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

تقریباًرات کے ساڑھے دس بج رہے تھے جب عادل گھر میں داخل ہوا۔ پورا صحن گھرے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔
صرف برآمدے کی ایک زرد سی لائٹ جل رہی تھی، جبکہ کچن اور اس کمرے سے ہلکی روشنی باہر بکھر رہی تھی جہاں شمیم اور مہک موجود تھیں۔

وہ خاموش قدموں سے صحن عبور کرتا، برآمدے سے گزرا اور آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا۔

سامنے کا منظر اس کے قدم وہیں روک دینے کے لیے کافی تھا۔

شمیم کرسی پر بیٹھی تھیں۔ ایک ہاتھ کرسی کے ہتھے پر ٹکا ہوا تھا، جبکہ دوسرا ہاتھ اپنے ماتھے کو سہارا دیے ہوئے تھا۔ آنکھیں بند تھیں، جیسے تھکن نے انہیں چند لمحوں کے لیے بے خبر کر دیا ہو، مگر چہرے پر پھیلی پریشانی صاف بتا رہی تھی کہ نیند ان کی آنکھوں سے ابھی بہت دور تھی۔

دوسری طرف مہک بیڈ پر لیٹی گہری نیند میں سو رہی تھی۔ روتے روتے شاید اس کی آنکھ لگ گئی تھی، اسی لیے اس کے چہرے پر بھی تھکن اور اداسی کے نقوش ابھی تک نمایاں تھے۔

عادل نے بنا کسی آواز کے چند قدم آگے بڑھائے۔ پھر دھیمے لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

"خالا۔۔"

شمیم نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور فوراً اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کمرے میں جا کر آرام سے سو جائیں، میں آ گیا ہوں۔ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیجیے، میں لے آتا ہوں۔"

شمیم نے نفی میں ہلکے سے سر ہلایا۔ پھر خاموشی سے کرسی سے اُٹھیں، مہک کے قریب آئیں اور جھک کر اس کے ماتھے پر ایک شفقت بھرا بوسہ ثبت کیا۔ نرمی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا، جیسے اس کی ساری تکلیف اپنی ہتھیلی میں سمیٹ لینا چاہتی ہوں۔

پھر عادل کے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ رکھا۔ اس ایک لمس میں نہ جانے کتنی دعائیں، کتنی بے بسی اور کتنا اعتماد چھپا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

دروازہ بند ہوتے ہی عادل کی نظریں بے اختیار مہک کی طرف اُٹھ گئیں۔

وہ معصوم بچے کی طرح گہری نیند میں سو رہی تھی۔ چہرہ بے حد مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔ مسلسل رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سوجھ چکی تھیں، پلکوں پر اب بھی نمی کے ہلکے سے آثار موجود تھے۔ رنگ پہلے سے زیادہ زرد دکھائی دے رہا تھا اور وجود کمزوری سے جیسے سمٹ کر رہ گیا تھا۔

عادل نے ایک گہرا سانس لیا، آہستگی سے جھک کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور احتیاط سے کمرے کی لائٹ بند کر دی۔

اس کے بعد وہ واش روم میں کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔ چند لمحوں بعد ہلکی سی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے واپس آیا۔

خاموشی سے مہک کے ساتھ والے بیڈ پر ایک طرف لیٹ گیا تاکہ اس کی نیند میں کوئی خلل نہ آئے۔

کمرے میں مکمل سکوت چھا گیا۔

رفتہ رفتہ رات اپنی گہرائی میں اُترنے لگی۔ پورا گھر خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ ہر طرف ایسا سناٹا تھا جیسے دیواریں بھی اپنے اندر نہ جانے کتنے دکھ سمیٹے خاموش کھڑی ہوں۔

☆☆☆☆

صبح کے چھ بج رہے تھے جب اُس کی آنکھ کھلی۔ وہ آہستگی سے بیڈ سے نیچے اُتری تاکہ کوئی آواز نہ ہو۔ ایک نظر اس نے اپنے برابر میں سوئے شاہد پر ڈالی، جو اب تک گہری نیند میں تھا۔ وہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی، بیڈ سے پاؤں نیچے لٹکاتے ہوئے جوتا پہنا اور پھر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اتوار کا دن تھا، اس لیے آج سب ذرا دیر سے اُٹھنے والے تھے۔ نجمہ اور نگینہ اب بھی اپنے کمروں میں سو رہی تھیں۔ جبکہ سکینہ حسبِ معمول کچن میں بیٹھیں مکھن نکال رہی تھیں۔

زہرہ جیسے ہی کمرے سے باہر نکلی، سکینہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور ہاتھ کے اِشارے سے اُسے اپنے پاس بلا لیا۔

"زہرہ۔۔۔ میری بات سنو۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کل شام شاہد میرے پاس آیا تھا۔ وہ کہنے لگا، "تم میکے جانا چاہتی ہو؟ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ نگینہ کی بات پکی کرنے، تاریخ طے کرنے وہ لوگ آنے والے ہیں۔ بس ایک بار وہ لوگ آجاتے، اس کے بعد تم آرام سے چلی جانا۔"

انہوں نے ایک گہرا سانس لیا، پھر قدرے شکوہ بھرے لہجے میں بولیں۔

"لیکن تم سے تو ایک دن بھی صبر نہ ہوا۔ سیدھا جا کر اپنے شوہر سے شکایت لگا دی، اور اُسے بھی میرے پاس اپنی حمایت کرنے کے لیے بھیج دیا۔"

چند لمحے خاموش رہ کر انہوں نے دوبارہ کہا۔

"خیر۔۔۔ جانا ہے تو چلی جاؤ، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مگر اس طرح کی حرکتیں کرنا مجھے بالکل مناسب نہیں لگتا۔"

زہرہ خاموش کھڑی اُن کی ایک ایک بات سنتی رہی۔ ہر لفظ اُس کے دل پر بوجھ بنتا جا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اپنی صفائی دے، بتا دے کہ اُس نے کسی سے کوئی شکایت نہیں کی، مگر اُس نے لب نہ کھولے۔ وہ بس خاموشی سے سب کچھ سہتی رہی۔

" ہم تو تمہاری اتنی غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود بھی تمہیں برداشت کر رہے ہیں، اور تم ہماری اتنی سی بات بھی نہیں مان سکتیں؟"

ان کے لہجے میں شکوے سے زیادہ طنز تھا۔ ہر لفظ جیسے زہرہ کے دل پر چوٹ لگا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑی رہی۔ نہ صفائی دی، نہ کوئی جواب دیا۔ بس اُن کی ایک ایک بات اپنے اندر اُتارتی رہی۔

"ہم نے تو شاہد کی شادی تم سے یہ سمجھ کر کروائی تھی کہ تم ایک اچھے گھرانے کی، سادہ سی لڑکی ہو۔ مگر تم تو بڑی چالاک نکلی۔ ہمیں تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ آج کل ایسی تیز لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔"

انہوں نے تلخی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور ایک ہماری نگینہ ہے۔۔۔ جو کہہ دو، بغیر چون وچرا کے مان لیتی ہے۔ کبھی آگے سے سوال تک نہیں کرتی۔"

وہ رُکی نہیں، مسلسل بولتی چلی گئیں۔

"لیکن تم۔۔۔ تم نے تو گھر میں قدم رکھتے ہی شاہد کو اپنے قابو میں کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ بھی تمہاری ہر بات ماننے لگا ہے۔"

زہرہ نے خاموشی سے اپنی نظریں جھکا لیں۔ ہر الزام اُس کے دل میں کسی کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا، مگر اس نے حسبِ معمول کوئی صفائی پیش نہ کی۔ وہ خاموشی سے سب سنتی رہی۔

نجمہ کو شاید ذرا بھی احساس نہیں تھا کہ اُن کے لفظ زہرہ کے دل پر کیسے وار کر رہے تھے۔ وہ مسلسل بولے جا رہی تھیں، ایک کے بعد ایک بات، جیسے دل میں جمع سارا غصہ آج ہی نکال دینا چاہتی ہوں۔

زہرہ خاموشی سے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ نہ اُس نے سر اُٹھا کر اُنہیں دیکھا، نہ اپنی صفائی میں ایک لفظ کہا۔

وہ تو صرف تھوڑی دیر کے لیے تازہ ہوا لینے باہر آئی تھی، مگر اسے کیا معلوم تھا کہ صبح ہی صبح اسے اتنی ذلت اور طعنے سننے پڑیں گے۔

آخر کار جب نجمہ اپنے دل کا سارا بوجھ ہلکا کر چکیں یاں یوں کہا جائے بھڑاس نکال چکیں تو انہوں نے سرد لہجے میں اُسے وہاں سے جانے کا کہہ دیا۔

زہرہ نے بھی بغیر کسی سوال، بغیر کسی جواب کے وہاں سے چلے جانا ہی بہتر سمجھا۔ چہرہ غم سے بجھ گیا تھا، مگر آنکھوں میں آنسو تک نہ آئے۔ وہ سیدھی واش روم میں گئی، ٹھنڈے پانی سے منہ دھویا، خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کی، پھر واپس کمرے میں آ کر خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی۔

لیٹے لیٹے اس کے ذہن میں ایک ہی خیال بار بار آ رہا تھا۔۔۔ اپنا گھر، آخر اپنا ہی ہوتا ہے۔ شاید سسرال کا یہ گھر ابھی تک اسے اپنا نہ لگا تھا، یا شاید قسمت نے اس کے لیے یہی لکھ رکھا تھا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی زندگی اس موڑ پر آ کر یوں بدل جائے گی۔

کتنے حسین خواب تھے اُس کے۔

کچھ تھا جو اُس کے ذہن میں دھندلانے لگا تھا۔

وہ اپنے ذہن پر زور دیتی اب کچھ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی لیکن سر درد کی اُس شدت کو برداشت کر پانا اُس کے لیے مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

یکدم اُس نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔

اُس کے یوں اچانک اُٹھ کر بیٹھنے سے پاس سویا شاہد بھی چونک کر اُٹھ بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہو تم زہرہ۔۔۔؟" اُس نے اُٹھتے ہی پریشانی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں سر میں بہت شدید درد ہو رہی ہے۔" اپنے سر کو اپنے ہاتھوں سے تھامے اُس نے درد کی شدت کی وجہ سے کراہتے ہوئے کہا۔

"زیادہ طعبیت خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلیں؟" وہ اب مکمل ہوش میں آ چکا تھا۔

زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔۔

"اچھا رکو میں دوائی دیتا ہوں۔۔" اس نے فوراً سے اُٹھتے دراز میں سے دوائی اُلٹ پلٹ کر دیکھی۔

"کونسی کھانی ہے؟" اُس نے زہرہ سے پوچھا تھا۔

"یہ ہرے پتے والی۔۔" ایک نظر دیکھتے ہوئے اُس نے کہا۔

شاہد نے فوراً سے اُسے گلاس میں پانی ڈال کر وہ گولی ہاتھ میں تھمائی۔ منہ میں گولی ڈالتے ہی اُس نے پانی کے دو بڑے بڑے گھونٹ پیئے۔

"لیٹ جاؤ طعبیت خراب نا ہو جائے ایسے۔۔" تکیہ درست کرتا وہ لیٹنے میں مدد کرتا اُس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اُس کا بخار چیک کر رہا تھا۔

"بخار تو نہیں ہے پھر کیا ہوا۔۔؟ پیٹ میں درد ہے؟" وہ اُس سے پوچھ رہا تھا اور اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اچھا ابھی آرام کرو ہو جاتی ہے طبعیت ٹھیک۔۔" اب وہ پریشانی سے ٹہل رہا تھا۔

زہرہ خاموشی سے لیٹی ہوئی تھی۔ اُس کی آنکھ لگ چکی تھی، لیکن شاہد اُس کی طبیعت کو لے کر کافی زیادہ پریشان تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کا دل بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج وہ زہرہ کو اس کے میکے چھوڑ آئے گا۔

یہی سوچ کر وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال کر نہانے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

مہک جب اُٹھی تو آدھے صحن میں دھوپ آ چکی تھی۔ دوائی کے زیرِ اثر اُس کی آنکھ ذرا دیر سے کھلی تھی۔ اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے مہک جب اٹھی تو بے اختیار اپنے برابر میں نظر دوڑائی، مگر عادل وہاں موجود نہیں تھا۔

وہ آہستہ سے بستر سے اتری، اپنا دوپٹہ درست کیا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ باہر آتے ہی اس کی نظر شمیم اور عادل پر پڑی، جو برآمدے میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کچن سے ناشتے کی خوشبو آ رہی تھی، جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ناشتہ تقریباً تیار ہو چکا ہو گا۔

مہک چل کر خاموشی سے ان دونوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ دونوں نے مجھے اٹھایا ہی نہیں۔"

اس نے ہلکے سے شکوے بھرے انداز میں پہلے عادل کی طرف دیکھا، پھر شمیم کی طرف۔

شمیم نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ عادل بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"رات تمہاری طبیعت کافی خراب تھی، اس لیے ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ تمہیں جگائیں۔ آرام کی تمہیں سب سے زیادہ ضرورت تھی۔"

پھر نرمی سے بولیں۔

"اور ناشتہ بھی تیار ہے۔ جاؤ، پہلے ہاتھ منہ دھو لو، پھر سب مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔"

مہک نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

جب وہ واپس آیا تو زہرہ ابھی تک گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ اس نے آہستگی سے اُسے آواز دی۔

"زہرہ... اٹھو، کچھ کھا لو۔"

زہرہ نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ وہ خاموشی سے اُٹھی، پاؤں میں چپل پہنی اور ہاتھ منہ دھونے واش روم چلی گئی۔

اتنی دیر میں سکینہ کھانا میز پر لگا چکی تھی۔

زہرہ آکر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ شاہد نے اُس کی پلیٹ میں تھوڑا سا کھانا نکالا، مگر ابھی اُس نے دو تین نوالے ہی کھائے تھے کہ اُسے متلی آنے لگی۔ اُس نے فوراً کھانا ایک طرف رکھ دیا۔

شاہد نے پریشانی سے اُسے دیکھا، مگر کچھ نہیں بولا۔ زہرہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے بمشکل چند نوالے اور کھائے، پھر مزید کھانا اُس کے لیے ممکن نہ رہا۔

شاہد نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تیار ہو جاؤ زہرہ، میں تمہیں تمہارے میکے چھوڑ آتا ہوں۔ اتنی خراب حالت میں ہر وقت ایسے اندھیر کمرے میں قید رہنا تمہارے لیے اچھا نہیں ہے۔۔"

زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

زہرہ کی آنکھوں کے نیچے ہلکے نمایاں ہو چکے تھے۔ چہرہ مرجھایا ہوا تھا اور آنکھوں کی چمک جیسے کہیں کھو گئی تھی۔ وہ صرف جسمانی طور پر ہی نہیں، دل و دماغ سے بھی بہت تھک چکی تھی۔ زندگی میں اس نے کبھی اتنی تلخ باتیں نہیں سنی تھیں۔ وہ ایسے ماحول کی عادی نہیں تھی جہاں ہر دوسرے لمحے اُسے کسی نہ کسی بات پر طعنہ سننے کو ملے۔

شاہد کے کہنے پر وہ آہستہ سے کرسی سے اُٹھی۔ دوپٹہ دُرست کرتے ہوئے اُس نے بے اختیار اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ کل شام کی بنی ہوئی چوٹی اب کچھ بکھر چکی تھی، چند لٹیں نکل کر چہرے کے گرد بکھر گئی تھیں۔ اُس نے اُنہیں سمیٹا، پھر الماری کھول کر اپنی چادر نکالی اور خاموشی سے اُوڑھ لی۔

الماری میں اس کے کپڑے اور دوسری ضرورت کی چیزیں موجود تھیں، مگر اس نے ان میں سے کچھ بھی ساتھ رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ بس ایک چھوٹے سے بیگ میں اپنی چند ضروری چیزیں رکھیں ، دوائی رکھی اور بیگ بند کر دیا۔ آخر وہ اپنے ہی گھر جا رہی تھی، وہاں اس کے لیے کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ اس کے ماں باپ نے کبھی اُسے کسی خواہش کے لیے ترسنے نہیں دیا تھا۔ اُس کے منہ سے کسی چیز کا نام نکلتا اور وہ چیز اس کے سامنے موجود ہوتی۔

لیکن شادی کے بعد جیسے اُس کی زندگی کا ہر رنگ بدل گیا تھا۔ آزمائشیں اُس کے حصے میں کچھ اس طرح آئی تھیں کہ وہ خود بھی کبھی کبھی حیران رہ جاتی تھی۔ اب بس اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ چند دن اپنے گھر رہ کر سکون کا سانس لے، شاید کئی راتوں سے بچھڑی ہوئی نیند بھی اس کی آنکھوں میں اتر آئے۔

جاتے ہوئے اس نے نجمہ کو سلام کیا، پھر نگینہ اور سکینہ کو بھی آہستہ سے سلام کیا۔

"سلام دینا سب کو وہاں۔ مجھے پہلے بتا دیا ہوتا تو میں تمہارے گھر والوں کے لیے کچھ بھجوا دیتی تمہارے ہاتھ۔ کیا سوچیں گے تمہارے میکے والے کے ہم اتنے کنجوس ہیں کچھ بھجوایا ہی نہیں۔" ایک ادا سے کہتیں نجمہ نے سر پر دوپٹہ درست کیا۔

"کچھ نہیں ہوتا ماں وہ بھلا ایسی باتیں کیوں سوچیں گے؟ ہم جاتے ہوئے بازار میں سے کچھ لے جائیں گے۔" اپنی ماں کی بات سن کر شاہد نے کہا۔

"کیوں لے جاؤ گے بازار سے؟ میرا مطلب ہے ایک تو بازار سے ہر چیز سونے کے داموں میں ملتی ہے اور اوپر سے ہوتی بھی کسی کام کی نہیں۔ پیسے ضائع کرنے والی بات ہے لیکن اگر پھر بھی اگر کچھ لے کر جانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی میں کون ہوتی ہوں منع کرنے والی۔۔"

"جی ٹھیک ہے۔ دیکھ لیں گے، اگر کچھ ڈھنگ کا نہ ہوا تو معذرت کر لیں گے۔" شاہد نے اپنی چوڑی کلائی پر پہنی گھڑی پر وقت دیکھا اور پھر زہرہ کو۔

"چلیں؟" زہرہ نے اُس کی طرف دیکھا تھا۔

"جی۔۔" اتنا کہہ کر ایک نظر اُس نے اپنی جانب گھورتی نجمہ کو دیکھا اور فوراً سے اپنی نظریں نیچے جھکا لیں۔

قریباً ایک مہینے کے بعد وہ باغ را جا رہی تھی۔ پہلے ہی اپنا موڈ وہ صبح خراب کر چکی تھی اب مزید کرنا نہیں چاہتی تھی۔

ہینڈ بیگ اُس نے اپنے کندھے پر لٹکا رکھا تھا۔ کپڑے کل والے ہی پہن رکھے تھے، اُسے کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔ سفید چادر سے اُس نے خود کو ڈھانپ رکھا تھا۔ کانوں میں سونے کے ٹاپس جو بچپن سے پہنے تھے ابھی تک وہی جھوم رہے تھے۔

اُس نے اب شاہد کا حلیہ دیکھا۔ ہمیشہ کی طرح خوبصورت اور وجیہہ نظر آنے والا شاہد آج بھی ویسا ہی تھا۔

گرے کلر کی شلوار قمیض پہنے۔ بالوں کو نفاست سے سیٹ کیے وہ اچھا ہی لگ رہا تھا۔

داڑی کی تراش خراش ہمیشہ کروا کے رکھا کرتا تھا۔ ابھی بھی وہ ایک پرفیکٹ مرد لگ رہا تھا بنا کسی کمی کے۔

وہ دونوں گھر سے باہر نکل آئے تھے۔ سکینہ نے گھر کے باہری دروازے کو بند کیا اور ناشتے کے لیے کیچن میں چلی گئی۔ نجمہ اور نگینہ ابھی تک غصے سے صدر دروازے کو گھور رہی تھیں۔

"اس لڑکی سے جان ہی نہیں چھوٹ رہی اور پیسہ بھی ایک ڈھیلے کا نہیں مل رہا۔ کیا فائدہ ہوا شاہد کا اس سے بیاہ کروانے کا اگر گھر میں ایک پھوٹی کوڑی اس کے گھر والوں نے نہیں بھجوانی تھی تو۔" نخوت سے کہتیں نجمہ تن فن کرتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ آج شاید شاہد کے ابا بھی گھر آجائیں، وہ ایک فیکٹری میں کام کرتے تھے اور مہینے میں ایک بار گھر ضرور آتے تھے۔ اس لیے اُنہیں اپنا موڈ ٹھیک کرنا تھا۔

"شاہد آپ مجھے واپس کب لینے آؤ گے؟" وہ راستے میں تھے جب زہرہ نے اُس سے سوال کیا۔

"لینڈ لائن پر کال کر کے بتا دینا کب لینے آؤں۔ جب کہو گی تب آ جاؤں گا تمہیں لینے۔۔" چلتے چلتے وہ بس اسٹینڈ تک جا رہے تھے۔

"ایک دو ہفتے رہنے کا دل کر رہا ہے میرا وہاں۔۔ زہرہ نے سفید چادر اپنے اوپر اوڑھی ہوئی تھی۔ اُسے ٹھیک کرتے ہوئے اُس نے شاہد کو دیکھا۔

"اچھا اتنی دیر وہاں رہو گی تو تمہاری یاد میں، میں نے بیمار ہو جانا ہے۔" شاہد نے بھی اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" شاہد آپ نہیں ہونگے بیمار مجھے معلوم ہے۔" چلتے چلتے زہرہ نے کہا تو شاہد ہلکا سا مسکرا دیا۔

"چار پانچ دن بعد میں تمہیں لینے آؤں گا۔ بعد میں مجھے یہ مت کہنا کہ میں نے ابھی اور دن رہنا ہے پھر میں چھوڑنے نہیں جایا کرونگا آگے سے۔" شاہد اسے وارن کر رہا تھا۔

"اچھا۔۔۔" اچھا کو گھسیٹ کر بولتے ہوئے زہرہ نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔

"جی آپ نے صحیح سُنا۔۔" شاہد نے اُسے مصنوعی تنبیہ کی جسے زہرہ نے ہنستے ہوئے اگنور کر دیا۔

"میری بات پر آپ ہنس کیوں رہی ہیں مسز شاہد؟ کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں؟" شاہد نے مصنوعی خفت سے کہا۔

"اب میں ہنس بھی نہیں سکتی؟" زہرہ نے بھی اُسی کے انداز میں جواب دیا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ مسکرا نہیں سکتیں! میں تو یہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ میری بات سُن کر کیوں مسکرا رہی ہیں؟" شاہد نے اُس سے پوچھا تو وہ خاموش ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔

شاہد نے اپنی بھنو کو اُٹھا کر اُس سے دریافت کیا۔

"اپنے شوہر کی بات سُن کر مسکرانا گناہ کی بات ہے؟" زہرہ کی بات سُن کر شاہد کی آنکھوں میں تعجب اُبھرا۔

" صحیح کہا آپ نے بیگم۔ شوہر کی بات سن کر مسکرانا چاہیے۔ ہم ہی تو ہیں آپ کے شوہر۔" شاہد کو مزہ آ رہا تھا زہرہ سے بات کر کے۔

اتنی دیر وہ وہاں کھڑے ہو کر بس کا انتظار کرنے والے تھے اور ساتھ میں باتیں۔۔

وہ دونوں بس اسٹاپ کے پاس آ چکے تھے، تقریباً ساڑھے آٹھ بجے تک بس نے آ جانا تھا۔ ابھی آٹھ بج کر بیس منٹ ہی تو ہوئے تھے۔

"اچھا تو زہرہ، آپ کی جو سہیلی ہے... کیا نام بتایا تھا آپ نے اس کا؟"

شاہد نے بھنویں سکیڑتے ہوئے کنپٹی پر انگلی رکھی، جیسے یادداشت کے کسی دھندلے گوشے میں وہ نام تلاش کر رہا ہو۔

زہرہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا، پھر بے ساختہ بولی۔

"میری دوست کا نام۔۔۔ مہک ہے۔"

"نہیں۔۔۔ مہک تو آپ کی وہ والی دوست ہے نا، جس سے بس سلام دعا ہے۔ میں اُس کی نہیں، آپ کی اُس سب سے پکی سہیلی کی بات کر رہا ہوں جس سے آپ کی سب سے زیادہ پکی دوستی ہے۔"

شاہد نے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے یاد کرنے کی کوشش کی، "کیا نام بتایا تھا تم نے اُس کا۔۔۔؟"

زہرہ نے ایک دم خوشی سے کہا، "اچھا۔ اچھا۔۔۔ آپ محمل کی بات کر رہے ہیں!"

"ہاں، شاید وہی۔"

"وہ تو میری کلاس فیلو بھی تھی، اور بچپن سے میری سب سے اچھی دوست بھی۔ گاؤں میں اگر میری کسی سے سب سے زیادہ بنتی تھی تو وہ محمل ہی تھی۔"

شاہد ہلکا سا مسکرایا۔

"تو پھر جب تم میکے جاؤ گی، سب سے پہلے اُسی سے ملنے جاؤ گی؟"

زہرہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں جی۔۔۔! سب سے پہلے تو میں امّی سے ملوں گی۔ پھر گھر میں جو سب لوگ ہیں، اُن سے۔ اور محمل۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اُسے تو جیسے ہی خبر ملے گی کہ زہرہ سسرال سے میکے آئی ہے، وہ خود ہی بھاگی چلی آئے گی۔ پھر ہم دونوں بیٹھ کر اتنی گپ شپ کریں گے کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔"

"اچھا... تو مطلب آپ اسے یہ بھی بتاؤ گی کہ میرا شوہر میرے ساتھ کیسا ہے؟" شاہد نے ابرو اچکاتے ہوئے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

"یعنی میری برائیاں بھی کرو گی؟ یہ بھی بتاؤ گی کہ میرا شوہر میرے ساتھ یہ نہیں کرتا، وہ نہیں کرتا... بالکل اُن بیگمات کی طرح جو اپنی سہیلیوں کے سامنے بیٹھ کر اپنے شوہروں کی شکایتوں کے دفتر کھول دیتی ہیں، جیسے اُن کی دوست نے ہی سارے مسئلے حل کر دینے ہوں۔"

زہرہ نے ہونٹ بھینچ کر مسکراہٹ دبانے کی کوشش کی۔

"کیوں؟" شاہد نے شرارت سے پوچھا۔

"اچھا تو آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسی ہوں؟" خفت سے کہتی زہرہ اپنا موڑ گئی۔

شاہد نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فوراً صفائی دی۔

"ارے نہیں، نہیں، نہیں! میں نے ایسا کب کہا؟ میرا مطلب تو صرف یہ تھا کہ آپ لوگ شادی بیاہ کی باتیں کرو گی۔ فلاں کی منگنی، ڈھمکاں کا رشتہ، کون کب شادی کرے گا۔۔۔ بس یہی سب۔"

زہرہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"اللہ کے بندے! ہم لڑکیاں صرف شادیوں کی ہی بات نہیں کرتیں۔"

شاہد نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"اچھا؟ تو پھر باقی وقت کس چیز پر گزارتی ہو؟"

"ہر چیز پر!" جواب فوراً سے آیا تھا۔

"ہر چیز؟" شاہد نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں، ہر چیز۔"

شاہد نے بے بسی سے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"یہی تو میری سمجھ سے باہر ہے! آخر وہ کون سا ٹاپک ہوتا ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا؟ ایک بات ختم نہیں ہوتی کہ دوسری شروع، دوسری ختم نہیں ہوتی کہ تیسری حاضر۔ مجھے تو لگتا ہے آپ لوگوں کے پاس باتوں کا کوئی خفیہ گودام ہے، جہاں سے نئی نئی باتیں سپلائی ہوتی رہتی ہیں۔ ورنہ دو لڑکیاں بیٹھ کر تین تین گھنٹے آخر کرتی کیا ہیں؟"

زہرہ نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔

"ہماری چھوڑیں آپ اپنی بتائیں۔"

شاہد نے فخر سے سینہ چوڑا کیا۔

"ہم؟ ہم تو پانچ منٹ میں پوری دنیا کے مسائل حل کر کے اُٹھ جاتے ہیں۔"

"ہاں، کیونکہ چھٹے منٹ تک آپکے پاس بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔"

شاہد نے منہ بنایا۔

"بات ختم نہیں ہوتی۔۔۔ اسٹاک ختم ہو جاتا ہے!" سانس لے کر وہ پھر سے بولا۔

"باتوں کا اسٹاک تو آپ لوگوں کے پاس کبھی ختم نہیں ہوتا۔" شاہد نے دونوں ہاتھ ہوا میں ہلاتے ہوئے کہا۔ اُس کی بات سُن کر زہرہ بولی۔

"دیکھو نا، پہلے آپ نے کہا تم لوگ شادی بیاہ کی باتیں کرو گی، پھر آپ نے خود ہی اس میں اپنی میری برائیاں، سسرال کے ظلم وستم، شوہروں کی شکایتیں اور نہ جانے کیا کیا شامل کر دیا۔ اب دیکھو، کہاں سے کہاں پہنچ گئی بات! کبھی کبھی تو مجھے

واقعی آپ لڑکوں کی سمجھ نہیں آتی۔"

زہرہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا، مگر جواب دینے سے پہلے ہی شاہد ہنس پڑا۔

"بس! یہی تو کہہ رہا ہوں۔ میں نے اتنی سی سیدھی سادی بات کی تھی کہ اگر آپ کی جگہ کوئی لڑکا کھڑا ہوتا تو 'ہاں' کہہ کر آگے بڑھ جاتا۔ لیکن آپ۔۔۔ آپ تو لڑکی ہو۔ آپ لوگوں کو تو ایک جواب میں بھی دس نئے سوال مل جاتے ہیں۔"

اس نے ڈرامائی انداز میں آہ بھری۔

"اب دیکھنا، اسی ایک بات پر آپ مجھ سے اگلے چار گھنٹے بحث کرو گی۔ پھر کہو گی، 'اچھا، یہ بتائیں، ایسا کیوں کہا؟' پھر 'وہ کیوں کہا؟' پھر 'اس کا مطلب کیا تھا؟' اور آخر میں فیصلہ یہ ہوگا کہ غلطی میری ہی تھی۔"

زہرہ بے اختیار ہنس پڑی۔

شاہد نے فاتحانہ انداز میں انگلی اٹھائی۔

"دیکھا؟ ابھی تو ہنسی آرہی ہے، پانچ منٹ بعد یہی گفتگو جنگ کا میدان بن جائے گی۔"

وہ ذرا جھکا اور مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

"ہم لڑکے بڑے سادہ ہوتے ہیں۔ دو منٹ کرکٹ، دو منٹ موٹر سائیکل، ایک منٹ 'چلتے ہیں'۔۔۔ اور بات ختم۔"

پھر زہرہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"اور آپ لوگ؟ 'چلتی ہوں' کہنے کے بعد بھی آدھا گھنٹہ دروازے پر کھڑے ہو کر باتیں کرتی رہتی ہو۔"

شاہد کی بات سن کر زہرہ نے خفگی سے اسے گھورا۔

"شاہد! اب آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔ اب تو جان بوجھ کر ہمیں روسٹ کر رہے ہیں۔ ہم اتنی بھی باتیں نہیں کرتے، جتنی آپ بڑھا چڑھا کر بتا رہے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

شاہد نے ڈرامائی انداز میں اپنا ہاتھ دل پر رکھا اور ایک لمبی آہ بھری۔

"اچھاااا! تو اب آپ یہ بھی کہو گی کہ لڑکیاں کم بولتی ہیں؟ زہرہ، اتنا بڑا جھوٹ بولنے سے پہلے کم از کم خدا کا خوف ہی لیا کرو۔"

زہرہ نے ہونٹ بھینچے تاکہ ہنسی نہ نکل جائے، مگر اس کی ہنسی زیادہ کنٹرول نہ ہو سکی۔

شاہد نے فوراً انگلی اٹھائی۔

"دیکھا! ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ ہم لوگ زیادہ باتیں نہیں کرتیں، اور اب آپ دماغ میں مجھے غلط ثابت کرنے کے لیے دس نئی دلیلیں لائن میں کھڑی ہوں گی۔"

زہرہ نے بازو باندھ کر مصنوعی غصے سے کہا۔

"ہاں تو؟ دلیلیں دینا اچھی بات ہوتی ہے۔"

"بالکل!" شاہد نے فوراً سر ہلایا۔

"لیکن آپ لوگوں کی دلیلیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ بندہ ایک سوال پوچھے، جواب کے ساتھ بونس میں پانچ نئے سوال بھی مل جاتے ہیں۔"

زہرہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"آپ سے بحث کرنا ہی فضول ہے!"

شاہد فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

"دیکھا؟ آخر میں یہی جملہ آتا ہے۔ مطلب بحث ختم نہیں ہوتی۔۔۔ صرف آپ لوگ اعلان کر دیتے ہو کہ 'آپ سے بات ہی نہیں کرنی!'" زہرہ نے دونوں بازو سینے پر باندھے اور مصنوعی ناراضی سے اسے دیکھا۔

"اچھا؟ تب سے آپ ایک ہی بات کیے جا رہے ہیں کہ 'تم لڑکیاں بہت بولتی ہو، بہت بولتی ہو۔' ذرا اپنا بھی حساب کر لیں۔ اتنی دیر سے مسلسل آپ بول رہے ہیں، میں تو صرف بیچ بیچ میں دو چار جملے بول رہی ہوں۔ پھر آپ کیسے ثابت کریں گے کہ زیادہ باتیں لڑکیاں کرتی ہیں؟ آپ بھی تو کم نہیں بولتے!"

شاہد نے حیرت سے آنکھیں پھیلا دیں، پھر آسمان کی طرف دیکھ کر دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"اللہ... اللہ... اللہ! کیسی لڑکی ہے یہ! اپنے شوہر کو بھی نہیں بخش رہی۔ توبہ توبہ... کیا زمانہ آ گیا ہے۔"

اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتا وہ ڈرامائی انداز میں سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے بولا۔

"کل کو لوگ پوچھیں گے، 'بھائی، شادی کے بعد کیا حال احوال ہیں؟' اور میں کہوں گا، 'بھئی، گھر میں میری کوئی حیثیت ہی نہیں رہی۔ دلیلیں بھی سنتا ہوں، لیکچر بھی، اور آخر میں قصور بھی میرا ہی نکلتا ہے!"

زہرہ نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"قصور آپ کا نہیں ہو گا تو کیا میرا ہو گا؟"

شاہد نے فوراً سینے پر ہاتھ رکھا۔

"دیکھا؟ ہمیں تو کل بھی انتظار نہیں کرنا پڑا، وکیل صاحبہ نے فیصلہ بھی سنا دیا اور مجرم بھی مجھے بنا دیا اور وہ بھی آج کے آج۔"

وہ دونوں ابھی ایک دوسرے کی باتوں پر مسکرا ہی رہے تھے کہ اچانک بس کا تیز ہارن فضا میں گونجا۔ دونوں نے بیک وقت چونک کر سڑک کی طرف دیکھا۔
دور سے آتی بس آہستہ آہستہ اسٹینڈ پر آ کر رکی۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا تو شاہد نے پہلے زہرہ کو بس میں چڑھنے کا اشارہ کیا۔ زہرہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ گئی، شاہد بھی اس کے پیچھے بس میں سوار ہو گیا۔
دونوں نے کھڑکی والی نشست سنبھال لی۔ ان کی منزل باغرا تھی، جہاں پہنچنے میں تقریباً دو گھنٹے لگنے تھے۔ بس نے ایک جھٹکے سے اسٹینڈ چھوڑا اور آہستہ آہستہ سڑک پر دوڑنے لگی، جبکہ کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا ان کی ادھوری گفتگو کو اپنے ساتھ کہیں دور لے جا رہی تھی۔ وہ اب خاموشی سے بس کا سفر کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

ڈائننگ ٹیبل پر وہ تینوں خاموشی سے بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ تینوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ پورے گھر میں پِن ڈراپ سائلنس چھائی ہوئی تھی۔ صرف پنکھے کی مدھم آواز آ رہی تھی، جس سے دیوار کے ساتھ لگے دیوار گیر پردے ہلکے ہلکے لہرا رہے تھے۔
مہک نے پہلے شمیم کی طرف دیکھا، پھر عادل کی جانب۔
"آپ دونوں نے ناشتہ کر لیا؟ اگر ہو گیا ہے تو میں چائے کپوں میں ڈال کر لے آؤں؟"
اس کی آواز پر دونوں نے بیک وقت اس کی طرف دیکھا۔
"ہاں بیٹا، لے آؤ۔" شمیم نے نرمی سے کہا۔
"ہاں مہک، لے آؤ۔" عادل نے بھی اثبات میں سر ہلایا، پھر جیسے اچانک اسے کچھ یاد آیا، وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔
"مجھے بھی ابھی ہسپتال جانا ہے۔ آج کمال کو دوسرے ہسپتال شفٹ کرنا ہے۔ وہاں کی ساری کارروائی بھی مکمل کرنی ہے، اس لیے اگر میں جلدی نکل جاؤں تو بہتر رہے گا۔"
یہ کہہ کر وہ دوبارہ خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا، جبکہ مہک خاموشی سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔
"کیا سوچا ہے، بیٹا؟ اب کمال کو کس ہسپتال میں داخل کرو گے؟" شمیم نے افسردگی سے اس کی طرف دیکھا۔
"اور تمہیں کیا لگتا ہے۔۔۔ کیا وہ کبھی ٹھیک ہو پائے گا؟"
ان کی آواز میں چھپی بے بسی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
عادل نے ایک لمحے کے لیے ان کی طرف دیکھا، پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

"جی خالہ، آپ امید رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ ان شاء اللہ وہ ضرور ٹھیک ہو جائے گا۔ میں آج اسے شہر کے سب سے بڑے ہسپتال میں منتقل کر رہا ہوں۔ وہاں علاج بھی بہتر ہو گا۔ اللہ نے چاہا تو وہ جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ آپ بس اس کے لیے دعا کرتی رہیے۔"

اتنا کہہ کر اس نے دوبارہ خاموشی سے نوالہ توڑ لیا۔

شمیم نے گہرا سانس لیتے ہوئے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ شاید وہ خود کو یہی تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھیں کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

دونوں دوبارہ خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے۔

چند لمحوں بعد مہک ٹرے میں تین کپ چائے نفاست سے سجا کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف آ گئی۔ اس نے ایک ایک کپ ان کے سامنے رکھا، مگر دونوں کے چہروں پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیا ہوا؟" اس نے پریشانی سے دونوں کو دیکھا۔

"آپ دونوں اتنے خاموش کیوں ہیں؟ کمال ٹھیک ہے نا؟ سب خیریت تو ہے؟"

"ہاں مہک، سب ٹھیک ہے۔" عادل نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں آج دو بجے تک ہسپتال سے واپس آ جاؤں گا۔ آج میں نے آفس سے چھٹی لے لی ہے، اپنے باس کو ای میل بھی بھیج دی ہے۔ تم دو بجے تک تیار رہنا، میں آتے ہی تمہیں ہسپتال لے جاؤں گا۔ ڈاکٹر سے دوبارہ اپائنٹمنٹ بھی لے لی ہے۔"

پھر اس نے رخ شمیم کی طرف کیا۔

"اور خالہ، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ جس ہسپتال میں کمال کو منتقل کر رہا ہوں، وہاں نرسز کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ اب اس کے پاس دن رات کسی کے بیٹھے رہنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ آپ جب دل چاہے، دن میں ایک یا دو بار جا کر اس سے مل آیا کریں۔ لیکن اپنی طبیعت کا بھی خیال رکھیے گا۔ ایسا نہ ہو کہ بار بار آنے جانے سے آپ خود بیمار پڑ جائیں۔"

اتنا کہہ کر اس نے ٹرے میں رکھا کپ اٹھایا اور چائے پر آہستہ آہستہ پھونکیں مارتے ہوئے ایک گھونٹ بھرا۔

شمیم نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا اور اپنا کپ اٹھا لیا۔

مہک بھی خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تیار رہوں گی۔ لیکن مجھے فون کر کے حالات سے آگاہ کرتے رہیے گا۔ کم از کم دل کو تسلی رہے گی کہ وہاں سب خیر ہے۔ اور کمال بھی ٹھیک ہے۔"

عادل جو خاموشی سے چائے کے سپ لے رہا تھا مہک کی بات سنتا سر ہلا گیا۔ اور پھر شمیم کی طرف دیکھ کر نرمی سے بولا۔

"اور خالہ۔۔۔ آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔ اگر آپ ہمت ہار جائیں گی تو کمال کو حوصلہ کون دے گا؟"
یہ کہہ کر اس نے بھی خاموشی سے مہک کا جائزہ لیا وہ بھی اب چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔
ایک بار پھر ڈائننگ ٹیبل پر خاموشی اتر آئی۔
انسان کی زندگی ہمیشہ اُس راستے پر نہیں چلتی جس کا وہ تصور کرتا ہے۔ چند ماہ پہلے تک ان تینوں نے بھی اپنی زندگیوں کے لیے نہ جانے کتنے حسین خواب سجا رکھے تھے۔ مگر ہر خواب کی تعبیر انسان کے اختیار میں کہاں ہوتی ہے؟ بعض فیصلے آسمان پر لکھے جا چکے ہوتے ہیں، جنہیں نہ خواہشیں بدل سکتی ہیں اور نہ تدبیریں۔
وہ دونوں خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھیں۔ انہیں ذرّہ برابر اندازہ نہیں تھا کہ گزشتہ روز جلال اور شہیر نے عادل سے کیا گفتگو کی تھی۔
مگر عادل۔۔۔ وہ سب جانتا تھا۔
وہ شہیر کے ارادوں سے بھی واقف تھا اور اس کے منصوبوں سے بھی۔ اسی لیے وہ خاموشی سے ہر چال کا توڑ سوچ رہا تھا، ہر ممکن تدبیر کر رہا تھا۔
لیکن تدبیریں انسان بناتا ہے، فیصلے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
آخر کار ہوتا ہمیشہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت میں لکھا ہو۔ انسان چاہے کتنے ہی منصوبے بنا لے، تقدیر اپنی راہ خود چنتی ہے۔
جب اس کا ناشتہ مکمل ہوا تو وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا، سب کو سلام کیا، اپنی ضروری چیزیں سنبھالیں اور ہسپتال کے لیے روانہ ہو گیا۔
گھر میں اب صرف شمیم اور مہک رہ گئی تھیں۔ دن ان کے لیے ہمیشہ کی طرح معمول کے مطابق گزرنے لگا۔ وہ گھر کے کاموں میں مصروف رہیں اور ہر لمحہ کمال کی صحت یابی کے لیے دعا کرتی رہیں۔ ان کی دنیا کمال کے گرد ہی گھومتی تھی۔
انہیں اپنی زندگی میں اس سے بڑھ کر کسی اور چیز کی خواہش نہ تھی۔ ان کے لیے سب سے بڑی خوشی یہی تھی کہ کمال جلد از جلد مکمل صحت یاب ہو جائے، کیونکہ اس کی سلامتی اور تندرستی ہی ان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھی۔
تقریباً آدھے پونے گھنٹے بعد عادل ہسپتال پہنچ گیا۔ تمام ضروری دستاویزات مکمل کرنے اور کمال کو دوسرے ہسپتال منتقل کروانے میں اسے تقریباً دو گھنٹے لگ گئے۔ صبح کے دس بج چکے تھے جب وہ کمال کے ساتھ نئے ہسپتال میں موجود تھا۔

کمال کو وہیل چیئر پر بٹھایا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ کسی بے جان وجود کی طرح خاموش بیٹھا سامنے کسی انجانی سمت میں نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اردگرد کیا ہو رہا تھا، کون آ رہا تھا، کون جا رہا تھا، اسے کسی بات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

عادل ڈاکٹر سے اس کی حالت اور علاج کے بارے میں مختلف باتیں کرتا رہا، مگر کمال کی توجہ ایک لمحے کے لیے بھی ان کی طرف نہ گئی۔ وہ اپنے ہی خیالوں کی ایسی گہری وادی میں گم تھا جہاں کسی آواز کی رسائی ممکن نہیں تھی۔

کیا محبت کا نہ ملنا انسان کو واقعی اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے؟ کیا دل کی سب سے بڑی خواہش ٹوٹ جائے تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی ماند پڑ جاتی ہے؟ کیا انسان زندہ تو رہتا ہے، مگر اس کی روح کہیں پیچھے رہ جاتی ہے؟

شاید ہاں۔۔۔ کیونکہ اس وقت کمال کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ وہ سانس تو لے رہا تھا، مگر جینے کی تمام خواہشیں جیسے اس کے وجود سے رخصت ہو چکی تھیں۔

کون تھی وہ لڑکی؟

آخر کون تھی وہ لڑکی جس کی موت نے کمال کی زندگی کا ہر رنگ چھین لیا تھا؟ وہ کون تھی جس کے بچھڑنے کے بعد کمال کی ہنسی، اس کی باتیں، اس کی زندگی سب کہیں گم ہو گئی تھیں؟ وہ اتنا خاموش کیوں ہو گیا تھا؟ اس کی یاد میں اس قدر بے چین اور بے قرار کیوں تھا؟ اسے نہ کھانے کی فکر تھی، نہ پینے کی، نہ اپنی زندگی کی۔

وہ لڑکی آخر کیوں مر گئی تھی؟

اور اگر وہ اس دنیا میں نہیں رہی تھی تو پھر کمال کو اس کی قبر پر جانے سے کیوں روکا جا رہا تھا؟ زندہ لوگوں کے لیے تڑپنا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر کیا مر جانے والوں سے ملنے کی خواہش بھی جرم بن جاتی ہے؟ کیا قبر پر جا کر چند آنسو بہا لینے سے بھی کسی کو محروم کیا جا سکتا ہے؟

کمال اپنی ماں سے التجا کرتا، بہن سے منت کرتا، دوست کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھتا، مگر کوئی بھی اسے اس کی آخری منزل تک لے جانے کو تیار نہ تھا۔ کیا یہی محبت تھی؟ کیا یہی اپنائیت تھی کہ وہ اس کے دل میں اٹھنے والے طوفان، اس کے دکھ، اس کی بے بسی اور اس کے رنج کو محسوس ہی نہ کر سکے؟

آخر یہ کیسا زخم تھا جو وقت گزرنے کے باوجود بھرنے کے بجائے اور گہرا ہوتا جا رہا تھا؟ کیسا درد تھا جو کمال کے دل میں اس طرح پیوست ہو چکا تھا کہ اب اس کی ہر سانس بھی اسی کا نوحہ سنائی دیتی تھی؟

کمال بدستور خاموشی سے کسی غیر مرئی نقطے کو تک رہا تھا۔ اس کی نظریں کہیں دور جمی ہوئی تھیں، جیسے اردگرد کی ہر آواز اس تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہو۔

ادھر عادل ڈاکٹر کے قریب آیا اور دھیمی آواز میں بولا۔
"ڈاکٹر صاحب، اس کا نام کمال نہیں۔۔۔ ریکارڈ میں ذریاب خان لکھ دیجیے۔ اور ایک گزارش ہے، کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے علاج، آپریشن یا ادویات کے تمام اخراجات کون برداشت کر رہا ہے۔ یہ بات جتنی خفیہ رہے، اتنا ہی بہتر ہوگا۔"
ڈاکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو عادل نے سنجیدہ لہجے میں مزید کہا۔
"اس کی جان کو خطرہ ہے۔ کچھ لوگ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اور میں نہیں چاہتا کہ کسی بھی ذریعے سے انہیں اس کے یہاں موجود ہونے کی خبر ملے۔"
ڈاکٹر نے مختصراً سر ہلایا۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اس طرح انتظامات کرنے اور ریکارڈ خفیہ رکھنے پر اخراجات معمول سے زیادہ ہوں گے۔"
اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پہلے وہیل چیئر پر بے حس و حرکت بیٹھے کمال کو دیکھا، پھر نظریں عادل کی طرف موڑ دیں۔
عادل نے بلا جھجک جواب دیا۔
"پیسوں کی آپ فکر نہ کریں، ڈاکٹر صاحب۔ جتنا خرچ آئے گا، ہم ادا کریں گے۔ بس ایک بات کا خاص خیال رکھیے... یہ خبر کسی صورت ہسپتال کی چار دیواری سے باہر نہیں جانی چاہیے کہ کمال، یا یوں کہیے ذریاب خان، یہاں زیرِ علاج ہے۔"
ڈاکٹر نے سر اثبات میں ہلایا۔
کچھ ہی دیر بعد کمال کو ہسپتال کے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا اور اس کا علاج دوبارہ سے شروع ہو گیا تھا، لیکن علاج کا بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ زیادہ تر بے ہوش ہی رہتا تھا۔ اسے اپنی تکلیف، اپنے درد، اپنے زخموں یا اپنی حالت سے کسی قسم کی کوئی غرض نہیں رہی تھی۔
اس کے ذہن میں صرف ایک ہی چیز چل رہی تھی، اور وہ تھی وہ لڑکی۔۔۔
وہ لمبے بالوں والی لڑکی۔ سیاہ آنکھوں والی، جس کی محبت میں وہ اپنا سکون تک کھو چکا تھا۔ جس کی موت نے اس کی پوری زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ اس کی زندگی اجیرن ہو چکی تھی، بدتر ہو چکی تھی۔ بھلا موت کے بعد بھی کوئی کسی کے حواسوں پر اتنا سوار ہو سکتا ہے؟
وہ اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں سانس لینا بھی اس کے لیے آسان نہیں رہا تھا۔ اسے اب سانس لینے سے زیادہ اپنی موت عزیز لگنے لگی تھی۔ جیسے زندگی سے اس کا ہر رشتہ ختم ہو چکا ہو، اور اب وہ صرف ایک ختم نہ ہونے والی اذیت جھیل رہا ہو۔

اسے کمرے میں شفٹ کیے جانے کے بعد جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو عادل ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔

"ڈاکٹر صاحب، میں روزانہ ایک بار ضرور آؤں گا۔ کبھی کبھار اس کی امی اور اس کی بہن بھی اس سے ملنے آیا کریں گی۔
میں ابھی آپ کو ان دونوں کے نام لکھوا دیتا ہوں، صرف انہی کو کمال سے ملنے کی اجازت ہو گی۔"

"اس کے علاوہ اگر کوئی بھی شخص آئے، چاہے وہ اپنا کتنا ہی قریبی ہونے کا دعویٰ کرے، میری اجازت کے بغیر اسے کمال سے ہر گز مت ملنے دیجیے گا۔
اگر آپ میری یہ بات مان لیں تو یہ میرے لیے بہت بڑا احسان ہو گا۔"

"ارے عادل صاحب، آپ بے فکر ہو جائیں۔ بس آپ ہماری روٹی پانی کا انتظام کرتے رہیے، ہم آپ کی ہر بات پر عمل کرتے رہیں گے۔ نہ آپ کو کسی قسم کی کوئی پریشانی ہو گی اور نہ ہی کمال کو۔ اور جہاں تک کمال کی صحت کا تعلق ہے، ہم پوری کوشش کریں گے کہ اسے جتنی جلدی ممکن ہو سکے، صحت یاب کر دیں۔ بس آپ ہمارا خیال رکھیے، ہم کمال کا خیال رکھیں گے۔"

ڈاکٹر نے چہرے پر ایک مصنوعی سی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ عادل کو وہ ڈاکٹر ایک نظر بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

عادل نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا، ڈاکٹر سے سلام کیا اور اسپتال کی طویل راہداری عبور کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

ادھر کمال اپنے بیڈ پر تنہا لیٹا تھا۔ اس کی نظریں چھت پر جمی ہوئی تھیں، مگر اس کا ذہن کہیں بہت دور بھٹک رہا تھا۔ وہ اپنی ہی یادوں میں گم تھا۔۔۔ ان یادوں میں جو کبھی اس کی زندگی کے سب سے حسین لمحے ہوا کرتے تھے، مگر آج صرف ایک اذیت بن کر اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھیں۔

☆☆☆☆☆

تقریباً صبح کے ساڑھے دس بجے کا وقت تھا جب وہ دونوں باغرا میں اُترے تھے۔ بس باغرا کے بس اسٹاپ پر رکی تھی اور وہ دونوں وہاں اتر آئے تھے۔ پورے ایک مہینے بعد وہ دوبارہ باغرا واپس آئی تھی۔

وہاں کی پاکیزہ ہوا، پر سکون فضا اور مانوس ماحول نے اسے عجیب سا سکون محسوس کروایا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور اس فضا کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی۔

مگر اگلے ہی لمحے اس کی نظریں انہی سڑکوں پر جا ٹھہریں۔ یہ وہی راستے تھے، وہی گلیاں تھیں، وہی منظر تھے۔۔۔ جو اپنے ساتھ بے شمار تلخ یادیں لیے کھڑے تھے۔ وہ یادیں جو اس کے دل کو تکلیف دے رہی تھیں۔

وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ آخر اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ جب بھی وہ اپنے ذہن پر زور ڈال کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتی، اس کے سر میں شدید درد اٹھنے لگتا۔ اسی وجہ سے اس نے مزید سوچنے کے بجائے خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے ایک بار پھر لمبا سانس اندر کھینچا اور اس پاکیزہ فضا کو اپنے وجود میں سمو لینے کی کوشش کرنے لگی۔

"لیجیے بیگم صاحبہ، آ گیا آپ کا باغرا۔۔۔ آپ کا گاؤں، آپ کے اپنے لوگ، آپ کا محفوظ ٹھکانہ، اور آپ کی حسین یادوں کی وہ دنیا جسے آپ ہر روز یاد کرتی تھیں۔ اب یہاں اپنی امی سے ملیے، اپنی سہیلیوں سے ملیے، گھر والوں کے ساتھ وقت گزاریے، خوب خوش رہیے۔۔۔ اور ہاں، اپنی طبیعت کا خاص خیال رکھیے گا۔"

شاہد کی بات ختم ہوئی تو زہرہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ایک منٹ۔۔۔ کیا آپ میرے ساتھ گھر نہیں چل رہے؟"

اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ استعجاب سے اُس نے شاہد کو دیکھا تھا۔

شاہد نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں، میں یہیں سے واپس اپنے کام پر چلا جاؤں گا۔ میں تو صرف تمہیں بخیریت یہاں تک چھوڑنے آیا تھا۔"

زہرہ کے چہرے پر فوراً پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے۔

"لیکن اگر آپ مجھے چھوڑنے آئے ہیں تو کم از کم گھر تک تو چلیں۔ امی پوچھیں گی، اور جلال بھائی یا ں چچا کے گھر سے کوئی بھی آیا تو وہ سب پوچھیں گے آپ کے بارے میں۔۔۔ میں انہیں کیا جواب دوں گی؟ یہی کہ آپ مجھے سڑک کے بیچوں بیچ چھوڑ کر واپس چلے گئے؟ پلیز۔۔۔ میرے ساتھ چلیں نا۔"

وہ اس سے ایسے اصرار کر رہی تھی کہ جیسے اس کے انکار کی گنجائش ہی نہ ہو۔

شاہد نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر ہار مانتے ہوئے بولا۔۔

"اچھا، اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے، چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔ اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی یہاں اتنا پینک کریئیٹ کرو۔ آؤ، چلتے ہیں۔"

زہرہ نے سکون کا سانس لیا۔

ان کے پاس ویسے بھی کوئی خاص سامان نہیں تھا۔ بس دونوں آہستہ آہستہ کچی سڑک پر قدم بڑھانے لگے۔ سڑک کے دونوں طرف لہلہاتے کھیت اپنی سرسبزی بکھیر رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے فصلوں کو لہراتے ہوئے گزر رہے تھے، پرندوں کی چہچہاہٹ ماحول کو مزید دلکش بنا رہی تھی، اور ایک مہینے بعد اپنے گاؤں کی اس پاکیزہ فضا میں سانس لیتے ہوئے

زہرہ کے دل پر چھایا ہر بوجھ جیسے آہستہ آہستہ ہلکا ہونے لگا۔ شاہد خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا، جبکہ وہ ہر چند قدم
بعد اپنے اردگرد نظریں دوڑا کر اپنے گاؤں کی خوبصورتی کو ایسے محسوس کر رہی تھی جیسے برسوں بعد لوٹی ہو۔
وہ دونوں گھر پہنچ چکے تھے۔
سرخ اینٹوں سے بنی وہ وسیع و عریض حویلی ہمیشہ کی طرح اپنی پوری شان کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔
داخلی دروازے سے اندر آتے ہی دونوں جانب قطار میں کھلے رنگ برنگے پھول اپنی خوشبو بکھیر رہے تھے، جبکہ سرخ اینٹوں سے بنی لمبی سی پگڈنڈی سیدھی گھر کے مرکزی دروازے تک جا رہی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی سامنے ایک کشادہ ہال تھا اور بائیں جانب بنی چوڑی سیڑھیاں دوسرے فلور کی طرف جا رہی تھیں۔ پورے گھر میں ایک عجیب سا سکون اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
گھر میں اس وقت صرف رضیہ بیگم موجود تھیں، جبکہ چند ملازمائیں روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھیں۔
زہرہ نے جیسے ہی گھر کے اندر قدم رکھا، اس کی خوشی قابو میں نہ رہ سکی۔ اس نے بلند آواز میں پکارا۔
"امی۔۔۔ السلام علیکم! کہاں ہیں آپ؟ امی۔۔ کوئی ہے؟"
اس کی آواز پورے گھر میں گونجنے لگی۔
شاہد نے اسے مسلسل آوازیں لگاتے دیکھا تو ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولا۔
"ارے ارے۔۔ ذرا صبر بھی کر لو۔ آجائیں گی، کہیں بھاگی تو نہیں جا رہیں۔"
زہرہ نے شرارتی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا، پھر جلدی سے بولی۔
"آئیں۔۔۔ امی کے کمرے میں چل کر دیکھتے ہیں۔ وہ یقیناً وہیں ہوں گی۔"
اتنا کہہ کر وہ تیز قدموں سے رضیہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، جبکہ شاہد بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے چل دیا۔
تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے اُس کا ٹکراؤ جلال سے ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اُس کا پاؤں پھسلا تھا۔ جلال نے پھرتی سے اُسکی کلائی تھام لی۔
اسی لمحے گھبراہٹ میں اس کی نظر پیچھے کھڑے شاہد پر پڑی، جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر خاموشی سے کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔
شاہد کی نگاہ سب سے پہلے زہرہ کی کلائی پر گئی، جو اب بھی جلال کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات یک دم بدل گئے۔ اس کے دل میں ایک انجانی سی چبھن اُٹھی تھی، اور یہ اُسے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

دوسری طرف جلال کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز، شیطانی سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے لبوں کا ایک کنارا ہلکا سا اوپر اٹھایا، جبکہ اس کی آنکھوں سے غرور اور نخوت صاف جھلک رہی تھی، جیسے وہ جان بوجھ کر شاہد کے دل میں آگ لگانا چاہتا ہو۔

زہرہ نے بھی شاہد کی نظریں محسوس کر لی تھیں۔ وہ بری طرح گھبرا گئی۔ اگلے ہی لمحے اس نے جھٹکے سے اپنی کلائی جلال کے ہاتھ سے چھڑوالی اور ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"ج۔۔ جلال بھائی! آپ۔۔۔ آپ یہاں؟"

اس کی آواز میں حیرت بھی تھی اور بے چینی بھی۔

کلائی آزاد کرتے ہی وہ دو قدم پیچھے ہٹی اور سیدھی جا کر شاہد کے قریب کھڑی ہو گئی۔

جلال نے دونوں کو ایک نظر دیکھا، پھر بڑے اطمینان سے بولا۔

"ہاں۔۔۔ اب یہ ہمارا بھی تو گھر ہے۔ آخر ہم سب نے یہیں رہنا ہے۔ تائی اماں کو ہم یہاں اکیلا کیسے چھوڑ سکتے تھے؟"

جلال کی بات سن کر زہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ اس نے پہلے جلال کو دیکھا، پھر خاموش کھڑے شاہد کی طرف نظر دوڑائی۔

"لیکن۔۔۔ ماں کے ساتھ تو یہاں آپا بھی رہتی ہیں۔"

اس کی بات مکمل ہوتے ہی جلال فوراً بولا۔

"ہاں، رہتی تو ہیں۔۔۔ مگر وہ تائی اماں کا ویسا خیال کہاں رکھ سکتی ہیں، جیسا ہم، ان کے اپنے، رکھ سکتے ہیں۔"

"اچھے اخلاق رکھنے والا غیروں میں بھی اپنائیت ڈھونڈ لیتا ہے اور بُرے اخاق والا اپنوں میں بھی غیر لگتا ہے۔ جہاں تک میں آپ کو جانتی ہوں آپ دوسرے لوگوں کی کیٹیگری میں آتے ہیں۔" زہرہ کا سر درد سے پھٹ رہا تھا اُسے جلال کا چہرہ ساڑھے چار ماہ بعد دیکھ کر وہ تھپڑ یاد آیا تھا، جو پوری شدت کے ساتھ اُس کے منہ پر مارا گیا تھا۔ وہ کونسا صرف جسمانی تشدد تھا؟ وہ تو ذہنی اذیت بھی تھی، جذبات کا خون بھی تھا۔

"زہرہ چلیں؟" اُسے جلال کے ساتھ اُلجھتا دیکھ شاہد نے اُس کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ غصے سے اُس کے دماغ کی رگیں پھٹنے کے قریب تھیں۔

شاہد کی آواز نے اُسے ماضی سے واپس کھینچا تھا۔

زہرہ نے اُس کی طرف دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے اُس کے ساتھ چلنے لگی۔ اُس نے جلال کو ایک نظر بھی نہیں دیکھا تھا۔

جلال اپنی مٹھیاں بھینچے دانتوں کو پیستا اُن کے جانے کے بعد بھی وہیں کھڑا رہا۔ نجانے کتنی دیر، کتنے لمحے۔۔

"امی۔۔۔" اُس نے برآمدے کے آخری سرے پر پہنچ کر ایک بار پھر رضیہ کو آواز لگائی۔

"زہرہ کمرے میں جا کر ملو۔ ایسے آوازیں دینا اچھا نہیں لگتا بار بار۔۔" اُسے ایک پھر آوازیں دیتے ہوئے شاہد نے ٹوکا۔
"جی آجائیں امی کے کمرے میں ہی چلتے ہیں سیدھا۔" اتنا کہہ کر وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ شاہد نے بھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے پیچھے پیچھے قدم اُٹھائے۔

اگلی منزل کی طرف اس کے ایسے قدم ڈھل رہے تھے اور جیسے ہی اُس نے اگلا منظر دیکھا اس کے پاؤں میں جیسے زنجیریں پڑ گئی ہوں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنی امی کے کمرے کے دروازے تک پہنچی تو اندر کا منظر دیکھ کر وہ وہیں رک گئی۔

اس کی امی کے کمرے میں اس کی چچی مسرت اور چچا شہیر بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ دونوں کیسے اس کی ماں کے کمرے کو اپنے قبضے میں لے سکتے تھے؟ یہ کمرہ تو اس کے اماں ابا کا تھا۔ ان دونوں کی زندگی کی بے شمار یادیں اس کمرے سے جڑی ہوئی تھیں، مگر آج اسی کمرے میں اس کی چچی اور چچا ایسے بیٹھے تھے جیسے ہمیشہ سے یہی ان کا حق رہا ہو۔

زہرہ خاموشی سے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

شاہد بھی اس کے پیچھے آچکا تھا۔ اس نے جب دونوں کو اس کمرے میں دیکھا تو اسے بھی تھوڑی سی حیرانی ہوئی، مگر وہ حیرانی اتنی نہیں تھی جتنی اس وقت زہرہ کے وجود پر طاری تھی۔

زہرہ نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"امی کہاں ہیں، چچا؟"

شہیر راجپوت نے بے فکری سے جواب دیا۔

"وہ تو دوسرے کمرے میں ہیں، جس کمرے میں تم سویا کرتی تھی۔ اب اس کمرے پر تو باغرا کے سردار کا ہی حق ہے۔ اسی لیے تمہاری امی نے کہا ہے کہ ہم اس کمرے میں آکر سو جایا کریں۔ یہ کمرہ انہوں نے ہمیں دے دیا ہے۔ ویسے بھی تمہاری اماں اس اتنی بڑی حویلی میں اکیلے رہ کر کیا کریں گی؟"

چچی نے بھی زہرہ کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور نخوت سے بولی۔

"کم از کم یہاں آ ہی رہی تھی تو کپڑے ہی بدل لیتی، زہرہ۔ کیسی لگ رہی ہو؟ جیسے پتا نہیں کتنے دنوں سے تم نے کپڑے ہی نہیں بدلے۔ ماں باپ کے گھر بھلا ایسے آیا جاتا ہے؟"

وہ ذرا رکیں، پھر طنزیہ انداز میں بولیں۔

"اپنی نہیں تو کم از کم میکے والوں کی عزت کا ہی خیال کر لیا ہوتا۔ باہر نکلو گی تو لوگ کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ اس کے سسرال والے اسے ٹھیک سے کپڑے بھی نہیں دیتے۔ اگر نہیں دیتے تو ہمیں بتاؤ، ہم بھجوا دیتے ہیں، لیکن باہر ہماری ناک تو مت کٹواؤ۔"

زہرہ خاموش کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔

چچی کی نگاہ اب شاہد کی طرف اٹھ گئی تھی۔ اس کے لہجے اور انداز میں عجیب سا غرور تھا۔ ایسا غرور تھا کہ اب اس کے پاس وہ ساری دولت، وہ ساری جائیداد اور وہ ساری آسائشیں تھیں جو کبھی شہریار راجپوت کے پاس ہوا کرتی تھیں۔

اسے لگ رہا تھا کہ آخر کار اسے اس کا حق مل چکا ہے۔

مگر وہ یہ بھول گئی تھیں کہ کسی کا حق مار کر، کسی سے اس کی آسائشیں چھین کر اور کسی کے حصے کی خوشیاں اپنے نام کر کے آپ اپنا حق وصول نہیں کرتے۔

آپ صرف ظلم کرتے ہیں۔

اور ظلم سے حاصل کی گئی آسائشیں کبھی سکون نہیں دیتیں۔

"اور جب کسی کے گھر آتے ہیں تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں، زہرہ۔ تمہیں رضیہ آپا نے اتنا بھی نہیں سکھایا؟"

وہ ذرا رکیں، پھر مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"خیر، تم نے تو نہیں کیا، ہم ہی تمہیں آگے بڑھ کر پیار دے دیتے ہیں۔ تم تو چھوٹی ہو، ہم تم سے تھوڑا نہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہم بڑے ہیں نا۔"

اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھیں۔ پہلے انہوں نے شاہد کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار کیا، پھر زہرہ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

"اچھا، تم جاؤ۔ میں ملازمہ سے کہہ کر پانی اور کچھ کھانے پینے کا انتظام کرواتی ہوں۔ جا کر اپنی امی سے مل لو۔ اور ہاں، کپڑے بھی بھجواتی ہوں، بدل لینا۔ بہت بری اور نحوست سی طاری ہو رہی ہے ان کپڑوں سے۔ بدبو آ رہی ہے۔ لگتا ہے پتا نہیں کب سے تم نے کپڑے ہی نہیں بدلے۔"

اس کی بات سنتے ہی شاہد کا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، زہرہ نے فوراً اس کی کلائی تھام لی۔

شاہد نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تو زہرہ نے خاموشی سے سر نفی میں ہلا دیا۔

شہریار اور چچی دونوں نے یہ منظر دیکھا تھا، مگر اس وقت انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بس خاموش رہے۔۔ تماشہ دیکھنے کا مزہ خاموشی میں ہی آتا ہے۔

زہرہ شاہد کو ساتھ لیے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

اس وقت اسے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔
اسے صرف اپنی ماں سے ملنا تھا۔
صرف اپنی ماں کو دیکھنا تھا۔
یہاں سے گئے اسے ابھی تین چار مہینے ہی تو ہوئے تھے، مگر ان چند مہینوں میں ہی کیا سے کیا بدل گیا تھا۔
سب کچھ بدل گیا تھا۔
کتنی بات عجیب ہے نا، وقت کتنی جلدی بدل جاتا ہے۔ کتنی تیزی سے حالات اپنی کروٹ بدل لیتے ہیں۔ انسان کچھ سوچ رہا ہوتا ہے، کچھ اور خواب دیکھ رہا ہوتا ہے، اور وقت پل بھر میں اس کے سارے منصوبے، سارے خواب اور ساری امیدیں بدل کر رکھ دیتا ہے۔
وہی گھر، وہی لوگ، وہی رشتے ہوتے ہیں، مگر پھر بھی سب کچھ اجنبی سا لگنے لگتا ہے۔
اور انسان بس کھڑا سوچتا رہ جاتا ہے کہ آخر اتنی جلدی سب کچھ بدل کیسے گیا؟
"زہرہ، تم نے مجھے وہاں کچھ کہنے کیوں نہیں دیا۔ تمہارے چچا اور چچی کتنے بدزبان ہیں، انہیں ذرا سا بھی احساس نہیں کہ تمہیں کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ اور تمہارے ہی گھر میں قبضہ کیے بیٹھے ہیں۔"
برآمدے میں چلتے ہوئے شاہد نے اچانک زہرہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ بھی تھا اور زہرہ کے لیے تکلیف بھی۔
زہرہ نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد دھیرے سے کہا۔
"کوئی بات نہیں، شاہد۔ جب اتنا سب کچھ ہو سکتا ہے تو یہ بھی سہی۔ نصیب کب بدل جائے، وقت کب بدل جائے، کوئی نہیں جانتا۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، شاید ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ ہم اسے ٹال نہیں سکتے۔ لیکن جو ہے، ہم اس کے ساتھ خوش ضرور رہ سکتے ہیں۔"
وہ چند لمحے خاموش رہی۔
"میرے ساتھ بہت کچھ ہوا ہے، شاہد۔ آج جلال کا چہرہ دیکھ کر، اپنے چچا کا چہرہ دیکھ کر، اپنی چچی کا چہرہ دیکھ کر۔۔ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے سب کچھ دوبارہ دیکھ لیا ہو۔ مجھے سب یاد آ گیا ہے۔ چار مہینے پہلے ہونے والا ہر ظلم مجھے یاد آ گیا ہے۔"
اس کی آواز میں دکھ اتر آیا تھا۔ اس سے پہلے کے شاہد کچھ کہتا وہ پھر سے بولی۔

"شاہد، آپ نے بھی تو مجھ سے صرف اس لیے شادی نہیں کی تھی کہ آپ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ اس لیے آج آپ کا یہ کہنا بھی بنتا نہیں کہ آپ نے میرے ساتھ صرف محبت کی وجہ سے یہ سب کیا۔ آپ کے گھر والوں نے آپ کی شادی مجھ سے زبردستی کروائی تھی۔ پیسوں کی خاطر۔"

وہ شاہد کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی، مگر اس مسکراہٹ میں خوشی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"شاید میں کسی ببل میں تھی۔۔ ایک ایسے ببل میں جہاں مجھے لگتا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے، سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔ لیکن آج وہ ببل پھٹ گیا ہے۔ اور اب مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"آپ لوگوں نے شاید اسی وجہ سے مجھے اس گھر میں آنے نہیں دیا تھا۔ چار مہینے ہو گئے ہیں میری شادی کو، اور ان چار مہینوں میں ، میں اس گھر تین چار بار آ سکی ہوں۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"یہاں تک کہ میرے ولیمے والے دن بھی مجھے اجازت نہیں دی گئی کہ میں اپنی ماں کے گھر آ کر اُن کا حال پوچھ لوں ۔ ولیمے کے بعد لڑکیاں اپنے گھر جاتی ہیں نا؟ میں نہیں جا سکی تھی۔ پچھلے مہینے آئی تھی، چند گھنٹوں کے بعد آپ مجھے واپس لے گئے تھے۔ اور آج۔۔۔ آج میں پورے ایک مہینے بعد یہاں آئی ہوں۔"

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئی، جیسے اپنے اندر اٹھتے ہوئے طوفان کو قابو کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"اور آج سب کچھ یاد آ گیا۔"

اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

"میری زندگی پر کیا قیامت گزری ہے، شاہد۔۔۔ آپ اس چیز کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ اور آپ مجھے یہاں کھڑے ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے چچا نے ٹھیک نہیں کیا؟"

اس نے شاہد کی طرف دیکھا۔

"آپ نے بھی تو ٹھیک نہیں کیا تھا۔ آپ سب جانتے تھے پھر بھی آپ نے مجھ سے شادی کی۔"

شاہد خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

زہرہ کو اپنی آواز کہیں دور کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی ۔

"آپ نے بھی تو ایک ایسی لڑکی سے شادی کی تھی جو آپ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔"

"زہرہ ، کیا یاد آ گیا تمہیں؟"

شاہد نے ابھی اتنا ہی پوچھا تھا کہ زہرہ نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔
اس نے نظریں چرا لیں۔
"میں اُس وقت کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں آپ کے سامنے ایسا ہی ظاہر کروں گی جیسے جس ببل میں میں تھی، وہ ببل ابھی تک پھٹا ہی نہیں۔ جیسے میں ابھی بھی اسی ببل میں ہوں۔ انہی خوبصورت یادوں میں، اپنے ارد گرد کے انہی خوبصورت لمحوں میں ہوں۔ جیسے میرے ساتھ کبھی کچھ برا ہوا ہی نہیں تھا۔"
اس کی آواز میں ایک عجیب سی بے بسی تھی۔
"میں یہاں ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتی۔ میں بس امی سے ملوں گی۔ ایک دو گھنٹے ہم یہاں بیٹھیں گے، امی سے باتیں کریں گے، اور اس کے بعد آپ مجھے واپس گھر لے جائیں گے۔"
وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی۔
"یہ حویلی میرے لیے بہت تکلیف کا باعث ہے، شاہد۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ میں صرف اپنی امی سے ملنے آئی تھی۔۔"
اس کی آواز اچانک بھر اگئی۔ اُس نے ساری حویلی پر نظر دوڑائی۔
"لیکن یہاں تو میری امی کے لیے ہی جگہ نہیں ہے۔"
یہ کہتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔
شاہد نے اسے دیکھا تو اس کا دل جیسے دھڑکنا بند ہو گیا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر زہرہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی بے بسی دیکھ کر اُس سے کچھ کہا ہی نہیں گیا۔
زہرہ نے روتے ہوئے بس اتنا کہا۔
"کیا کر رہی ہے زندگی میرے ساتھ؟"
"زندگی نے مجھے بچپن سے لے کر آج تک ایسے ہتھیلیوں پر اٹھا کر رکھا ہے، جیسے میں کوئی نازک سا چھالا ہوں۔ ہتھیلی کا وہ چھالا جسے ذرا سا بھی ہاتھ لگاؤ تو درد ہونے لگے۔ اور اب تو میری ساری زندگی ہی ایک ایسے چھالے کی طرح بن کر رہ گئی ہے۔۔ کہ جہاں بھی ہاتھ لگاؤ، وہیں سے دکھنے لگتی ہے۔"
وہ چند لمحے خاموش رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں تھے اور آواز میں وہ درد، جسے شاید لفظوں میں بیان کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔
"آپ میرے شوہر ہیں، شاہد۔ میں آپ کو چھوڑ نہیں سکتی۔"
اس نے ایک گہری سانس لی۔

"اور شاید یہی میری بد قسمتی ہے کہ میں آپ کو چھوڑ بھی نہیں سکتی۔"

شاہد خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

زہرہ نے اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کو درشتگی سے صاف کیے اور بھاری لہجے میں بولی۔

"مجھے امی سے ملنا ہے۔ آپ بھی امی سے مل لیجیے۔ پھر ہم گھر واپس چلیں گے۔"

زہرہ اپنی ماں سے ناراض تھی، لیکن ماں تو ماں ہوتی ہے نا۔

ماں سے کچھ غلط فیصلے ہو بھی جائیں، اولاد کی زندگی برباد ہو بھی جائے، مگر ماں، ماں ہی رہتی ہے۔ بیٹیاں اپنی ماں کو نہیں چھوڑ سکتیں، جیسے ایک ماں اپنے بچوں کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔

زہرہ نے وہاں بیٹھے ہوئے نہ تو اس گھر کے پانی کا ایک گھونٹ اپنے حلق سے نیچے اتارا۔ اور نہ ہی کھانے کا ایک نوالہ۔

شاہد بے بس سا وہیں بیٹھا دونوں ماں بیٹی کی باتیں سن رہا تھا۔ ان کی باتیں بھی کیا تھیں؟

"کیسی ہو؟"

"سسرال میں کیسا چل رہا ہے؟"

بس یہی چند عام سے سوال تھے، مگر ان کے پیچھے چھپے درد کو شاید وہ دونوں ہی سمجھ رہی تھیں۔

رضیہ بیگم جیسے مرجھا سی گئی تھیں۔ ان کی زندگی کی ساری رونق جیسے کہیں کھو گئی تھی۔ شوہر کا دنیا سے چلے جانا، اکلوتی بیٹی کا ایسے گھر میں بیاہ دیا جانا جہاں سے وہ مہینوں مہینوں ان کے پاس نہیں آتی تھی، اور اوپر سے دیور اور دیورانی کا یہ رویہ۔۔ ان کے لیے سب کچھ ہی ایک عجیب سی کیفیت بن چکا تھا۔ وہ ہر چیز برداشت کر رہی تھیں۔

مگر آخر ایک ماں کتنا برداشت کرتی؟

کافی دیر تک وہ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے سے باتیں کرتی رہیں۔ کبھی کوئی بات ہوتی، کبھی خاموشی چھا جاتی۔ جیسے دونوں کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا، مگر لفظ ختم ہو گئے تھے۔ تکلیفوں کا اظہار لفظوں سے نہیں خاموشی سے کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنی تکلیفوں کا اظہار خاموشی سے کر رہی تھیں۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا وقت ہو چکا تھا جب زہرہ نے اپنی ماں سے اللہ حافظ کہا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

وہ رضیہ بیگم کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تھوڑی نہ آئی تھی۔

وہ تو صرف اپنی ماں کا حال پوچھنے آئی تھی۔

مگر جس قدر خوشی کے ساتھ وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی، اس سے کہیں زیادہ غم اپنے دل میں لیے وہ ایک بار پھر اس گھر سے واپس جا رہی تھی۔ دوسری بار اُتنے بھاری دل کے ساتھ وہ گھر سے گئی تھی جتنی پہلی بار گھر سے قدم نکالتے ہوئے اُسے تکلیف ہوئی تھی۔۔

اس بار بھی اس گھر سے اسے اپنی تکلیف کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔ نہ سکون۔ نہ اپنائیت۔ نہ وہ گھر، جو کبھی اس کا اپنا ہوا کرتا تھا۔

وہ وہاں سے خاموشی سے چلی گئی تھی اور جاتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ اب وہ جلدی باغر ا واپس نہیں آئے گی۔

یا شاید۔۔۔ وہ کبھی لوٹ کر باغرا آئے گی ہی نہیں۔

باغرا اسے محبوب تو بہت تھا، مگر وہاں موجود ہر چیز اب اس کے لیے تکلیف کا باعث بن چکی تھی۔ وہ جگہیں، وہ راستے، وہ لوگ، وہ یادیں۔۔۔ سب کچھ اسے اندر ہی اندر توڑ تا تھا۔

شاہد کے ساتھ وہ اپنے سسرال لوٹ گئی تھی۔ کبھی بھی واپس نہ آنے کے لیے۔ مگر قسمت ہمیشہ اُس کے ساتھ وہ کرتی تھی جو قسمت کو اُس کے ساتھ کرنا ہوتا تھا۔ اُس کی مرضی سے قسمت فیصلے نہیں لیا کرتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

دو بجے کے قریب عادل نڈھال سا گھر میں داخل ہوا۔ ہسپتال میں کافی وقت ضائع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر کی باتوں سے اُس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ اُسے ڈاکٹر پر یقین نہیں تھا۔ وہ وہاں موجود سیکیورٹی گارڈز کو بھی اپنے اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔

اسی سب میں اُسے بہت وقت لگ گیا تھا۔

جب وہ گھر میں آیا تو مہک بلکل تیار بیٹھی اُسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"اسلام ُعلیکم! آ گئے آپ؟" کھڑے ہوتے ہوئے مہک نے عادل کی جانب دیکھا۔

"واسلام۔۔۔ جی اگر تیار ہیں آپ مہک تو چلیں؟" عادل کی بات سُن کر مہک نے اپنے آپ کو دیکھا۔

عادل نے بھی اُس کا سر تا پاؤں کا جائزہ لیا۔ وہ تیار کھڑی تھی۔ وہ اُسی کے انتظار میں کھڑی تھی۔ عادل کو لگا تھا وہ اُس کی سبز آنکھوں میں ڈوب جائے گا۔

وہ اُسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ سارے دن کی تھکان ایک نظر میں اُتر گئی تھی۔

"جی چلیئے محترمہ۔۔۔" مہک کے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے اُس نے اپنی باہوں کو اُس کے لیے کھولا تھا۔

مہک مسکراتے ہوئے اُس کے پاس سے گزری تھی۔

"عادل آپ گاڑی میں انتظار کریں میں امی کو بتادوں۔۔"عادل نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ وہ خوش ہوئی تھی۔

عادل باہر کی جانب بڑھ گیا اور مہک کیچن کی جانب چلی گئی۔

کچھ ہی لمحے گزرے تھے جب عادل کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر مہک آکر بیٹھ چکی تھی۔

"ڈاکٹر کو سب بتانا کہ کیا کیا مسائل ہیں اوکے۔۔۔"گاڑی کو اسٹارٹ کرتے ہوئے عادل نے مہک سے کہا۔ مہک نے اُس کی بات سُنی تو سر کو ہلاتے ہوئے سیٹ بیلٹ پہننے لگی۔

اُن سب کی زندگیاں جس روش پر بہہ رہی تھیں سب نے اُسی ڈگر پر زندگی کی ڈور کو جانے دیا۔

مارچ کے آخر میں نگینہ کی شادی تھی، اور پھر وہ شادی بھی ہوگئی۔ باقی دن بھی اسی طرح گزرتے رہے۔ وقت چلتا رہا، دن مہینوں میں بدلتے رہے اور زہرہ خاموشی سے اپنی زندگی کو آگے بڑھاتی رہی۔ باقی سب کی زندگی بھی ایک معمول کے مطابق گزرتی رہی۔

زہرہ کا اور شاہد کا رشتہ بہت خوبصورت تھا۔ دونوں کے درمیان محبت نہیں تھی۔ یاں یوں کہا جائے زہرہ کو شاہد سے محبت ہو نہیں پا رہی تھی۔ ایک دوسرے کے لیے احساس تھا، ایک دوسرے کا خیال تھا۔ محبت کا نام نہیں تھا۔ شاہد کو محبت تھی مگر وہ اظہار کرنا چھوڑ چکا تھا۔

اور اصل محبت تو یہی ہے کہ محرم بنا جتائے آپ کا خیال رکھے۔

لیکن اس کی ساس اور اس کے سسرال والے جیسے اس کی زندگی کو ہر ممکن طریقے سے مشکل بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

وہ صرف صبر اور شکر کر رہی تھی۔ زہرہ پھر بھی خاموش تھی۔

کیونکہ اس کے پاس نہ تو میکے والے تھے، نہ ہی سسرال والے۔

اس کے پاس صرف ایک شخص تھا اور وہ تھا اس کا شوہر۔

شاہد۔

اور شاید اس کے پاس کچھ اور بھی تھا، مگر وہ نہیں جانتی تھی۔

وہ بس خاموشی سے چلتی رہی۔۔

جس روش پر زندگی بہہ رہی تھی، اس نے بھی اسے اسی روش پر بہنے دیا۔

پھر ستمبر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اسے ایک خوبصورت بیٹے سے نوازا۔ زہرہ بہت خوش تھی۔

اپنے بیٹے کو پہلی بار دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر ایسی خوشی تھی جسے شاید لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر پھر بھی۔۔ دل کے کسی ایک کونے میں ایک ہلکی سی کسک ضرور اٹھی تھی۔

کچھ خواہشیں جب ٹوٹ جاتی ہیں نا، تو ان کا درد خوشیوں کے درمیان بھی محسوس ہوتا رہتا ہے۔

جب آنکھوں میں خوابوں اور خواہشوں کے آنسو جمع ہو جائیں، تو مسکراتے ہوئے بھی دل بہت تکلیف میں ہوتا ہے۔

زہرہ کو بھی تکلیف ہو رہی تھی۔

مگر اپنے بیٹے کو دیکھ کر اس نے بہت سے غم اپنے اندر ہی اندر پی لیے تھے۔

وہ اسے دیکھتی اور خود کو سمجھاتی کہ یہی تو اس کی خوشی ہے۔

اور اگر شاہد اس سے محبت کرتا تھا، تو زہرہ کے لیے شاید یہی سب کچھ تھا۔ لیکن اُس نے خود کے لیے یہ تو کبھی چاہا ہی نہیں تھا۔

زندگی چلتی جا رہی تھی، زندگی بھلا کہاں کسی کے لیے رُکا کرتی ہے۔ زہرہ کو بھی اب عادت ہو چکی تھی، چھوٹے موٹے کام وہ خود ہی کر لیا کرتی تھی۔ کیونکہ بچپن سے لے کر شادی تک اس نے اپنے گھر میں کبھی کوئی کام نہیں کیا تھا۔ شادی کے بعد ہی اس نے گھر سنبھالنا اور زندگی کے یہ سب کام سیکھے تھے۔ شاہد نے بھی اس کی بہت مدد کی تھی، اس کے لیے آسانیاں پیدا کی تھیں۔

تکلیف تو اسے اب بھی ہوتی تھی، مگر وہ اپنی زبان نہیں کھول سکتی تھی۔ وہ اپنی ماں سے نہیں مل سکتی تھی، باغ را نہیں جا سکتی تھی۔ اپنے ہی گھر، اپنی ہی ماں سے دور ۔ کیسا دکھ تھا ۔

پھر جب اس کا بیٹا شہزاد اس دنیا میں آیا تو جیسے اس کی زندگی میں کچھ رنگ واپس آ گئے۔ وہ سارا دن اسی کی پرورش میں لگی رہتی، اسی کا خیال کرتی، اسی کے ساتھ وقت گزارتی۔ اب اس کے لیے شاہد اور اس کا بچہ ہی اس کی پوری کائنات تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے باقی تمام دکھوں کو بھی انہی کے درمیان بھلا دیتی تھی۔

نجمہ اسے باتیں سناتی، کبھی کسی بات پر طعنہ دیتی، مگر زہرہ زیادہ تر خاموش رہ کر درگزر کر جاتی۔

ماؤں کو اپنے ان بیٹوں کی شادی نہیں کرنی چاہیے اکلوتے ہوں۔ جو ان کے لیے صرف بیٹے نہیں بلکہ لاڈلے ہوں، کیونکہ پھر وہ اپنے بیٹے کے ہمسفر کو کبھی دل سے قبول نہیں کر پاتیں۔ انہیں اپنا بیٹا تو ہر حال میں نظر آتا ہے، مگر اس کے ساتھ کھڑی عورت ایک انسان کی حیثیت سے دکھائی ہی نہیں دیتی۔ وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتیں کہ ان کے بیٹے کی زندگی میں ایک اور عورت بھی اتنی ہی اہم ہو سکتی ہے۔

اور خاص طور پر ایسی ماؤں کو اپنے بیٹوں کی شادی نہیں کرنی چاہیے جو انہیں اپنی بیوی کے ساتھ خوش نہیں دیکھ سکتیں۔ کیونکہ پھر وہ اپنے بیٹے کی خوشی سے زیادہ اپنی خواہش کو اہمیت دیتی ہیں، اور انجانے میں دو لوگوں کی زندگیوں کو جہنم بنا دیتی ہیں۔

وہیں دوسری طرف عادل اور مہک کو اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت پیاری سی بیٹی سے نوازا تھا۔ خوبصورت سبز آنکھوں والی، پیارے پیارے نقوش والی ایک ننھی سی جان۔ وہ بالکل کمال جیسی لگتی تھی، بس اس کی آنکھیں سبز تھیں بالکل اپنی ماں جیسی، باقی نقوش میں وہ کمال کی ہی جھلک لیے ہوئے تھی۔

ویسے بھی چھوٹے بچوں کے چہروں پر ایک عجیب سی معصومیت ہوتی ہے، ایسی معصومیت جسے دیکھ کر انسان اپنی تمام پریشانیاں کچھ دیر کے لیے بھول جاتا ہے۔

اس سب عرصے میں راجپوتوں نے کمال کو بہت سے ہسپتالوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ مگر اُس کا نام اور پہچان بدلنے کی وجہ سے وہ اُسے ڈھونڈ نہیں سکے۔

سب کے لیے زندگی بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی، لیکن کمال۔۔۔ وہ ابھی تک وہیں تھا، اسی ہاسپٹل میں۔ پہلے سے کافی بہتر ہو چکا تھا، اس کی حالت میں بہتری آ رہی تھی، مگر زندگی سے جیسے وہ روٹھ سا گیا تھا۔

اس نے آہستہ آہستہ زندگی کو دوبارہ اپنانے کی کوشش کی تھی، خود کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ شاید اب اسے آگے بڑھنا چاہیے، مگر وہ ایسا کر نہیں پا رہا تھا۔ جتنا وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا، اتنا ہی اندر سے بکھر جاتا۔

وہ بہت تکلیف سے گزر رہا تھا، ایسی تکلیف جسے وہ کسی کے سامنے بیان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور شاید اسی تکلیف نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی چھین لی تھی۔ وہ کچھ سوچنے سے قاصر تھا، کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔ بس ایک ہی جگہ رُکا ہوا تھا۔

زمل کے ہونے کے بعد عادل نے کمال کو گھر میں ہی شفٹ کر دیا گیا تھا۔ شاید اپنوں میں رہ کر اُسے کچھ ذہنی سکون ہو اور حالت بہتر ہو۔

اور ایسا کرنے سے حالات کافی بہتر ہوئے تھے۔ عادل نے نرسز بھی گھر میں اُس کے لیے رکھوائی تھیں۔

کمال کا ذہن زمل کی وجہ سے کافی فریش رہنے لگا تھا۔ اُسے زمل بہت پیاری لگتی تھی۔

کمال اپنے کمرے میں ہی تھا۔ ایک دن جب نہ جانے کس خیال کے تحت اس نے مہک اور عادل کے کمرے میں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ شاید وہ کچھ دیر زمل کے پاس بیٹھنا چاہتا تھا، اسے پیار کرنا چاہتا تھا، اس ننھی سی جان کو اپنے قریب محسوس کرنا چاہتا تھا۔

اس کی حالت ابھی بھی ایسی نہیں تھی کہ وہ خود چل کر کہیں جا سکتا۔ نرس اسے وہیل چیئر پر بٹھا کر آہستہ آہستہ کمرے کی طرف لے کر جا رہی تھی۔ کمال خاموشی سے وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ابھی وہ برآمدے تک ہی پہنچا تھا، جب اچانک اندر سے آتی ہوئی مہک کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

کمال چونک کر وہیں رک گیا۔

اس نے فوراً نرس کی طرف دیکھا اور ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے اسے وہیل چیئر وہیں روک دینے کو کہا۔

نرس بھی خاموشی سے وہیں رک گئی۔

کمال نے اندر جانے کی کوشش نہیں کی۔ بس وہیں بیٹھا، خاموشی سے اندر سے آتی ہوئی مہک اور عادل کی آواز سنتا رہا۔

اور پھر جو الفاظ اس کے کانوں میں پڑے، انہوں نے جیسے اس کے ذہن کو شل کر دیا۔

اس کے چہرے کے تاثرات یک دم بدل گئے تھے۔

وہ کچھ لمحوں تک بالکل ساکت بیٹھا رہا، جیسے سنی ہوئی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ شاید اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ وہ سن رہا ہے، وہ حقیقت تھی۔

کتنے راز ہوتے ہیں جو لوگ اپنے سینوں میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ مگر جب اپنے ہی اپنوں سے راز چھپانے لگیں، تو پھر انسان زندگی میں دوسروں پر بھروسہ کیسے کرے؟

کمال کے لیے شاید یہ صرف ایک راز نہیں تھا۔ یہ اس کے اپنے لوگوں پر کیے گئے یقین کا امتحان تھا۔

کمال نے مہک کی ساری باتیں سن لی تھیں۔

اور جب ساری حقیقت اس کے سامنے آ چکی تھی تو جیسے اس کے اندر کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ دکھ، افسوس، رنج، ملال۔۔۔ کیا کچھ نہیں تھا اس کے اندر؟ ایک ایسی تکلیف تھی جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ جس حقیقت کے ساتھ وہ اتنے عرصے سے جیتا آ رہا تھا، آج اچانک وہی حقیقت جھوٹ بن کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

باتیں کرتے کرتے مہک نے دروازے میں وہیل چیئر پر بیٹھے کمال کو دیکھ لیا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی تھی۔ مہک ڈر گئی تھی۔

عادل نے مہک کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

مہک اور عادل دونوں جیسے پتھر کے ہو گئے تھے۔

انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ کمال وہاں آ جائے گا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ان کی ساری باتیں سن لے گا۔ دونوں کے چہروں پر سائے سے لہرا رہے تھے۔ مہک اور عادل کی نظروں میں ایک انجانا سا خوف تھا۔ آگے کیا ہو گا کا خوف۔

وہ دونوں کچھ کہنا چاہتے تھے، شاید وضاحت دینا چاہتے تھے، شاید کمال کو بتانا چاہتے تھے کہ انہوں نے یہ سب کیوں کیا۔

مگر کمال کے چہرے پر پھیلی اذیت نے جیسے انہیں خاموش کر دیا تھا۔

کمال نے نرس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اندر لے چلو۔"

نرس نے خاموشی سے وہیل چیئر آگے بڑھائی اور اسے کمرے کے اندر لے گئی۔ کمال کے کمرے میں پہنچتے ہی اس نے نرس کی طرف دیکھا۔

"تم باہر چلی جاؤ۔" اتنے عرصے سے اُس کے تمام سوئے اعصاب یک دم جیسے جاگ اُٹھے تھے۔

نرس نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر خاموشی سے باہر نکل گئی۔ وہ بھی سب کچھ سن چکی تھی، مگر اس وقت کمال کے درد کے سامنے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ جس کے ساتھ آپ رہو اُس کے درد سے واقف ہونا کوئی کمال بات نہیں۔ کمال بات تو یہ ہے کہ بنا کسی کو دیکھے بنا کسی کو جانے اُس کی آنکھوں سے غم کا اندازہ لگا لیا جائے۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

مہک نے آہستہ سے کمال کو پکارنا چاہا۔

"کمال۔۔۔"

مگر کمال نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"نہیں۔"

صرف ایک لفظ تھا، مگر اس میں اتنی اذیت تھی کہ مہک کے لب وہیں بند ہو گئے۔

عادل نے بھی آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہا۔

"کمال، میری بات سنو۔۔۔"

کمال نے پھر ہاتھ اٹھا دیا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔"

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ رو رہا تھا؟ وہ رو رہا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے۔۔ وہ رو رہا تھا، اپنوں کی وجہ سے رو رہا تھا۔ ہمارے اپنے ہی ہمارے دکھوں کے ذمے دار ہوتے ہیں۔

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ کمال نے سب سے پہلے مہک کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی، دکھ تھا اور ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب شاید وہ پہلے ہی جان چکا تھا۔

"تم جانتی تھیں۔۔۔"

اس کی آواز کانپ گئی۔

"تم شروع سے جانتی تھیں۔۔۔ شروع سے لے کر آخر تک سب جانتی تھیں۔۔۔ اور تم نے مجھ سے جھوٹ بولا۔"

مہک کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"کمال میں۔۔۔" وہ پھر کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر کمال نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس۔"

پھر اس کی نظر مہک کے پاس بیٹھے عادل پر جا ٹھہری۔

"تم نے بھی مجھ سے جھوٹ بولا، عادل۔"

اس کی آواز میں اب غصے سے زیادہ رنج تھا۔

"تم کیسے دوست ہو میرے؟ تم نے بھی مجھ سے جھوٹ بولا۔"

عادل نے نظریں جھکا لیں۔ اس کے پاس واقعی کوئی جواب نہیں تھا۔ کمال کی نظریں پھر مہک کی طرف اٹھیں۔

"اور تم۔۔۔؟" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"تم جو مجھے اپنا بھائی کہتی ہو۔۔۔ جو کہتی ہو کہ تم میری خیر خواہ ہو۔۔۔ مجھ سے اتنی محبت جتاتی ہو۔۔۔ تم نے بھی مجھ سے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔" وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا۔

"تم لوگوں نے۔۔۔"

اس نے گہری سانس لینے کی کوشش کی، مگر سینے میں اٹکی ہوئی سسکی نے اسے دوبارہ توڑ دیا۔ روتے ہوئے اُس نے سانس لیا۔ بات کو پھر سے شروع کیا۔

"تم لوگوں نے میری یہ حالت کی ہے۔ تم لوگوں کی وجہ سے میں آج تک ٹھیک نہیں ہو سکا۔ تم لوگ آخر کس بھرم میں رکھے ہوئے تھے مجھے؟"

اس نے اٹھنے کی کوشش کی، مگر جسم میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ وہ اُٹھ پاتا۔ وہ وہیل چیئر پر بیٹھا، ہچکیوں سے روتا رہا۔

"امی نے بھی مجھ سے جھوٹ بولا۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز جیسے بالکل بجھ گئی۔

"کیسی ممتا ہے ان کی؟ اپنے بچے کو ہر دن مرتا ہوا دیکھ سکتی ہیں۔۔۔ لیکن مجھے یہ سچ بتانا گوارا نہیں کیا کہ **وہ زندہ ہے۔**"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"زہرہ راجپوت زندہ ہے۔۔۔"

اس کے لب کانپ رہے تھے۔

"اور تم لوگ مجھے اس کے پاس جانے سے روک رہے ہو۔"

مہک نے روتے ہوئے پھر کچھ کہنا چاہا، مگر کمال نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر ایک بار پھر روک دیا۔

"نہیں مہک۔۔۔پلیز۔۔۔ابھی نہیں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

"میں اس کے بغیر ہر پل مرتا رہا۔۔۔ہر پل۔"

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"اگر اس کے پاس جاکر مرتا تو کم از کم سکون سے تو مرتا؟"

اس کی آواز میں ایسی بے بسی تھی کہ مہک اور عادل دونوں کی آنکھیں جھک گئیں۔

"میں اُس دن سے لے کر آج تک یہ سوچ سوچ کر مر رہا ہوں کہ میں اس کے پاس کیوں نہیں جا سکا؟ میں اُسے کیوں لینے نہ گیا؟ ۔۔۔"

اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

"میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ مر گئی تھی؟۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا۔

پھر آنسوؤں کے درمیان اس نے جیسے خود سے کہا۔

"اور اب مجھے پتا چل رہا ہے۔۔۔"

اس نے مہک اور عادل کی طرف دیکھا۔

"کہ وہ زندہ ہے۔"

کمرے میں پھر خاموشی چھاگئی۔ مگر اس بار یہ خاموشی پہلے جیسی نہیں تھی۔

یہ خاموشی ایک ایسے شخص کے ٹوٹنے کی تھی، جسے سب نے بچانے کے لیے اس سے حقیقت چھپائی تھی۔۔۔اور اسی حقیقت کو چھپاتے چھپاتے وہ اسے اندر سے اتنا توڑ چکے تھے کہ اب اس کے پاس بچا ہی کیا تھا؟ ایک بے جان ہوتا ہوا وجود۔

کمرے میں ایک ایسی خاموشی اتر آئی تھی جس میں صرف کمال کی بے ترتیب سانسوں اور کبھی کبھار نکلنے والی سسکیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

مہک کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ وہ کئی بار کمال سے کچھ کہنا چاہتی، مگر ہر بار اس کے لب کھلنے سے پہلے ہی اس کی آواز کہیں حلق میں ہی دم توڑ جاتی۔ عادل بھی سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ اُسے پچھتاوا تھا، مگر تکلیف دینے کے بعد پچھتاوا ہو یاں کتنا ہی بڑا مداوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

وہ تو کمال کا دوست تھا، اس کا راز دار تھا، مگر آج اسے پہلی بار محسوس ہو رہا تھا کہ دوستی کے نام پر اس نے اپنے دوست سے کتنا بڑا دھوکہ کیا ہے۔ ۔اور بھلا دھوکہ کرنے والے دوست کہاں ہوا کرتے ہیں۔

کمال وہیل چیئر پر بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔

آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

چہرے پر آنسوؤں کے نشان تھے اور انگلیاں بے اختیار ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔

وہ جیسے اپنے اندر گزرے ہوئے ہر دن کا حساب کر رہا تھا۔

کتنے دن؟ کتنی راتیں؟ کتنی دعائیں؟ کتنی بار اس نے زہرہ کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے۔

اور کتنی بار یہ سوچ کر اپنے دل کو سمجھایا تھا کہ شاید وہ اس دنیا میں نہیں رہی؟ اچانک کمال کے ہونٹ ہلے۔

"تم لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" اس بار اُس کی آواز میں غصہ تھا۔

صرف ایک ایسا سوال تھا جس کے پیچھے بے شمار راتوں کی اذیت چھپی ہوئی تھی۔

مہک نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "کمال۔۔۔ ہم تمہیں بچانا چاہتے تھے۔"

کمال نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

"بچانا؟"

اس کے لبوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ آئی۔

"یہ کیسا بچانا تھا مہک؟"

وہ ہلکا سا ہنسا، مگر اگلے ہی لمحے وہ ہنسی سسکی میں بدل گئی۔

"میں مر رہا تھا۔۔۔ تم لوگوں نے دیکھا نہیں؟" مہک کے لب کانپنے لگے تھے۔

"ہم نے تمہیں ہر دن مرتے دیکھا ہے کمال۔۔۔ اسی لیے تو۔۔۔"

"اسی لیے کیا؟" کمال نے بات کاٹ دی۔

"اسی لیے مجھے یہ یقین دلاتے رہے کہ زہرہ مر چکی ہے؟" مہک خاموش ہو گئی۔ کمال نے عادل کی طرف دیکھا۔

"اور تم؟"

عادل نے نظریں اٹھائیں۔

"تمہیں تو میں اپنا سب سے قریبی دوست سمجھتا تھا۔ تم سے میں نے اپنی ہر بات شیئر کی۔۔۔ ہر خوف، ہر دکھ۔۔۔ اور تم نے؟" عادل کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

کمرے میں بس کمال کی آواز گونج رہی تھی۔

"تم نے بھی مجھ سے جھوٹ بولا۔"

کمال نے سر پیچھے ٹکا دیا۔

"تم لوگوں نے مجھے کس چیز سے بچایا؟ ؟"

کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔ اسی لمحے باہر سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ مہک نے فوراً دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔

کمال کی ماں اندر داخل ہوئیں۔

ان کے ہاتھ میں شاید پانی کا گلاس تھا، مگر جیسے ہی ان کی نظر کمال پر پڑی، ان کے قدم دروازے ہی پر رک گئے۔

وہ کچھ لمحوں تک اسے دیکھتی رہیں۔ کمال بھی انہیں دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔

اور جیسے ایک ہی لمحے میں شمیم سمجھ گئیں کہ کمال سب کچھ جان چکا ہے۔ ان کے ہاتھ میں پکڑا گلاس ہلکا سا کانپا۔

"کمال۔۔۔"

ان کے لبوں سے بمشکل اس کا نام نکلا۔

کمال نے انہیں دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔چند آنسوؤں لڑھک کر اُس کے گال پر پھسلے تھے۔

ایک لمحے کے لیے اس نے جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

مگر پھر آنکھیں کھول کر بولا۔

"آپ بھی جانتی تھیں؟" شمیم کے قدم جیسے زمین میں دھنس گئے ہوں۔

"بیٹا۔۔۔"

"آپ بھی جانتی تھیں؟"

اس بار کمال کی آواز قدرے بلند ہوئی تھی، مگر اس سوال میں جو ٹوٹ پھوٹ تھی، وہ کسی چیخ سے زیادہ اذیت ناک تھی۔

ماں کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھیں۔

"کمال، میری بات سنو۔۔۔" کمال نے اپنا کندھا پیچھے کو کیا۔

"نہیں۔" وہ خاموش ہو گئیں۔

"مجھے ابھی کوئی صفائی نہیں چاہیے۔" کمال کی آواز لرز رہی تھی۔

"بس مجھے یہ بتا دیں۔۔۔" اُس نے ایک لمحے کے لیے سانس روکی۔

"آپ کو کب سے پتہ تھا کہ زہرہ زندہ ہے؟" شمیم نے نظریں جھکا لیں۔ اُن کی یہی خاموشی کمال کے لیے جواب تھا۔ اس کے چہرے سے جیسے آخری امید بھی ختم ہو گئی۔

"تو آپ بھی۔۔۔" اُسے تعجب ہو رہا تھا۔

"آپ بھی میرے ساتھ جھوٹ بولتی رہیں۔"

"بیٹا، میں مجبور تھی۔۔۔"

"مجبور!" کمال نے ایک بار پھر قدرے بلند آواز میں کہا۔

"مجبور تھیں آپ؟" اُس کے رونے میں مزید روانی آ گئی۔

"میں آپ کا بیٹا ہوں ماں۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"میں روز یہاں مر رہا تھا۔ آپ نے دیکھا مجھے؟ آپ نے میری حالت دیکھی؟" شمیم روتے ہوئے اُس کے قریب آ گئیں۔

"میں نے تمہیں ہر دن دیکھا ہے کمال۔۔۔"

"تو پھر کیوں نہیں بتایا؟"

"کیونکہ ہمیں ڈر تھا۔۔۔"

"کس بات کا؟" کمال نے روتے ہوئے کہا۔

"کہ میں اس کے پاس چلا جاؤں گا؟"

اس سوال نے شمیم کو بالکل خاموش کر دیا۔ کمال نے ایک گہری سانس لی۔

"تو کیا غلط تھا؟" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"میں اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ میں آج بھی جانا چاہتا ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش رہا۔

"اگر وہ میرے سامنے ہوتی اور میں اس کے پاس جا کر مر جاتا۔۔۔ تو کم از کم مجھے سکون تو ہوتا کہ میں نے اسے آخری بار دیکھ لیا۔" ماں نے روتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا۔ کمال نے اپنا کندھا پھر پیچھے کر لیا۔

"نہیں امی۔۔۔" کمال نے خود کو ذرا پیچھے کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"ابھی مجھے ہاتھ مت لگائیں۔"

شمیم وہیں کھڑی رہ گئیں۔ کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ کمال کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"آپ جانتی ہیں میں نے کتنی بار اس کے لیے دعا کی؟" اس نے نظریں جھکا لیں۔

"کتنی بار میں نے سوچا کہ شاید وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔۔۔اور میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز ہچکیوں میں بدل گئی۔۔

"میں نے اس کی آخرت کے لیے دعائیں کیں امی۔۔۔"وہ مسلسل رو رہا تھا۔

"اور وہ۔۔۔"اُس نے اپنی آنکھیں قرب سے میچی تھیں۔

"وہ زندہ تھی۔"کمرے میں موجود چاروں نفوس کی آنکھیں نم تھیں۔

مہک نے آگے بڑھ کر کمال کا ہاتھ پکڑنا چاہا، مگر کمال نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"مہک وہیں رک گئی۔اُس کا دل ٹوٹا تھا۔

عادل نے بھی کچھ کہنا چاہا، مگر کمال نے اسے دیکھ کر صرف سر ہلا دیا۔

"تم بھی نہیں۔تم نے میرا سب سے زیادہ بھروسہ توڑا ہے۔"عادل نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔دوست جب دوستی کو بے اعتبارا کرتا ہے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔۔

کمال نے سب کو دیکھا۔

"آپ لوگوں نے میرے لیے فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے کیا جاننا چاہیے اور کیا نہیں ۔آپ سب نے میرا دل توڑا ہے میرا یقین توڑا ہے۔"اُس کے لبوں پر افسوس بھری مسکان آئی۔

"لیکن کسی نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔"وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

پھر بہت دھیمی آواز میں بولا۔

"میں زہرہ کو چاہتا تھا، چاہتا ہوں اور چاہتا رہوں گا۔"یہ کہتے ہوئے اُس کی آواز رندھ گئی۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"اُس نے اپنی ماں کی جانب دیکھا۔

"اور اس بار۔۔۔"

اس کی آنکھوں میں پہلی بار ایک عجیب سی وحشت تھی۔

"اس بار مجھے کوئی نہیں روکے گا۔"شمیم نے بے اختیار اسے دیکھا۔

مہک اور عادل بھی خاموش ہو گئے۔

کمال وہیل چیئر پر بیٹھا تھا، جسم میں اُٹھنے کی طاقت نہیں تھی۔

زہرہ زندہ تھی۔یہ سُن کر ہی اُس کے وجود میں طاقت آگئی تھی۔ اور اب اسے اس حقیقت کے ساتھ جینا نہیں تھا۔

اسے اس حقیقت تک پہنچنا تھا۔کمرے میں کچھ دیر تک کسی نے کچھ نہیں کہا۔

کمال کے الفاظ جیسے کسی انہونی کی مانند تھے۔ مگر یہ توطہ تھا کہ اُسے جیسے ہی زہرہ کے زندہ ہونے کی خبر ملنی تھی وہ اُس سے ملنے کی خواہش لازمی ظاہر کرتا۔ اور اب وہ اپنی خواہش ظاہر کر چکا تھا۔

"میں زہرہ کو چاہتا ہوں۔۔۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد کی خاموشی میں صرف اس کی سسکیوں کی آواز باقی رہ گئی تھی۔ مہک سر جھکائے کھڑی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ کمال کی ماں بھی چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے پر بے بسی تھی، جیسے وہ اپنے بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر بھی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھیں۔

عادل نے کئی بار کمال کو دیکھ کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ آخر کار اس نے ہمت کی۔

"کمال۔۔۔" کمال نے نظریں اُٹھا کر عادل کو دیکھا۔

عادل چند لمحے خاموش رہا، پھر دھیمی آواز میں بولا۔

"تمہیں زہرہ سے ملنے کی خواہش ہے، میں سمجھتا ہوں۔ لیکن تمہیں یہ بھی سمجھنا ہو گا کہ اس وقت تمہارا اس کے پاس جانا اتنا آسان نہیں ہے۔"

کمال کی آنکھوں میں فوراً بے چینی ابھری۔ اُسی لمحے کمرے میں سوئی زمل اٹھ کر رونے لگی۔ مہک نے اُسے فوراً سنبھالا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ تمہیں خطرہ ہے۔" کمال کچھ لمحے اُسے دیکھتا رہا۔

"مجھے؟"

"ہاں، تمہیں۔" عادل نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"اور یہ خطرہ صرف میرا، خالہ یا مہک کا وہم نہیں ہے کمال۔" کمال کے چہرے پر الجھن کے تاثرات بہت واضح تھے۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

عادل نے ایک نظر مہک اور شمیم کی طرف دیکھا۔ جیسے وہ چاہتا ہو کہ یہ بات یہاں نہ ہو، مگر اب چھپانے کو شاید کچھ باقی نہیں رہا تھا۔

"شہیر اور جلال۔۔۔" کمال کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ان دونوں سے تمہیں خطرہ ہے۔"

عادل نے آہستہ سے کہا، "وہ زہرہ کی جائیداد کے پیچھے ہیں۔" چند لمحوں کے بعد کمال خاموش ہو گیا تھا۔ ماضی کو وہ کیسے بھول سکتا تھا؟

پھر اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ "تو؟" عادل نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ تعجب سے اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"تو؟"

"ہاں، تو؟" کمال کی آواز میں بے بسی تھی۔

"عادل، اس وقت مجھے جائیداد سے کیا لینا دینا ہے؟"

"مجھے معلوم ہے۔"

"نہیں، تمہیں معلوم نہیں ہے۔" کمال نے سر جھکا کر دھیمی سے لہجے میں کہا۔

"میرے لیے اس وقت صرف ایک بات اہم ہے کہ زہرہ زندہ ہے۔" اُس کی آواز بھر آئی۔

"وہ زندہ ہے، عادل۔" عادل نے گہری سانس لی۔

"میں جانتا ہوں۔"

"تو پھر مجھے اس کے پاس جانے سے کیوں روک رہے ہو؟"

"کیونکہ اگر شہیر یا جلال کو یہ معلوم ہو گیا کہ تم زندہ ہو۔۔۔"

وہ رک گیا۔

کمال نے بے تابی سے پوچھا، "تو؟"

عادل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو وہ تمہاری مدد سے پہلے زہرہ کی جائیداد اپنے نام کروائیں گے اور بعد میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھاگئی۔ کمال نے عادل کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر چند لمحوں کے لیے کوئی تاثر نہیں آیا۔

"تم جب ہسپتال میں تھے تب بھی وہ تم پر کئی بار حملے کروا چکے تھے میں نہیں جانتا کہ ان سب کے پیچھے اُن کا مقصد کیا ہے۔ کیسے وہ تمہیں ایک ہتھیار بنا کر زہرہ سے جائیداد لینا چاہتے ہیں۔ میں تمہیں بس اُن سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں، شہر یار انکل زندہ ہوتے تو بات اور تھی۔ لیکن اب حالات اور ہیں۔ باغ اا اور اصولوں پر چلتا ہے کمال۔ اور وہ اصول شہیر اور جلال کے بنائے ہوئے ہیں۔" عادل کی بات سُن کر وہ چند ثانیے خاموش رہا۔

پھر وہ بہت آہستہ سے ہنسا۔

ایک ایسی ہنسی جس میں خوشی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"میری جان؟" عادل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔" کمال نے اپنی نظریں نیچے کر لیں۔

"میری جان تو ویسے بھی کب کی جا چکی ہے۔"

"کمال۔۔۔"

"نہیں عادل۔" اُس نے ایک بار پھر سے عادل کو روک دیا تھا۔ کمرے میں زمل کے رونے کی آواز یک دم تیز ہوئی۔ مہک نے اُسے چپ کروانے کے لیے گود میں جھولانا شروع کر دیا۔

"تم میری بات سمجھ نہیں رہے۔" اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں اس کے بغیر زندہ نہیں ہوں۔ صرف سانس لے رہا ہوں۔"

مہک نے بے اختیار روتے ہوئے کہا، "کمال، ایسا مت کہو۔" کمال نے اُس کی جانب دیکھا۔

"کیوں نہ کہوں؟" مہک خاموش ہو گئی۔

"تم نے خود دیکھا ہے مجھے۔" کمال کی آواز میں دکھ تھا، اُس کی بہن نے بھی اُس کے ساتھ ناانصافی کی۔

"میں نے کتنے دن ہسپتال کی ان سفید دیواروں کو دیکھتے ہوئے گزارے ہیں۔ کتنی راتیں آنکھیں کھول کر صرف یہ سوچتے ہوئے گزاری ہیں کہ زہرہ کے لیے وہ رات کیسی رہی ہو گی۔۔۔ اس کے ساتھ کیا ہوا ہو گا۔۔۔ وہ اس دنیا میں ہوتی تو کیا میرے ساتھ ہوتی؟۔"

اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔

"میں نے خود کو یہ یقین دلایا کہ وہ نہیں رہی۔" وہ کچھ دیر رکا۔

"اور آج تم لوگ کہہ رہے ہو کہ وہ زندہ ہے۔" اُس نے عادل کو دیکھا۔

"پھر تم چاہتے ہو کہ میں یہاں بیٹھا رہوں؟"

عادل نے دھیمی آواز میں کہا، "میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔" کمال خاموش ہو گیا۔

"بس اتنا چاہتا ہوں۔" عادل کی آواز میں خوف تھا۔ وہ اپنا دوست کھونا نہیں چاہتا تھا۔ ماں کھوئی تھی اب دوست کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"میں تمہیں دوبارہ اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہیں کھو نہیں سکتا، کمال۔" کمال نے نظریں اُٹھائیں۔

عادل کی آنکھیں نم تھیں۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہارے لیے ہمیں کتنی فکر رہی ہے۔ تم ہسپتال میں تھے، تم خود کو سنبھال نہیں پا رہے تھے، اور ادھر شہیر اور جلال۔۔۔" وہ رک گیا۔

"وہ خطرناک لوگ ہیں۔"

کمال نے پوچھا، "انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟" عادل خاموش رہا۔

"میں نے پوچھا ہے، انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"پچھلے چھ سات مہینوں میں وہ کئی مرتبہ مختلف ہسپتال میں جا جا کر تمہارے بارے میں پوچھتے رہے ہیں۔ تمہارا نام کاغذات میں کمال کی جگہ کچھ اور لکھوایا تھا۔ اس وجہ سے وہ تمہیں ڈھونڈ نہیں پائے۔"

"تو مجھے جانے دو زہرہ کے پاس۔ میں اُسے اپنے پاس یہاں لے آؤں گا۔ مجھ سے جتنا بن پڑا میں کرونگا۔ انڈیا سے بھی چلے جائیں گے ہم دونوں۔ نہیں رہیں گے یہاں۔"

عادل نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں جانے نہیں دے سکتا۔۔" عادل نے کمال کی جانب دیکھا او پھر بولا۔

"کیونکہ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تم کہاں ہو، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم زہرہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو، تو تمہیں وہ چھوڑے گے نہیں۔"

کمال نے قدرے بے یقینی سے کہا، "اور تم سمجھتے ہو کہ میں صرف اس ڈر سے زہرہ سے نہیں ملوں گا؟"

"میں چاہتا ہوں تم احتیاط کرو۔"

"احتیاط؟" کمال کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ ایک عجیب سی شدت اُبھری۔

"میں نے اتنی مدت اس کے مرنے کا سوگ منایا ہے، عادل۔ اب جب پتا چلا ہے کہ وہ زندہ ہے تو تم مجھ سے احتیاط کی بات کر رہے ہو؟" عادل خاموش رہا۔ مہک اور شمیم خاموشی سے اُن دونوں کی گفتگو سُنتی رہیں۔

"تم جانتے ہو میں نے کتنی بار اس کا نام لے کر دعا کی؟"

کوئی جواب نہیں آیا۔

"کتنی بار سوچا کہ کاش میں اسے آخری بار دیکھ لیتا۔۔ کاش اس سے ایک بار بات کر لیتا۔۔ کاش اسے بتا دیتا کہ میں نے اسے کبھی چھوڑا نہیں تھا۔" اُس کی آواز لرز رہی تھی۔

"اور اب جب وہ زندہ ہے تو میں کیا کروں؟" کمال نے دونوں ہتھیلیوں میں اپنا منہ چھپا لیا۔

"میں کیسے بیٹھ جاؤں؟"

مہک آہستہ سے اس کے قریب آئی۔

"کمال۔۔۔"

اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور اسے دیکھا۔

"تمہیں مجھ سے کچھ نہیں کہنا میں جانتی ہوں کہ تم ناراض ہو ہم سے۔"

مہک رک گئی۔

"میں جانتی ہوں ہم نے تم غلط کیا۔"

"غلط؟" کمال کی آواز اُسے کسی دور کھائی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ صرف غلطی نہیں تھی مہک۔"

وہ آہستہ سے بولا۔

"تم لوگوں نے میری پوری زندگی کا ایک حصہ مجھ سے چھین لیا۔" مہک کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔

"ہمیں ڈر تھا کہ اگر تمہیں معلوم ہو گیا تو تم زہرہ کے پیچھے چلے جاؤ گے۔"

"اور اگر چلا جاتا تو؟"

مہک خاموش ہو گئی۔

"اگر میں اس کے پاس چلا جاتا تو کیا ہوتا؟"

"تمہاری جان کو خطرہ تھا۔"

"اور اب؟" کمال نے اپنی جانب اشارہ کیا۔

"اب کیا میری جان محفوظ ہے؟" اس کے سوال پر کوئی جواب نہ دے سکا۔

کمال تلخی سے مسکرایا۔

"دیکھ رہے ہو؟" اس نے سب کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ مجھے بچاتے رہے۔۔۔ اور میں ہر دن مرتا رہا۔"

کمال کی ماں نے روتے ہوئے کہا، "بیٹا، ہم نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا۔"

کمال نے فوراً ان کی طرف دیکھا۔

"مجھے معلوم ہے ماں۔"

"مجھے معلوم ہے آپ نے میرا برا نہیں چاہا۔"

"لیکن کبھی کبھی کسی کو بچانے کی کوشش میں ہم اسے وہ تکلیف دے دیتے ہیں جس سے وہ ساری عمر نہیں نکل پاتا۔"

شمیم کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی۔"

"اور میں زہرہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔"

کمال نے فوراً جواب دیا۔

"لیکن آپ نے مجھ سے یہ اختیار بھی چھین لیا کہ میں اس کے لیے لڑ سکوں۔" شمیم کی آنکھیں ایک بار پھر جھک گئیں۔

کمرے میں پھر خاموشی پھیل گئی۔

عادل نے کچھ لمحے کمال کو دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے تم مل سکتے ہو زہرہ سے۔ لیکن!" ابھی عادل نے اتنا ہی کہا تھا کہ کمال نے فوراً کہا۔

"لیکن کیا؟"

"لیکن یہ کہ تم ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوئے۔ تم خود سے چل بھی نہیں سکتے۔ تمہاری جسمانی حالت ایسی نہیں کہ تم کسی خطرے کا سامنا کر سکو۔"

عادل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اُسے ابھی بس بات کو سنبھالنا تھا۔

"اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو؟" کمال کی آنکھیں جھک گئیں۔

"میں تمہیں دوبارہ ہسپتال کے بستر پر نہیں دیکھنا چاہتا، کمال۔" وہ کچھ لمحے رکا۔

"اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ زہرہ تمہیں دوبارہ کھو دے۔"

کمال نے چونک کر عادل کی طرف دیکھا۔ یہ جملہ جیسے سیدھا اس کے دل میں اترا تھا۔

"زہرہ مجھے دوبارہ کھو دے؟"

"ہاں۔"

عادل نے آہستہ سے کہا۔

"سوچو، اگر تم اس کے پاس جاتے ہوئے شہیر یا جلال کے ہاتھ لگ گئے تو؟"

کمال خاموش ہو گیا۔

"اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو زہرہ کیا کرے گی؟"

اس سوال پر کمال کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

پہلی بار اس کے غصے کے پیچھے ایک لمحے کے لیے خوف دکھائی دیا۔ اپنے لیے نہیں۔ زہرہ کے لیے۔

عادل نے بات جاری رکھی۔

"تم اس سے ملنا چاہتے ہو نا؟" کمال نے آہستہ سے سر ہلایا۔

"تو پھر پہلے زندہ رہو۔"

عادل کی بات سُن کر کمال نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے زہرہ کا چہرہ اُسے نظر آیا۔ ہنستا مسکراتا۔ وہی چہرہ جسے وہ مدتوں سے صرف یادوں میں دیکھتا آیا تھا۔

"اگر میں زندہ رہا۔۔۔"

وہ دھیرے سے بولا۔

"تو کیا ضمانت ہے کہ وہ بھی میرے انتظار میں ہو گی؟"

مہک نے فوراً کہا، "کمال۔۔۔"

"نہیں، مہک۔" اُس نے ایک بار پھر اپنا ہاتھ بلند کیا۔ "تم سے مجھے کوئی اُمید نہیں ہے۔" اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے کچھ لمحے بعد اپنی آنکھیں کھولیں۔

"میں یہ نہیں جانتا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہے۔ شاید وہ مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ شاید اسے لگتا ہو کہ میں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ شاید وہ سمجھتی ہو کہ میں نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا۔" اُس کی آواز میں بے بسی تھی۔

"لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ مجھے اسے دیکھنا ہے۔" عادل نے سر ہلایا۔

"دیکھو گے۔" کمال نے عادل کی طرف دیکھا۔

"لیکن صحیح وقت پر۔"

"کتنا صحیح وقت، عادل؟"

"جتنا وقت تمہیں محفوظ طریقے سے وہاں تک پہنچنے کے لیے چاہیے۔"

کمال نے کچھ نہیں کہا۔ تو عادل نے مزید کہا۔

"ہم جذبات میں آکر ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے جس سے تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے۔"

"میں جذبات میں نہیں ہوں عادل۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"میں اس شخص کے پاس جانا چاہ رہا ہوں جسے میں نے اپنی زندگی سے بھی زیادہ چاہا ہے۔"

عادل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کمال نے ہاتھ نہیں چھڑایا۔

"لیکن ایک وعدہ کرو۔"

"کیا؟"

"تم اپنی جان خطرے میں ڈال کر اکیلے نہیں جاؤ گے۔" کمال نے جواب نہیں دیا۔

"کمال۔" کمال ہنوز خاموش رہا۔

"وعدہ کرو۔"

کچھ دیر بعد کمال نے بہت دھیرے سے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے۔"

عادل نے سکون کی سانس لی۔ مگر کمال کی اگلی بات نے اس سکون کو پھر بے چین کر دیا۔

"لیکن ایک بات تم بھی یاد رکھنا۔" عادل نے اُسے دیکھا۔

"اب مجھے زہرہ سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

عادل نے کچھ کہنا چاہا، مگر کمال نے بات مکمل کی۔

"نہ شہیر۔۔۔ نہ جلال۔۔۔ نہ کوئی اور۔ اور نہ ہی آپ سب۔"

اس کی آواز میں اب پہلے جیسی کمزوری نہیں تھی۔

"میں اس تک جاؤں گا۔" اُس نے اپنی آنکھیں قرب سے میچیں۔

"بس اس بار۔۔۔" اس کی پلکوں سے ایک آنسو پھسل کر گال پر آ گیا۔

"اس بار میں اسے دوبارہ کھونا نہیں چاہتا۔"

ماں نے دور کھڑے کھڑے اپنے آنسو پونچھے۔

مہک نے نظریں جھکا لیں۔

اور عادل نے پہلی بار محسوس کیا کہ کمال کی یہ ضد شاید صرف محبت کی ضد نہیں تھی۔

یہ اس شخص کی آخری امید تھی جسے سب نے بچانے کی کوشش میں زندگی سے ہی دور کر دیا تھا۔

اب اسے زہرہ تک پہنچنا تھا۔ مگر اس بار صرف اپنے دل کے سہارے نہیں۔ اپنی جان بچا کر۔

اگلے دو ماہ کمال نے اپنی صحت یابی میں لگا دیے تھے۔

یہ دو ماہ اس کے لیے صرف جسمانی صحت یابی کے نہیں تھے، بلکہ خود کو دوبارہ زندگی کے قابل بنانے کے بھی تھے۔ جسم آہستہ آہستہ سنبھل رہا تھا، قدموں میں پہلے سے کچھ طاقت آ گئی تھی، وہیل چیئر اب ہر وقت اس کے ساتھ نہیں رہتی تھی اور نرسنگ بھی پہلے کی نسبت کم کر دی گئی تھی۔

مگر اس کے دل میں ایک چیز پہلے جیسی ہی تھی۔

زہرہ۔

وہ جتنی شدت سے پہلے اسے یاد کرتا تھا، اب اس شدت سے کہیں زیادہ کرتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے وہ اسے ایک گزری ہوئی حقیقت سمجھتا تھا اور اب جانتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔

یہ علم اس کے لیے سکون بھی تھا اور بے قراری بھی۔ کچھ حقیقتوں کو چھپا ہوا ہی رہنا چاہیئے۔

☆☆☆☆☆

دو مہینے بہت تیزی سے گزر گئے۔ 60 دن زہرہ نے اپنے شوہر، بیٹے اور سسرال کے ساتھ گزارے۔ شاید اُسے کمال یاد آیا تھا۔ یا ں شاید نہیں آیا تھا۔ مگر کمال کو وہ ہر وقت یاد تھی۔ اُس کے ذہن سے وہ نکلتی ہی کہاں تھی۔ کمال کے لیے وقت کی رفتار بہت سست تھی۔ گن گن کر اُس نے ایک ایک پل جیا تھا۔

نومبر کے مہینے میں جب فضا میں حد درجہ سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ خاموشی سے بالکونی میں کھڑا ٹھنڈی ہوا کو اپنے وجود میں سمونے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

وہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔ صحیح سلامت بنا کسی دقت اور پریشانی کے۔ نہ جانے وہ کن یادوں میں گم صم کھڑا تھا جب دبے پاؤں کمرے میں عادل داخل ہوا۔

کمال کو اُس کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی بھی باہر موجود سردی کی وجہ سے مرجھائے ہوئے زرد پتوں کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ عادل نے اُس کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلیں۔" کمال نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

"کہاں؟"

"باغرا۔" عادل نے مختصر سا جواب دیا۔

کمال کے چہرے پر ایک دم حیرت ابھری۔

"باغرا؟"

"ہاں۔"

وہ کچھ لمحے عادل کو دیکھتا رہا، پھر جیسے اسے یقین آ گیا ہو۔ اُس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"زہرہ کے بارے میں معلوم ہوا کچھ؟"

عادل نے نہ میں سر ہلا دیا۔ مہک اور شمیم باہر برآمدے میں کھڑی تھیں۔ زمل کو مہک نے اپنے ہاتھوں میں اُٹھا رکھا تھا۔ شدید دھند کی وجہ سے اُس نے زمل کو کمبل میں لپیٹ رکھا تھا۔

"باغرا پہلے ہم محمل سے ملنے جائیں گے۔ پھر زہرہ سے ملاقات ہو جائے گی۔"

کمال نے فوراً پوچھا "محمل ہماری مدد کرے گی زہرہ سے ملنے میں؟"

"شاید۔ اسی لیے تو جا رہے ہیں۔" شمیم اور مہک دروازے میں کھڑی اُن دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ کمال نے کچھ دن گھر میں کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن وقت زخموں کو بھرنے میں ماہر ہے۔ اُس کا زخم بھی بھر گیا تھا۔ اُس کا زخم بھرنے کے لیے ایک ہی چیز اہم تھی کہ زہرہ زندہ ہے۔ اور وہ زندہ تھی۔

وہ اب مہک اور شمیم سے بات کرتا تھا۔ وہ نارمل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ آگے کیا ہو گا۔ تکلیفیں جھیل کے جب انسان سنبھلتا ہے اور دوبارہ اُسی قرب سے گزرتا ہے تو جینا مُحال ہو جاتا ہے۔

"بیٹا رابطے میں رہیئے گا۔ جو بھی ہو بتاتے رہیئے گا۔" کمرے میں داخل ہوتے ہوئے شمیم نے عادل اور کمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی خالہ آپ کو بتاتے رہیں گے۔ آپ فکر نہ کریئے گا اور ہمارے لیے دعا کریئے گا۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے بیٹا۔" عادل کی بات سُن کر شمیم نے کہا اور آگے بڑھ کر کمال کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے اُسے دعائیں دینے لگیں۔

"اللہ وہ کرے جس میں میرے بیٹے کی بھلائی ہو۔ میرے بیٹے کی خوشیاں اُسے مل جائیں۔ کسی چیز کی حسرت اُسے نہ ستائے۔" مہک نے بھی آگے بڑھ کر اُسے گلے سے لگایا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں تیار ہو کر باغرا کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے بھر کمال غیر معمولی طور پر خاموش رہا۔ گاڑی کی کھڑکی سے باہر گزرتے مناظر کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔ کبھی وہ ہلکا سا مسکرا دیتا، کبھی اچانک اس کے چہرے پر اداسی اتر آتی۔ اُسے نومبر کی سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

صبح آٹھ بجے کے قریب وہ گھر سے نکلے تھے۔ اب دوپہر کے دو بج رہے تھے جب وہ باغرا کے قریب پہنچے تھے۔

باغرا کے قریب پہنچ کر عادل نے گاڑی قدرے سنسان راستے پر روک دی۔

"تم یہیں رہو۔" کمال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔"

"عادل۔" عادل نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

"ہاں؟"

"اس کے بارے میں۔۔۔ جو بھی پتا چلے، مجھے سب بتانا۔"

عادل نے مسکرا کر کہا، "سب بتاؤں گا۔"

وہ گاڑی سے اتر گیا۔ کمال اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

ادھر عادل محمل کے گھر پہنچا تو دروازے پر اسے دیکھ کر محمل ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئی۔

"آپ؟"

"ہاں۔ اگر وقت ہو تو تھوڑی دیر بات کرنی تھی۔"

محمل نے فوراً ادھر ادھر دیکھا گلی میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر دروازے سے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

قسمت سے اس وقت محمل کی امی گھر پر نہیں تھیں۔

"آجائیں۔"

عادل اندر آیا تو محمل نے اسے بیٹھنے کے لیے جگہ دی۔ مگر اس کے چہرے پر واضح احتیاط تھی۔

عادل نے محسوس کر لیا تھا۔

"فکر نہ کرو، میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا۔"

محمل نے آہستہ سے کہا، "بات کیا ہے؟" عادل نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

"مجھے زہرہ کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔" زہرہ کا نام سُن کر محمل کا انداز بدلا تھا۔ چہرے کے اعصاب پر فوراً سے سختی در آئی۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"زہرہ کے بارے میں؟"

"ہاں۔"

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں ہوا۔" عادل نے وضاحت کرنا چاہی۔

"بس ایک ضروری بات ہے۔" محمل نے اُس کی بات سُن کر کچھ لمحے خود پر خاموشی طاری رکھی۔ پھر بولی۔

"وہ تو اب باغرا میں نہیں رہتی۔"

"کہاں رہتی ہے اگر یہاں نہیں رہتی تو؟۔" اتنا پوچھ کر عادل نے جواب کا انتظار کیا۔ جب جواب نہ ملا تو وہ پھر سے بولا۔

"کیا وہ باغرا آتی ہے؟" محمل نے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر بولی۔

"ہاں، آتی ہے۔"

عادل کی آنکھوں میں امید ابھری۔

"کب؟"

"ہر مہینے کے آخری ہفتے میں ایک بار۔"

"کس دن؟" عادل نے فٹ سے پوچھا۔

"یہ طے نہیں ہوتا۔ کبھی ایک دن پہلے، کبھی دوسرے دن۔ مگر آخری ہفتے میں ضرور آتی ہے۔"

عادل نے چند لمحے سوچا۔ پھر بولا۔

"اس سے ملنا ہے۔" محمل نے فوراً اُسے دیکھا۔

"آپ کو؟" عادل ہلکا سا مسکرایا۔

"نہیں۔" وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ بولا۔

"کمال کو۔" محمل کے چہرے پر حیرت اُبھری۔

"کمال؟"

عادل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مگر کمال تو مر چکا ہے؟ وہ کیسے زہرہ سے مل سکتا ہے؟" محمل نے تعجب سے پوچھا۔

عادل نے بھی اُسی حیرانگی سے محمل کی جانب دیکھا۔

"یہ کس نے بتایا کہ کمال۔۔؟" اگلے الفاظ بھی اُس سے ادا نہیں ہوئے تھے۔

"شہیر راجپوت نے۔ اُس رات جرگے میں بتایا تھا جس رات۔" محمل نے بھی عادل کی طرح بات درمیان میں چھوڑ دی۔

"ہم سب کے ساتھ زہرہ نے بھی اس بات پر یقین کر لیا تھا اور اُسی دن زہرہ کی شادی ہو گئی تھی، عادل۔" محمل نے عادل پر ایک اور بم پھوڑا تھا۔

"کس سے؟ جلال سے؟" عادل نے پوچھنا چاہا۔ محمل نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ پاس کر کے یہ کوئی گاؤں ہے۔ ذرا دور ہے یہاں سے۔ مجھے نام یاد نہیں۔ وہاں کے کسی سفید پوش گھرانے میں اُس کا بیاہ رچا دیا تھا اُس کے چچا نے۔" محمل افسوس سے اُسے بتا رہی تھی۔

"کمال زہرہ سے ملنا چاہتا ہے۔"

محمل کچھ لمحوں تک خاموش بیٹھی رہی۔

"کمال۔۔۔ ٹھیک ہے؟"

عادل نے آہستہ سے کہا، "اب پہلے سے بہتر ہے۔"

محمل نے سکون کی سانس لی۔

"الحمدللہ۔"

پھر اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

"لیکن آپ جانتے ہیں نا۔۔۔ زہرہ سے اس طرح کسی مرد کا ملنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"میں اسی لیے احتیاط سے آیا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو کوئی غلط تاثر ملے۔ نہ زہرہ کے بارے میں، نہ کمال کے بارے میں۔"

"آپ جانتے ہیں نا کہ زہرہ کی شادی ہو چکی ہے۔" محمل کی بات سُن کر عادل نے ایک لمبا سانس اندر کو کھینچا۔

"میں تو اب جانتا ہوں لیکن کمال نہیں جانتا۔ اور میں چاہتا بھی نہیں ہوں کہ اُسے معلوم ہو۔ وہ زہرہ سے ملے اُسے خود حقیقت معلوم ہو یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ ہماری بات سُن کر وہ کچھ بھی نہیں سمجھے گا۔ ایک سال میں اتنا تو میں اُسے پہچان گیا ہوں۔"

محمل نے پہلی بار قدرے اطمینان سے اسے دیکھا۔

"تو پھر؟"

"کوئی ایسی جگہ بتاؤ جہاں بات بھی ہو سکے اور اسے کسی مشکل کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے۔" محمل نے کچھ دیر سوچا۔

پھر اسے ایک جگہ یاد آئی۔

"گاؤں سے باہر ایک پرانا برگد کا پیڑ ہے۔" عادل اُس کی بات غور سے سُن رہا تھا۔

"وہاں عام طور پر کوئی نہیں جاتا۔ جگہ گاؤں سے کچھ باہر ہے اور پرانی پگڈنڈی کے پاس ہے۔"

وہ ایک لمحے کو رکی۔

"زہرہ کبھی کبھی وہاں بیٹھنے چلی جاتی تھی۔"

"کمال سے ملنے۔۔۔!میں واقف ہوں اُس جگہ سے۔۔"عادل نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا وہاں وہ اکیلی آسکتی ہے؟"عادل نے سوال کیا تھا۔

محمل نے فوراً کہا، "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اکیلی آئی تو سوال اُٹھیں گے۔"

عادل نے سر ہلایا۔ محمل نے مزید کہا۔

"اگر آپ لوگ واقعی اس سے ملنا چاہتے ہیں تو میں وہاں موجود رہوں گی زہرہ کے ساتھ۔"

عادل نے اسے دیکھا۔

"تم؟"

"ہاں۔"

"اس سے کم از کم یہ ہو گا کہ کسی کو کوئی غلط بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ زہرہ بھی اکیلی نہیں ہو گی، اور آپ لوگ بھی اطمینان سے بات کر سکیں گے۔"عادل نے گہری سانس لی۔

"یہ بہتر ہے۔"

"لیکن ایک بات ہے۔"

"کیا؟"

"آپ کمال کو فوراً اس کے سامنے نہ لے جائیں۔"عادل کو محمل کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

"کیوں؟"

محمل نے دھیرے سے کہا۔

"پہلے مجھے زہرہ سے بات کرنے دیں۔ میں اسے بتاؤں گی کہ کوئی اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اگر وہ راضی ہوئی تو ہی کمال اس کے سامنے جائے۔"عادل سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اُس نے سر ہاں میں ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔"

محمل نے قدرے اطمینان سے کہا، "یہ بہتر ہو گا۔ زہرہ کو بھی اچانک کمال کے سامنے نہیں لایا جا سکتا۔"

عادل نے پوچھا۔ "تو پھر؟"

"مہینے کے آخری ہفتے میں آپ باغ آجائیں۔"

وہ کچھ لمحے رکی۔ "آپ سیدھا وہیں جایئے گا میرے گھر مت آیئے گا کسی نے آپ کو دیکھ لیا تو مسئلے بن جائیں گے۔۔"

اتنا کہہ کر وہ عادل کے جواب کی منتظر تھی مگر عادل نے کچھ نہیں کہا تو وہ پھر سے بولی۔

"اگر برگد کے پیڑ کے پاس میں آپ کو اکیلی مل جاؤں تو سمجھیئے گا کہ زہرہ نہیں آنا چاہتی۔ اور اگر زہرہ بھی میرے ساتھ ہوئی تو آپ کمال کو بھی اُسی لمحے وہاں زہرہ کے سامنے لا سکتے ہیں۔"

عادل نے اُس کی باتیں سُن کر کہا، "لیکن اگر وہ نہ مانی؟"

محمل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تو پھر کمال کو اس کی مرضی کا احترام کرنا ہوگا۔" عادل نے فوراً سر ہلایا۔

"بالکل۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"محمل، شکریہ۔"

"ایک بات اور۔"

عادل رک گیا۔ محمل کی بات سُن کر وہ پلٹا۔

"کمال کو امید ضرور دینا، لیکن ایسی امید نہیں کہ اسے لگے زہرہ سے ملنا یقینی ہے۔"

عادل نے اس کی بات سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"سمجھ گیا۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

محمل نے ایک بار پھر کہا۔

"اور عادل۔۔۔"

وہ پھر سے پلٹا۔

"جی؟"

"زہرہ نے بہت کچھ برداشت کیا ہے۔ اگر وہ کمال سے ملنے کے لیے تیار نہ ہو تو کمال کو سمجھا لینا۔ پھر بھی نہ سمجھے تو مجھے بتایئے گا میں اُسے سمجھانے کی کوشش کرونگی۔ انسان جس سے محبت کرتا ہو اُسے آزاد چھوڑ دینا چاہیے۔ محبت قید نہیں مانگتی۔"

عادل نے چند لمحے اسے دیکھا۔

"ہم زہرہ کے ہر فیصلے کی دل سے عزت کریں گے آپ فکر مت کریئے۔"

پھر وہ باہر نکل گیا۔ اُسے وہاں رُکنا اب مناسب نہیں لگا تھا۔

جب عادل گاڑی کے قریب پہنچا تو کمال پہلے ہی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ عادل کے بیٹھتے ہی سیدھا ہو گیا۔

"کیا کہا محمل نے؟" عادل نے سیٹ بیلٹ پہنی اور انجن اسٹارٹ کیا۔

"زہرہ ہر مہینے کے آخری ہفتے میں باغ آتی ہے۔" کمال کی آنکھوں میں ایک اُمید کی کرن جاگی تھی۔

"مگر وہ باغ ا کیوں نہیں رہتی؟" کمال نے سوال کیا تھا۔

"جس دن تم اُسے ملو گے اُس سے خود پوچھ لینا۔"

"کہاں ملے گی وہ مجھے؟" عادل نے اُس کی طرف دیکھا اور فوراً سے اپنی آنکھیں سڑک پر جما لیں۔

"گاؤں سے باہر ایک پرانے برگد کے درخت کے نیچے۔" کمال کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

" محمل بھی وہاں ہو گی۔ پہلے وہ زہرہ سے بات کرے گی۔ اگر زہرہ تم سے ملنے کے لیے راضی ہوئی تو ہی ہم تمہیں اس کے سامنے لے جائیں گے۔" کمال نے کچھ دیر نظریں جھکائے رکھیں۔ پھر آہستہ سے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔"

اس کے چہرے پر اس بار بے قراری کے ساتھ ایک عجیب سا اطمینان بھی تھا۔ اُسے اُمید تھی زہرہ اُس سے ملنے سے انکار نہیں کرے گی۔

اور کم از کم اب اسے یہ بھی معلوم تھا کہ زہرہ کہاں مل سکتی ہے۔ عادل نے گاڑی واپس گھر کی طرف موڑ دی۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

"تو ہم اگلے ہفتے جائیں گے۔"

"اگلے ہفتے۔۔۔" کمال نے ونڈو سے باہر سڑک کو دیکھتے ہوئے زیرِ لب دہرایا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

صرف سات دن۔

سات دن بعد وہ اس عورت کے سامنے ہو گا، جس کے لیے اس نے اپنی زندگی کے کتنے ہی دن آنسوؤں میں گزار دیے تھے۔ مگر اس بار اسے صرف زہرہ سے ملنے کی جلدی نہیں تھی۔ اُسے بس اُس کے ٹھیک ہونے سے غرض تھی۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ زہرہ کی مرضی کے بغیر وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھے گا۔

کیونکہ محبت صرف کسی تک پہنچنے کا نام نہیں تھی۔

کبھی کبھی محبت یہ بھی ہوتی ہے کہ سامنے والے کے خوف، عزت اور اختیار کا بھی اتنا ہی خیال رکھا جائے جتنا اپنے دل کا۔

سات دن گزر گئے تھے۔ کمال کے لیے یہ سات دن شاید سات برسوں سے بھی زیادہ طویل تھے۔

وہ جانتا تھا کہ زہرہ ہر مہینے کے آخری ہفتے میں ایک بار باغرا آتی ہے۔ محمل نے اسے یہی بتایا تھا، اور اسی ایک امید کے سہارے وہ ان دنوں کو گن رہا تھا۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے دل کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ اسے زہرہ سے ملنے کی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔

وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ زہرہ کی اپنی ایک زندگی ہے، اپنا گھر ہے، اس کا شوہر ہے اور اب اس کا ایک دو ماہ کا بچہ بھی ہے۔

اگر اُسے یہ سب معلوم بھی ہوتا تو دل کہاں کسی منطق کو مانتا ہے؟ وہ تو بس ایک ہی بات جانتا تھا۔

زہرہ زندہ ہے۔

اور وہ اسے ایک بار اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔

صرف ایک بار۔

یہ یقین کرنے کے لیے کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا۔

ساتویں دن سے ایک دن پہلے عادل کمال کو لے کر باغرا کے قریب موجود ایک چھوٹے سے ہوٹل میں آ گیا۔

ہوٹل زیادہ بڑا نہیں تھا۔

سڑک سے ذرا ہٹ کر بنا ہوا ایک پرانا سا دو منزلہ مکان تھا، جس کے باہر چند پودے رکھے تھے اور سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ شام کے وقت وہاں کبھی کبھار مسافر بیٹھے نظر آتے تھے، مگر اس وقت جگہ تقریباً خالی تھی۔

عادل نے کمرے کی چابی میز پر رکھی۔

"یہاں تین دن رہیں گے۔" کمال نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ عجیب ہی الجھن کا وہ اس وقت شکار تھا۔

وہ کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

کھڑکی سے دور باغرا کے کچھ گھر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔ عادل نے اسے غور سے دیکھا۔

"کمال۔"

"ہمم؟"

"کل وہ آئے گی۔"

کمال نے کھڑکی سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

"معلوم ہے۔"

"گھبرائے ہوئے ہو؟"

کمال کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"مجھے لگتا ہے میں سانس لینا بھول جاؤں گا جب اسے سامنے دیکھوں گا۔" عادل کچھ نہ کہہ سکا، کمال نے ایک لمبی سانس لی۔

"ایک سال۔۔۔"

اس کی آواز اچانک دھیمی پڑ گئی۔

"میں نے اسے ہر جگہ ڈھونڈا، عادل۔ کبھی کسی چہرے میں، کبھی کسی آواز میں، کبھی کسی راستے پر۔"

وہ پلٹا۔

"اور اب جب وہ واقعی میرے سامنے ہو گی تو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"کس بات کا؟" کمال نے کچھ دیر خاموشی سے عادل کو دیکھا۔

"کہ شاید وہ مجھے دیکھ کر کچھ محسوس ہی نہ کرے۔" عادل نے آگے بڑھ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تمہیں صرف اس سے ملنا ہے، کمال۔ اس کی زندگی کا فیصلہ نہیں کرنا۔"

کمال نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

"میں جانتا ہوں۔" اس کے بعد کمال نے کچھ نہیں کہا۔

اگلی صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی کمال جاگ گیا۔ رات بھر اُسے ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔

کبھی وہ آنکھیں بند کرتا تو زہرہ کا چہرہ سامنے آ جاتا۔

کبھی اسے وہ دن یاد آتا جب اسے بتایا گیا تھا کہ زہرہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔

کبھی وہ سوچتا کہ اگر آج وہ واقعی اس کے سامنے آ گئی تو وہ کیا کہے گا؟ کیا وہ اس سے سوال کرے گا؟ کیا وہ شکایت کرے گا؟ کیا وہ پوچھے گا کہ تم نے مجھے اتنا کیوں رلایا؟ یا پھر صرف اسے دیکھتا رہے گا؟

اُس سے سوال نہیں کرے گا کہ وہ اُس کے پاس کیوں نہ آئی۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ عادل نے اسے تیار دیکھا تو حیران ہوا۔

"چلیں؟" کمال نے اُسے دیکھا تو ہاں میں سر ہلایا۔

"چلیں۔"

دونوں ہوٹل سے نکلے۔ صبح کی ہوا میں ہلکی سی ٹھنڈک تھی۔ سڑک تقریباً خالی تھی۔ کچھ فاصلے پر کھیتوں میں شبنم کے قطرے دھند سے جمے ہوئے لگ رہے تھے۔

پرندوں کی آوازیں فضا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ جیسے وہ سردی سے ٹھٹھر رہے ہوں۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے اور عادل گاڑی چلاتا ہوا باغرا کی طرف بڑھتا گیا۔ کمال کی نظریں باہر تھیں۔ ہر موڑ پر اسے یوں لگتا جیسے شاید اگلے ہی لمحے زہرہ نظر آ جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ گاؤں سے کچھ فاصلے پر موجود اس برگد کے درخت کے پاس پہنچے۔

یہ وہی جگہ تھی جس کے بارے میں محمل نے بتایا تھا۔ جہاں وہ اور زہرہ ملا کرتے تھے۔ باغرا سے باہر، جہاں عام طور پر کوئی آتا جاتا نہیں تھا۔ برگد بہت پرانا تھا۔ اس کا موٹا تنا زمین میں گہرا اترا ہوا تھا۔

بڑی بڑی شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور ان پر گھنے سبز پتے ہوا کے ساتھ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔

کچھ جڑیں زمین سے نکل کر دوبارہ مٹی میں اتر گئی تھیں۔

درخت کے نیچے خشک پتوں کی تہہ بچھی تھی۔ ہوا چلتی تو وہ پتے سرسرانے لگتے۔ دور کہیں کھیت تھے۔ ان کے پار باغرا کے گھر۔ اور یہاں۔۔۔ صرف خاموشی۔ کمال نے اسی جگہ کو دیکھا۔

"یہاں؟" عادل نے سر ہلایا۔

"ہاں۔" کمال برگد کے پیڑ کے نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ زمین پر اوس کی بوندیں تھیں۔ لیکن اُسے اس سے فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ برگد کے پیڑ کے نیچے بیٹھے بیٹھے ہی اس نے راستے کی طرف دیکھا۔

"وہ اسی طرف سے آئے گی؟"

"شاید۔"

"شاید؟" عادل اُس کی بات سُن کر ہلکا سا مسکرایا۔

"باغرا میں راستے بہت ہیں۔" کمال نے بھی مسکرانے کی ناکام کوشش کی مگر اس کی آنکھیں پھر بھی اسی راستے پر جمی تھیں۔ اسی دن زہرہ بھی باغرا پہنچ چکی تھی۔ وہ شاہد اور شہزاد کے ساتھ آئی تھی۔

اس بار وہ صرف چند گھنٹوں کے لیے نہیں آئی تھی۔ اس بار وہ ایک رات کے لیے باغرا آئی تھی۔

گاڑی جیسے ہی باغرا کی حدود میں داخل ہوئی، زہرہ نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ صبح کے دس بجے ہی وہ گاؤں میں داخل ہوئی تھی۔

اس کے دل میں عجیب سا سکون اُتر آیا۔ باغرا کی زمین اُس کے لیے بہت اہم تھی، وہاں اُس کا بچپن گزرا تھا۔ اُس کی یادیں جڑی تھیں۔

وہی مٹی۔ وہی راستے۔ وہی درخت۔ وہی سکون بخش ہوا۔ اپنے میکے کی ہر چیز عزیز ہوتی ہے۔

شہزاد سویا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے وہ ذرا کمبل کے اندر دبکا تھا۔ زہرہ نے اسے مزید اپنے سینے سے لگا لیا۔

اس کے شوہر نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"سو رہا ہے؟"

زہرہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"ہاں۔"

"بہت تھک گیا ہو گا۔"

"رات بھی ٹھیک سے نہیں سویا تھا۔"

اس کے شوہر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو آج اسے اپنی نانی کے پاس خوب آرام کرنے دینا۔"

زہرہ مسکرا دی۔ لال اینٹوں کی حویلی ویسی ہی وجاہت سے کھڑی تھی۔ زہرہ سیدھا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی جہاں رضیہ بیگم اب رہا کرتی تھیں۔ باقی لوگوں سے اُسے ملنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی رضیہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔

"میری بچی۔ اسلام ُعلیکم!"

زہرہ ماں سے لپٹ تو نہ سکی، کیونکہ گود میں شہزاد تھا۔ بس ماں کے کندھے سے اپنا چہرہ لگا دیا۔

"کیسی ہیں آپ ماں؟" رضیہ نے اُس کا ماتھا چوما۔

"اب تو ٹھیک ہوں، تم آ گئی ہو نا۔" پھر انہوں نے شہزاد کو دیکھا۔

"میرا پیارا بیٹا۔۔۔" رضیہ نے محبت سے اُسے اپنے ہاتھوں میں اُٹھایا۔ اُس کے ننھے ننھے ہاتھوں کو چوما۔

"کتنا چھوٹا ہے ابھی۔" زہرہ، اپنی ماں کی بات سُن کر مسکرا دی۔

"دو ماہ کا ہی ہے نا۔ اس لیے چھوٹا ہے۔"

"اللہ اسے سلامت رکھے۔"

"آمین۔"

زہرہ نے شہزاد کو دیکھا تو اس کے دل میں بے اختیار محبت اتر آئی۔ اس ننھے سے وجود نے اس کی زندگی کے بہت سے خالی گوشے بھر دیے تھے۔

دوپہر میں محمل بھی زہرہ سے ملنے آ گئی۔ دروازہ کھلا تو محمل کی نظر سب سے پہلے زہرہ پر پڑی۔

"زہرہ!" زہرہ ہنس دی۔ محمل نے کمرے میں آتے ہی اُسے گلے سے لگا لیا۔

"اتنی خوش ہو؟" زہرہ کی بات سن کر محمل نے ایک بار پھر اُسے زور سے گلے سے لگایا۔

"اوہ۔۔۔" پھر محمل کی نظر بیڈ پر سوئے شہزاد پر پڑی۔ وہ اُس کے قریب آن کر بیٹھ گئی۔

"یہ تو اور بھی چھوٹا ہو گیا ہے!"

زہرہ ہنس پڑی۔

"پہلے سے بڑا ہوا ہے محمل" محمل نے بڑے نرم ہاتھوں سے اُسے اپنی گود میں اُٹھایا جیسے وہ موم کا ہو۔ اُس کے گال پر بوسہ دیا۔ شہزاد ذرا سا ہلا، پھر دوبارہ سو گیا۔

"کتنا پیارا ہے۔" اُس کی بات سُن کر زہرہ مسکرائی۔ محمل نے اُسے ایک نظر دیکھا۔

"تم خوش ہو؟" زہرہ نے اُس کی بات سُن کر اُس کی جانب دیکھا۔

"ہاں۔" محمل سمجھ گئی تھی۔ وہ خوش تھی۔

مگر اس خوشی کے پیچھے کچھ ایسے زخم بھی تھے جنہیں زہرہ نے شاید آج تک پوری طرح بھرا نہیں تھا۔ کچھ درد کبھی نہیں بھرا کرتے بس انسان اُن کے ساتھ جینے کا عادی ہو جاتا ہے۔

محمل جانتی تھی کہ آج اسے کیا کرنا ہے۔ وہ کئی دنوں سے یہ بات اپنے دل میں لیے پھر رہی تھی۔

کمال یہاں تھا۔

عادل یہاں تھا۔

اور اب زہرہ بھی۔

مگر زہرہ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ محمل نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے خود بتائے گی۔ دونوں دوپہر کے وقت صحن کے ایک کونے میں بیٹھی تھیں۔ شہزاد کو شاہد نے سنبھالا ہوا تھا۔

محمل نے زہرہ کو دیکھا جو شہزاد کی جانب متوجہ تھی۔ شہزاد کبھی آنکھیں کھولتا، کبھی بند کر لیتا۔

"زہرہ۔۔۔"

"ہمم؟"

"ایک بات کہوں؟" زہرہ نے اس کی طرف دیکھا۔

محمل کچھ لمحے خاموش رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"کہو۔" اُس نے زہرہ کی گہری سیاہ آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"کمال باغ ابیں ہے۔"

زہرہ کے چہرے پر جیسے اچانک سکتہ طاری ہو گیا۔ اُس نے پلکیں جھپکیں۔

"کیا؟"

"کمال۔" زہرہ کی جیسے سانس رک گئی ہو۔

"وہ۔۔۔ زندہ ہے؟" اُسے اپنا سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

محمل نے سر ہلا دیا۔

"ہاں۔"

"کس نے بتایا اور تمہیں کب پتہ چلا؟"

"پچھلے ہفتے عادل آیا تھا۔ اُسی نے بتایا کہ وہ زندہ ہے۔ اور پچھلے دو دن سے وہ باغرا کے باہر جو مکان ہے اُس میں رہ رہے ہیں۔"

زہرہ کی نظریں جھک گئیں۔ اس کی انگلیاں آپس میں الجھنے لگیں۔ اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں ضبط کرنے کے باوجود تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"وہ یہاں کیوں آیا؟" زہرہ نے روتے ہوئے پوچھا۔

زہرہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک لمحے میں جیسے کئی سال اس کے سامنے گزرے۔

"تم سے ملنے۔" محمل پر سکون انداز میں اُسے جواب دیا۔

کمال کی آواز۔ اس کی آنکھیں۔ وہ وقت جو گزر چکا تھا۔ اور پھر اس نے شاہد اور شہزاد کی طرف دیکھا۔ اس کا دل اور زیادہ الجھ گیا۔ محمل نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔" زہرہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"اگر تم نہیں ملنا چاہتیں تو میں عادل کو کہہ دوں گی کہ وہ کمال کو واپس لے جائے۔"

زہرہ نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" محمل خاموش ہو گئی۔ زہرہ خود اپنے جواب سے چونکی تھی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"میں۔۔۔ میں اس سے ملوں گی محمل۔" محمل نے صرف سر ہلایا۔

"کب؟" زہرہ نے کچھ لمحے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

"آج۔"

دوپہر کا وقت ہو رہا تھا۔ جب محمل زہرہ کو اپنے ساتھ لے کر باغرا سے باہر نکلی۔ زہرہ نے اپنے بیٹے کو ساتھ نہیں لیا۔ شاہد کے پاس شہزاد کو چھوڑ کر وہ کسی سہیلی سے ملنے کے بہانے سے کمال سے ملنے چلی گئی تھی۔ ایک سال بعد وہ اُسے ملنے کے لیے جا رہی تھی۔ آخر وہ کیسے یہ موقع چھوڑ دیتی۔ دونوں ہی ایک سال میں بہت سی تلخیوں کو سہا تھا۔

چلتے چلتے محمل نے زہرہ سے پوچھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" زہرہ نے آہستہ سے سر ہلایا۔ وہ ڈری سہمی سی لگ رہی تھی۔ جلال اور شہیر اس وقت جرگے میں موجود تھے۔ اس وجہ سے وہ کچھ حد تک سکون میں تھی۔

"پتا نہیں۔"

"ڈر لگ رہا ہے؟"

"ہاں۔"

"واپس چلنا ہے تو چلیں۔"

زہرہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"نہیں۔"

محمل نے کچھ بھی کہے بنا اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں خاموشی سے چلتی رہیں۔ باغرا کے راستے پر دوپہر میں بھی دھند اترنے لگی تھی۔ ۔ ۔ ہوا میں مٹی کی خوشبو پہلے سے زیادہ نمایاں تھی۔ دو دن۔ دو دن سے وہ اسی جگہ آ رہا تھا۔ ہر روز۔ صبح سے شام تک۔ عادل اس کے ساتھ تھا۔ مگر آج کچھ مختلف تھا۔ کمال کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔ اس نے ایک بار پھر راستے کی طرف دیکھا۔ دور سے دو عورتیں آتی دکھائی دیں۔

ایک محمل تھی۔

اور دوسری۔۔۔ دوسری زہرہ تھی۔ اُسے وہ آنکھیں بند کر کے پہچان سکتا تھا۔

کمال یک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں جیسے اس کا ساتھ چھوڑنے لگیں۔ عادل نے فوراً اسے تھام لیا۔

"کمال۔۔۔" کمال نے اُس کا جواب نہیں دیا۔ اُس کی آنکھیں بس زہرہ پر تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔

اُس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

اور قدموں میں جیسے جان نہیں تھی۔ جیسے برسوں پرانے زخموں کے ساتھ کھڑے ہونے والے انسان کے اندر ساری سکت ختم ہو جاتی ہے۔

محمل اسے لے کر برگد کے نیچے آ گئی۔ وہاں آکر وہ رک گئی۔ ۔

کچھ لمحوں تک کوئی کچھ نہ بول سکا۔ ہوا سے برگد کے پتے سر سرائے۔

ایک خشک پتا ٹوٹ کر زہرہ کے قدموں کے پاس آ گرا۔ کمال کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ زہرہ کے چہرے کو تکتا رہ گیا۔

وہ زندہ تھی۔

وہ واقعی زندہ تھی۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہی حال زہرہ کا تھا۔ وہ اُسے نم آنکھوں کے ساتھ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

کمال نے بہت آہستہ سے اس کا نام لیا۔

زہرہ کی پلکیں لرزیں۔ اس کے ہونٹ کھلے۔

"کمال ۔۔۔ "

مگر کمال کی آواز نہ نکلی۔ کمال نے دوبارہ کہا۔

"تم۔۔۔ واقعی زہرہ ہو؟" زہرہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

وہ قدم قدم اب اُس کے قریب آ رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔"

کمال نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک آنسو اس کے گال پر پھسل کر کب کا زمین پر گرے پتوں پر جذب ہو گیا اُسے احساس ہی نہیں ہو سکا ۔

محمل خاموش کھڑی تھی۔ عادل نے بھی نظریں جھکا لیں۔ وہ دونوں خاموش تماشائی بنے وہاں کھڑے تھے۔

کمال نے زہرہ کی طرف دیکھا۔

"میں نے تمہیں۔۔۔" اُس کے الفاظ اُس کے حلق میں ہی اٹک گئے۔

"میں نے تمہیں مرا ہوا تصور کیا اتنا عرصہ، زہرہ۔"

زہرہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے سینے میں درد اٹھا تھا۔

"کمال۔۔۔" زہرہ بس اُس کا نام پکار سکی۔

"میں نے ہر دن تمہیں یاد کیا۔" کمال آہستہ سے بولا۔

"اور اتنی دیر بعد پتا چلا کہ۔۔۔ کہ تم زندہ تھیں۔"

زہرہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ بھی کتنے عرصے سے یہ سمجھتی رہی تھی۔

کمال کی نظر اس کے خالی ہاتھوں پر گئی۔ اُن خالی کلائیوں میں چوڑیاں نہیں تھیں۔

"اس نے دھیرے سے پوچھا۔ "تم اب چوڑیاں نہیں پہنتی؟" اُسے اور کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا۔

زہرہ نے سر جھکا لیا۔ اس نے کوئی اور سوال نہیں کیا۔

شاید اس وقت وہ اتنا ہی جاننا چاہتا تھا کہ زہرہ خوش ہے یا نہیں۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔

پھر بہت آہستہ سے بولا۔

"تم ٹھیک ہو زہرہ؟" اُس نے دو قدم آگے کی جانب بڑھائے۔ زہرہ کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

اس سوال کا جواب آسان نہیں تھا۔ وہ کچھ لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"ہاں۔۔۔"

کمال نے نظریں جھکا لیں۔ اس کے چہرے پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

"اچھی بات ہے۔" زہرہ اُسے ہی نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"تم ناراض نہیں ہو؟" کمال نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"ناراض؟" پھر اس کی آنکھوں سے ایک اور آنسو گر گیا۔

"زہرہ سے ناراض ہونے کے لیے مجھے اپنے دل سے زہرہ کی محبت نکالنی ہو گی۔ جو میرے مرنے کے بعد بھی ممکن نہیں ہو سکے گی۔" زہرہ کے دل پر یہ جملہ تیر کی طرح لگا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

"زہرہ تم چلو میرے ساتھ۔ میں تمہیں ہندوستان سے کہیں دور کسی اور ملک میں لے چلوں گا۔ ہم دونوں کہیں اور چلے جائیں گے۔ جہاں یہ سب لوگ نہیں ہونگے۔ جنہوں نے تمہیں مجھے اتنی اذیت دی ہے۔۔" وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس نے زہرہ کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔ زہرہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ کمال کو اُس کے یوں پیچھے ہونے سے دھچکا لگا تھا۔ اُس نے اچھنبے سے زہرہ کو دیکھا۔

زہرہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

کمال نے بے یقینی سے ایک قدم پیچھے لیا۔ کمال کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ ایک سال میں اُس کی محبت اس قدر بدل جائے گی؟ اُس نے ایسا تو نہ سوچا تھا۔ وہ بے یقینی کی ہی سی حالت میں مڑنے لگا تھا۔

زہرہ کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ اس نے بے اختیار کہا۔

"کمال۔۔۔ رکو۔"

کمال رک گیا۔ اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا نہیں تھا۔ وہ پشت کیے کھڑا رہا۔

زہرہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس نے اسے کیوں روکا۔ شاید کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان برسوں بعد بھی ادھورا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"تمہیں بہت کچھ جاننا ہے۔۔۔"

کمال نے اس کی طرف دیکھا۔ برگد کی گھنی چھاؤں میں ایک بار پھر خاموشی اتر آئی۔ محمل نے عادل کی طرف دیکھا۔ دونوں سمجھ گئے تھے۔ یہ ملاقات ختم نہیں ہوئی تھی۔

یہ تو صرف اس کہانی کا وہ دروازہ تھا جو ایک سال کے انتظار کے بعد کھلا تھا۔

اور اس دروازے کے دوسری طرف نہ جانے کتنے راز، کتنے سوال اور کتنے سال ان کا انتظار کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

(ماضی: 1 سال پہلے)

یہ سردیوں کی ایک طویل رات کا منظر تھا۔۔۔ بارہ بج کر چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک اُنیس برس کی لڑکی پاؤں میں جوگرز پہنے گھر کی سیڑھیوں سے چوری چھپے ہاتھوں میں ایک بڑا کالا بیگ اُٹھائے بنا کوئی آواز کیے قدم قدم کرتی نیچے صحن میں اُتری۔۔۔

بہت زوروں سے بارش ہو رہی تھی۔ وہ ٹھنڈ سے کانپنے لگی۔۔ بارش اُسے بھگوتی جا رہی تھی۔۔۔

اُس کے کمر سے نیچے جاتے بال سارے گیلے ہو چکے تھے۔۔

وہ ساری بارش میں بھیگ چکی تھی۔۔

اُس نے گردن گھمائی۔۔

چاروں اطراف کا جائزہ لیا۔۔

کوئی اُسے دیکھ تو نہیں رہا۔۔؟

اُسے کس چیز کا خوف تھا۔۔؟

پکڑے جانے کا۔۔۔؟

اُس کالے بیگ میں کیا تھا۔۔؟

کچھ ضروری جواہرات۔۔؟

یا گھر کا کوئی چوری کیا گیا سامان۔۔؟

وہ سہمی ہوئی اپنا منہ اپنی بڑی سی سفید چادر میں بار بار چھپا رہی تھی۔۔

اُس کی کالی سیاہ آنکھیں رات کی سیاہی میں مزید کالی لگ رہی تھیں۔۔

سفید دودھیا رنگ ٹھنڈ سے نیلاہٹ پکڑ رہا تھا۔ مگر وہ اس سب سے بے نیاز ابھی تک اپنی تمام حسیّات کو ارد گرد کا جائزہ لینے کے لیے استعمال کر رہی تھی۔۔ اُسے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

وہ آخری سیڑھی پر آچکی تھی۔

نیچے لال اینٹوں والا صحن بارش کے پانی سے بھر چکا تھا۔۔

پیر جو اُس نے سفید جوگرز میں قید کیے ہوئے تھے جیسے ہی پانی سے بھرے صحن میں رکھے تو دونوں جوگرز میں پانی بھر گیا۔۔

اُس کے پاؤں بھی گیلے ہو گئے۔۔

بارش اُس گاؤں پر تڑاتڑ برس رہی تھی۔۔

بیگ اُس کی بساط سے زیادہ وزنی تھا۔۔

وہ بہت مضبوطی سے اُسے تھامے ہوئے تھی۔۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ باہری دروازے تک پہنچی۔۔

ایک نظر ساری حویلی پر دوڑائی۔۔

گھر کے مالکین سمیت گھر کے ملازمین بھی اس وقت گہری نیند کی آغوش میں سوئے ہوئے تھے۔ اُس نے اگلے ہی لمحے گردن کو سیدھا کیا کنڈی کھولی اور باہر نکل گئی۔۔

اُس کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر گالوں پر لڑکھا تھا جو بارش کے قطروں میں ہی زائل ہو کر رہ گیا۔۔۔

کیچڑ سے اُس کے پاؤں گندے ہو چکے تھے۔۔۔

اپنی آنکھوں کو چھوٹا کر کے اُس نے ذرا غور سے دیکھا۔

باہر ایک اکیس بائیس سال کا لڑکا کھڑا اُسی کا منتظر تھا۔۔

اُس کے چہرے پر لڑکی کی نسبت زیادہ خوف تھا۔۔

وہ آہستگی سے بھاری بیگ اُٹھائے اُس کے پاس چلتی گئی۔

بارش کی وجہ سے اُس کا پاؤں بار بار پھسل رہا تھا۔۔وہ بار بار گرتے ہوئے بچ رہی تھی۔۔

وہ لڑکا فوراً سے آگے بڑھا۔۔

"اتنے بھاری بیگ میں کیا کچھ ڈال لائی ہیں آپ چھوٹی مالکن۔۔"وہ احتراماً بولا تھا۔۔

"کچھ بھی نہیں۔۔"وہ مارے ڈر و خوف سے کچھ بول نہ پائی۔اُس کے ہونٹ کالے ہو چکے تھے۔ٹھنڈ سے دانت ایک دوسرے پر بج رہے تھے۔۔

"جلدی چلیں کوئی دیکھ نہ لے۔۔"وہ لڑکا اُس کے ہاتھ سے بیگ پکڑے فوراً سے چلنے لگا وہ بھی بنا کچھ کہے اُس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔۔تابعداری سے۔۔بنا کسی سوال جواب کے۔۔

گاؤں سے باہر نکلتے ہی ایک تانگا کھڑا تھا جس کا انتظام پہلے سے ہی کیا گیا تھا۔

لڑکے نے وہ بیگ رکھتے ہی اُس لڑکی کو تانگے پر بٹھایا اور ریلوے اسٹیشن کی جانب گھوڑے کو دوڑا دیا۔۔

وہ دونوں مکمل طور پر بھیگ چکے تھے۔۔

بیس سے پچیّس منٹ بعد وہ دونوں ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تھے۔۔اُس لڑکے نے دو ٹکٹس لیے اور آکر اُس لڑکی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔۔

"یہاں سے شہر جانے میں کتنا وقت لگے گا؟"وہ اُس لڑکے سے بس اتنا ہی پوچھ پائی۔۔

"سات آٹھ گھنٹے لگ جائیں گے مالکن۔۔"وہ احتراماً جواب دیتا بار بار گردن کو آگے کر تا ریل گاڑی کا انتظار کر رہا تھا۔۔

"ایسے دیکھنے سے ٹرین جلدی آجائے گی؟"اتنے سیریس ماحول میں بھی اُسے مذاق سوجھ رہا تھا؟

"نہیں مالکن۔۔"وہ ذرا شرمندہ سا ہوا تھا۔۔

کچھ لمحے بعد وہ دونوں ٹرین پر سوار ہو گئے۔۔

اُسے اب پہلے جتنا خدشہ نہیں رہا تھا۔۔وہ اب خود کو آزاد گردان رہی تھی۔

وہ سکون سے آنکھیں موندیں سوچنے لگی۔۔

ٹرین باغرا کے گاؤں کو دور۔۔۔کہیں بہت پیچھے چھوڑ چکی تھی۔۔

پچھلی تین سالہ زندگی کسی فلم کی طرح اُس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔۔

☆☆☆☆☆

(تین سال پہلے)ماضی:

"زہرہ کہاں ہو؟" آج اتوار کا دن تھا، جب بڑی حویلی کی مالکن اپنی بیٹی کو آوازیں دے رہی تھیں۔۔

"ماں میں بس ابھی آئی۔۔" حویلی کے باغ میں سے کچے آم توڑتے ہوئے وہ حلق پھاڑ کر چلائی، کچی کیریاں کھانے سے رضیہ بیگم نے اُسے منع کیا تھا، مگر وہ باز نہیں آتی تھی۔۔

اُس نے بند مٹھی میں چند کچے آم پکڑ کر اپنی بڑی سی چادر میں چھپائے اور اِدھر اُدھر اپنی نگاہیں دوڑا کر جائزہ لیا کہ کہیں اُس کا یہ عمل کوئی دیکھ تو نہیں رہا، جب اُسے اندازہ ہوا کہ وہاں اُس کے علاوہ تیسرا کوئی موجود نہیں ہے تو اُس نے سُکھ کی سانس لیتے ہوئے اپنے قدم حویلی کی جانب بڑھا دیے۔

اُس نے پیروں میں مہرون چپل اَڑسی ہوئی تھی، گہرے سبز رنگ کا لباس ملبوس کیے، اونچی پونی میں بالوں کو قید کرنے کے باوجود اُس کے بال اُس کی کمر سے نیچے تک جا رہے تھے، وہ تیزی سے حویلی کی اندرونی جانب بڑھ رہی تھی، ہاتھوں میں کچی کیریاں دبائے وہ اپنی ماں کی ڈانٹ سے بھی پریشان تھی۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

رضیہ بیگم اپنے کمرے میں طفیل اورنگزیب کے ساتھ باتوں میں مشغول تھیں، جب زہرہ نے آکر دروازہ بجایا، کم از کم وہ اب ڈانٹ سے تو بچ جائے گی۔ کیونکہ وہاں طفیل اورنگزیب جو تھا۔۔

"ماں میں آجاؤں؟"

وہ عموماً ایسے دروازہ نہیں بجاتی تھی، چونکہ اُس نے کمرے میں بیٹھے طفیل اورنگزیب کو دیکھ لیا تھا اور تہذیباً اُس نے باہر کھڑے رہنا ہی مناسب سمجھا۔۔

"ہاں آؤ زہرہ، دیکھو طفیل کیا لایا ہے۔۔"

رضیہ بیگم ہاتھوں میں بنارسی شال تھامے بیٹھی تھیں، زہرہ نے ناسمجھی میں اپنی ماں کی جانب دیکھا، اُسے حیرت کا جھٹکا تب لگا جب رضیہ بیگم نے اُسے یہ بتایا کہ یہ شال خاص طفیل زہرہ کے لیے ہی لایا ہے۔۔

زہرہ خاموشی سے اپنی ماں کے ساتھ رکھی ہوئی کُرسی پر بیٹھ گئی، رضیہ بیگم نے اُسے وہ شال تھما دی، خاموشی سے اُس نے وہ شال اپنے ایک ہاتھ میں اُٹھائی اور اپنی اُنگلیوں کے پوروں سے اُسے چھونے لگی دوسرے ہاتھ میں آم تھے۔

طفیل اُسے مسلسل گھور رہا تھا، زہرہ کا دل کیا وہ اسی لمحے اس شال کو وہاں پھینک کر اُس کمرے سے بھاگ جائے، پر وہ ایسا نا کر سکی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے وہیں بیٹھنا پڑا۔ اُسے کمرے میں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

"بہت خوبصورت ہے ماں یہ تو۔۔"

اپنی آنکھوں کو نیچے ہی جھکائے ہوئے اُس نے مروتاً کہا، وہ معصوم سی لڑکی وہاں بیٹھنے سے شدید عجیب محسوس کر رہی تھی اور اتنے میں ہی اُس کی یہ مشکل اُس کی دوست محمل نے آکر آسان کر دی۔

"سلام خالہ! زہرہ سے بات کرنی ہے خالہ۔۔"

وہ جلد بازی میں لگ رہی تھی۔ زہرہ نے تشکر بھری نگاہوں سے محمل کو دیکھا، مگر محمل کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

"ہاں ٹھیک ہے، جاؤ زہرہ۔۔"

رضیہ بیگم نے زہرہ کو جانے کے لیے کہا تو وہ آہستہ سے اُٹھی اور شال کو وہیں کُرسی پر رکھتی محمل کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔۔ اتنے سب میں وہاں بیٹھا طفیل اُسے ہی دیکھتا رہا، وہ ابھی بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا جب تک کہ وہ بر آمدہ پار کر کے اُس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔۔

اُس کے جاتے ہی وہ دوبارہ سے رضیہ بیگم کی جانب متوجہ ہو چکا تھا، مگر ذہن ابھی تک زہرہ کی سوچ میں کہیں گم سا تھا۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"یار شکر ہے تو آگئی، تجھے پتہ ہے کہ مجھے کتنا عجیب لگ رہا تھا وہاں بیٹھ کے اُس طفیل کے سامنے، نہ جانے وہ یہاں کیا کرنے آجاتا ہے، آئے روز۔۔"

زہرہ نے منہ بسورے کہا، جیسے اُسے طفیل کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں تھا۔

"خیر بتاؤ تم یہاں کیا کرنے آئی ہو؟" زہرہ نے محمل سے پوچھا۔

"زہرہ کل اسکول میں جو انگلش کا ٹیسٹ ہونا ہے مجھے اُس کی ذرا سمجھ نہیں آرہی، اتنی مشکل لگتی ہے مجھے یہ زبان، ہندی اور ریاضی کی تو سمجھ آتی ہے پر اس انگلش میں تھرڈ فارم، سیکنڈ فارم، پریزنٹ، پاسٹ۔۔" اس سے پہلے کہ وہ ابھی کچھ اور کہتی زہرہ نے اُسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"سانس تو لو کتنا بولتی ہو تم۔۔ کتاب اور کاپی تو اپنی لے کر آئی ہو نا؟" زہرہ نے اُس سے پوچھا۔

"ہاں باہر رکھی ہے برگد کے نیچے، کمرے میں بیٹھ کر مجھ سے نہیں پڑھا جائے گا آجاؤ باہر چل کر پڑھتے ہیں۔۔" محمل نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ماں سے پوچھ لوں میں۔۔؟"

اتنا کہتے ہی وہ اُٹھی اور دوبارہ سے رضیہ بیگم کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ اب کی بار ہاتھ میں پکڑے کچے آم وہ محمل کو تھما چکی تھی۔ محمل نے خوشی خوشی وہ تھام بھی لیے تھے۔

"اگر خالہ نے منع کر دیا تو کیا کرو گی؟" محمل نے اُس سے سوال کیا۔۔

"تو پھر ہم یہیں! میرے کمرے میں بیٹھ کر پڑھیں گے جو بھی محمل طہیر نے پڑھنا ہوا۔۔ ٹھیک ہے؟"

اتنے کہنے کے لیے وہ باہر جاتی جاتی مڑی اور اپنے ہاتھ کے اشارے سے اپنے کمرے میں ہی پڑھائی کرنے کا کہتی وہ باہر نکل گئی، محمل طہیر وہیں کمرے میں اکیلی رہ گئی۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"ماں کیا میں محمل کے ساتھ باہر جا سکتی ہوں پڑھائی کرنے؟"

وہ کمرے کے باہر کھڑی ہو کر ہی پوچھنے لگی۔۔

"ہاں چلی جاؤ مگر جلدی واپس آجانا۔۔"

رضیہ بیگم نے سرسری سا کہا اور دوبارہ سے اپنے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھے طفیل سے محوِ گفتگو ہو گئیں، طفیل نے اُسے دیکھا اور اُس کے جانے تک وہ اُسے ہی دیکھتا رہا، رضیہ بیگم کی باتیں اُس نے اس بار نہیں سنی تھیں۔۔

"چلو محمل ماں نے اجازت دے دی ہے۔۔" وہ جلدی سے اپنا دوپٹہ سر پر ٹکاتی محمل سے کہہ رہی تھی۔۔

"سچ میں؟ خالہ نے تمہیں اجازت کیسے دے دی؟" وہ حیران تھی عموماً تو رضیہ بیگم اُسے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔

"جب وہ اپنے چہیتے طفیل کے ساتھ بیٹھی ہوتی ہیں نا تو اُن کو کچھ پتہ نہیں چلتا، تو میرا باہر جانا کیسے پتہ چلتا؟"

زہرہ نے جیسے طنز کیا تھا، اُسے رضیہ بیگم کا طفیل سے یوں محبت کرنا کبھی پسند نہیں آیا تھا، اور وجہ طفیل کا اُسے بے باک ہو کر تکتے رہنا تھا، اُسے کوفت محسوس ہوتی تھی مگر وہ اپنی ماں کی وجہ سے خاموش ہو جاتی تھی۔

"چلو جلدی۔۔۔ ورنہ ماں کو پھر کوئی کام یاد آجائے گا۔"

زہرہ نے زور سے محمل کے بازو کو کھینچتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب صبر بھی کر لو۔۔" محمل نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا، اور اپنی چادر کی بُکل مارتے ہوئے وہ دونوں اب خوشی سے باہر جانے کے لیے کمرے سے باہر نکل گئیں۔۔

"یار ویسے تمہیں انگریزی کی سمجھ کیسے آجاتی ہے؟ مطلب مجھے تو سمجھ نہیں آتی، عجیب ہی لفظ ہوتے ہیں ایک یاد کرو دوسرا بھول جاتا ہے، دماغ میں کچھ بیٹھتا ہی نہیں ہے۔۔۔" چلتے چلتے جب وہ برآمدے سے باہر نکل رہی تھیں تو محمل نے کہا۔

"آسان ہی ہے بس تم توجہ نہیں دیتی، اگر توجہ دینا شروع کرو تو بہت اچھے نمبرز حاصل کرو گی تم محمل۔۔"

اپنے سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے زہرہ نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"اچھا چلو ابھی کل کے ٹیسٹ کے لیے تو مجھے سمجھاؤ نا پلیز۔" وہ جیسے پڑھائی کے نام سے ہی خار کھا رہی تھی۔
زہرہ اور محمل دونوں آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھیں، کلاس میں جو بھی انگلش کا ٹیسٹ ملتا زہرہ ہی ہمیشہ محمل کو سمجھاتی کیونکہ محمل انگلش میں ذرا کمزور تھی اور ٹیچر کی اُسے سمجھ نہیں آتی تھی۔
وہ دونوں اب برگد کے پیڑ کے نیچے بچھی ہوئی چارپائیوں کے اوپر بیٹھیں اپنے اسکول میں ہونے والے ٹیسٹ کی تیاری کرنے میں مصروف ہو گئیں۔۔

— ✿✿✿✿ —

وہ اپنی ٹانگیں فصلوں کو دیے جانے والے پانی کے نالے میں لٹکائے، خاموشی سے اپنی یادوں میں کھویا ہوا تھا، دُنیا سے بیگانہ ہوا وہ کل ہی باغرا (مظفر نگر کا گاؤں جو کہ انڈیا کے اُتر پردیش میں ہے) پہنچا تھا، اور یہاں آنا اُس کی زندگی بدل دینے والا تھا۔
"کمال کیا سوچ رہے ہو؟"
پیچھے سے آتے عادل نے اُسے یوں خاموشی سے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے پایا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔۔
"کچھ نہیں، بس دل ہار آیا ہوں کل کہیں۔۔"
وہ ذرا سا مسکرایا، اتنا تھوڑا کے عادل کو محسوس بھی نہیں ہوا کے وہ مسکرایا ہو گا۔۔
وہ دسویں جماعت میں پڑھتا تھا، ابھی بس اپنے گھر والوں کے ساتھ عید کرنے اپنے آبائی گاؤں میں آیا تھا۔
"پتہ نہیں یار میں نے اتنا حسین چہرہ کبھی پہلے دیکھا ہی نہیں اور اب اگر دیکھا تو مجھے اُس کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ وہ کون ہے اور کس کی بیٹی ہے؟، نصیب میں اُس کا دیدار ہونا بھی اب ہی لکھا تھا شاید۔"
وہ کسی طلسم میں جکڑا بس کہتا ہی چلا جا رہا تھا۔ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس وہ کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔ بالوں کو وہ نفاست سے کنگھی کیے گھر سے نکلا تھا مگر تھوڑی بہت ہوا سے اُس کے بال کافی حد تک خراب ہو چکے تھے۔
"تجھے معلوم ہے کہ تو نے کسے دیکھا تھا؟" عادل متجسس ہوا۔ وہ اُس کی بات سُن کر تعجب سے اُسے دیکھ رہا تھا۔
"نہیں میں یہی تو نہیں جانتا کہ وہ کون تھی، مگر اُسے دیکھ کر ایسا لگا جیسے میری دُنیا ہے وہ، اور میں اب کل سے اُسے ہی سوچے جا رہا ہوں نہ جانے کیوں ہو رہا ہے ایسا میرے ساتھ۔۔"

وہ اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیر تا خجالت سے بولا۔ بال اُس کے ہاتھ پھیرنے پر اب مزید الجھ گئے۔

"میں نے کبھی کسی لڑکی کو ایسے نہیں دیکھا اور کل اگر بے ساختہ نگاہیں اُس پر اُٹھیں تو میں واپس نیچے کر ہی نہیں پایا، اپنی نظروں کو۔۔"اُسے اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا۔ مگر دل کے ہاتھوں تو بڑے بڑے بھی مجبور ہو جایا کرتے ہیں وہ تو ابھی اس سب میں بڑا کچا تھا۔

"کوئی بات نہیں چار دن کا خمار چڑھتا ہے بعد میں سب کچھ بھول بھال جاتا ہے فکر نہ کر، آجاماں نے تجھے بلایا تھا، بڑی حویلی جانا ہے۔"عادل پانی کے کھال کے پاس کھڑا ہوا اُسے کہہ رہا تھا۔ کمال کے چہرے پر خفگی بھری مسکراہٹ اُبھری تھی۔ جو اگلے ہی لمحے معدوم ہو گئی تھی۔

"خیر سے جانا ہے وہاں؟ میرا دل نہیں کر رہا، تو ہی چلا جا۔"

کمال نے اپنا سر ذرا سا اوپر کر کے اُسے دیکھا۔ عادل نے اپنی چھوٹی آنکھوں کو مزید چھوٹا کیا اور اُسے گھورنے کے انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔۔

"اُٹھ چل، تو نا گیا گھر میرے ساتھ تو ماں آجائے گی اور شاید تیری ماں بھی آجائے، اس لیے بہتر ہے کہ بنا کوئی ڈرامہ لگائے تو اُٹھ اور میرے ساتھ چل، یہ جو عشق معشوقی چڑھی ہے نا تجھے کچھ وقت کے بعد سرد ہو جائے گی اور ایسے لگے گا جیسے یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔۔"عادل جیسے کمال کو اپنے ساتھ لے جانے پر بضد تھا۔۔

"اچھا یار رُک اُٹھتا ہوں۔۔"کمال نفی میں اپنا سر ہلاتے ہوئے اتنا کہتے ہی اپنے پیروں کو جو کہ ٹخنوں سے بھی اوپر تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے ایک جھٹکے سے باہر نکالے اپنا جوتا پہنے اب عادل کے ساتھ چلنے لگا تھا۔۔

وہ دونوں باتیں کرتے کرتے کھیتوں سے باہر نکل رہے تھے، جب اُسے دور ایک برگد کے پیڑ کے نیچے دو لڑکیاں نظر آئیں ،اُس نے فوراً سے اپنی یادداشت میں محفوظ اُس لڑکی کو محسوس کیا، مگر اپنے ہی خیال کی نفی کرتا وہ اب عادل کے ساتھ ساتھ چلتا اپنے گھر کی جانب رواں دواں تھا۔

زہرہ اور محمل پچھلے دو گھنٹوں سے برگد کے درخت کے نیچے بیٹھی پڑھائی کر رہی تھیں۔

"آیا کچھ سمجھ کہ نہیں؟"زہرہ نے محمل سے پوچھا۔

"اتنا مشکل بھی نہیں تھا یہ تو۔۔"محمل نے اپنے دونوں بازوؤں کو آگے کر کے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔۔

"اچھا چلو پھر اب کل ملتے ہیں، اور وہ طفیل بھی چلا ہی گیا ہو گا۔۔"زہرہ نے بیزاری سے کہا۔ اُس کا ذکر آتے ہی زہرہ کے چہرے پر سختی در آئی۔

"تم اُس سے اتنا چڑھتی کیوں ہو؟"محمل نے زہرہ کے عجیب وغریب تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔۔

"یار وہ اتنی عجیب طرح سے مجھے گھورتا ہے مجھے کوفت ہونے لگتی ہے، اُسے تو عقل بھی نہیں ہے کہ لڑکی کو ایسے گھورتے نہیں ہیں۔۔"زہرہ جیسے اپنا غصہ پی رہی تھی۔

"میں نے تو سُنا تھا لڑکیوں کو بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی اُنہیں دیکھتا ہے مطلب ایسے گھورتا ہے!۔۔"محمل نے اپنا نظریہ زہرہ کے سامنے پیش کیا۔ وہ قدرے دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

"اللہ جانے کون سی لڑکیاں ہوتی ہیں جن کو لڑکے گھوریں تو اُن کو اچھا لگتا ہے، ایسی لڑکیاں پھر خود بھی اُن لڑکوں کی طرح ہی ہوتی ہونگی۔۔"زہرہ کو طفیل یاد آتے ہی غصہ آنا شروع ہو جاتا تھا۔

"اچھا اچھا بس، اتنا غصہ! تم مت جایا کرو طفیل کے سامنے، پھر کیسے وہ دیکھ لے گا تمہیں؟" محمل نے اُسے ٹھنڈا کرنے کی غرض سے کہا۔ کافی دیر سارے میں جیسے سناٹا چھا گیا جب زہرہ نے دوبارہ بات شروع کی۔

" مگر ماں مجھے ہمیشہ آواز دے کر کہتی ہیں آجاؤ زہرہ آکر طفیل سے سلام دعا کر لو، جیسے باقی گھر میں اُس جاہل سے سلام دعا کرنے کے لیے کوئی بچتا ہی نہیں۔۔"اُس نے ایک ادا سے اپنے ہاتھ کو فضا میں لہرایا، اور بعد میں غصے سے اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"اچھا اچھا مطلب خالہ کو طفیل پسند ہے تمہارے لیے۔۔" محمل نے تو جیسے اُس کے سر پر ایک الگ ہی بمب پھوڑا تھا۔۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ مجھے وہ ذرا بھی پسند نہیں ہے، اتنی گندی نظر سے دیکھتا ہے میرا تو دل کرتا ہے کوئی اینٹ اُٹھا کر اُس کے سر پر دے ماروں۔۔"زہرہ کے تو جیسے سارے وجود میں یہ سُن کر آگ لگ گئی تھی، اُس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔۔

"اچھا نا چھوڑو اُسے جانے دو، میں نے تو بس ایسے ہی جو ذہن میں آیا کہہ دیا، کیا پتہ اُس کی ماں نہیں ہے اس وجہ سے خالہ اُسے اتنا لاڈ پیار کرتی ہیں۔۔" محمل نے زہرہ کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر کہا۔

"ہاں ایسا ہی ہے۔۔۔"زہرہ نے بہت زور دے کر اپنے جملے کو مکمل کیا۔ جیسے خود کو بھی یقین دلا رہی ہو۔۔

اُن دونوں کی پڑھائی مکمل ہو چکی تھی، اپنی کاپی اور کتاب اُٹھا کر محمل وہیں سے اپنے گھر کی سمت چلی گئی اور زہرہ اپنے آپ کو نارمل کرنے کے بعد اپنے کمرے میں جانے کے لیے گھر میں داخل ہو گئی۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

راجپوتوں کے ڈیرے پر سردار شہریار راجپوت اپنی سربراہی کُرسی کو سنبھالے ہوئے گاؤں کے اہم مسئلے کے لیے جرگوں سے صلاح مشورہ کرنے میں مصروف تھا۔

ساتھ ہی شہیر راجپوت بھی بیٹھا اُس جرگے میں شامل تھا، جو شہریار کا چھوٹا بھائی تھا، برسوں سے اِس خاندان نے گاؤں میں ہونے والے مختلف مسائل کا حل ایسے ہی ایک جگہ پر مل بیٹھ کر تلاش کیا تھا۔ جرگے میں سب سے زیادہ اہمیت سردار شہریار راجپوت کو ہی دی جاتی تھی۔ عمر میں وہ سب سے بڑے تھے۔

دو فریقین کا جائیداد کو لے کر کافی عرصے سے تنازعہ چل رہا تھا جسے آج بلا آخر پنچائیت میں زیرِ بحث لایا گیا، یہ مسئلہ پچھلے تین سال سے چلا آ رہا تھا۔

آج کافی دیر ایک ہی مسئلے پر بحث و مباحثہ کرنے کے بعد وہ ایک ہی بات پر متفق ہوئے اور سردار شہریار راجپوت نے فیصلے کا اعلان کیا اور ایسے ہی وہ پنچائیت اپنے اختتام کو آن پہنچی۔۔

سب باری باری آن سردار سے ملاقات کرتے گئے اور پھر ڈیرہ خالی ہو گیا، تو وہ دونوں بھائی بھی واپسی کی غرض سے ڈیرے سے کوچ کر گئے۔

"بھائی صاحب آج آئیں گھر، حویلی بعد میں چلے جائیے گا۔۔" چلتے چلتے شہیر نے اپنے بڑے بھائی کو مخاطب کیا۔

"ضرور آتا پر ابھی صبح سے گھر سے باہر نکلا ہوا ہوں، آج طفیل نے بھی گھر میں آنا تھا! اور کوئی تھا بھی نہیں رضیہ کے علاوہ جو اُس سے بیٹھ کر چند ایک باتیں کرتا، میں پھر کسی دن ضرور چکر لگاؤں گا۔۔" وہ چلتے چلتے ہی شہیر سے کہنے لگے۔

سفید رنگ کا لباس پہنے، سر پر پگڑی رکھے وہ ہاتھوں کو پیچھے باندھے آہستہ سے چلتے ہوئے بہت بارعب انسان لگ رہے تھے۔

"جیسا آپ کو ٹھیک لگے بھائی صاحب۔۔" شہیر نے بہت مؤدب انداز میں کہا۔ وہ اپنے بھائی کا بہت ادب کرتے تھے۔

آہستہ آہستہ چلتے وہ اب اپنے گھر کے قریب آ چکے تھے، شہیر نے وہیں سے اُن کو خدا حافظ کہا اور گھر کی جانب اپنا رُخ موڑ گئے۔۔ اور شہریار اپنی اُسی وجاہت سے چلتے ہوئے بڑی حویلی کی جانب قدم اُٹھاتے گئے۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"کہاں رہ گئے تھے تم دونوں؟" کمال اور عادل ابھی گھر میں داخل ہی ہوئے تھے کہ کمال کی ماں نے شعلہ بار لہجے میں کمال سے پوچھا۔

"ماں اب کھیتوں میں گیا تھا وہاں سے آنے میں وقت تو لگتا ہے نا؟" معصومیت سے کہتا وہ اپنی پلکیں جھپکتے ہوئے اپنی ماں (شمیم) کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بس ایک یہی حربہ ہے تمہارے پاس اور پھر تمہیں ماں کچھ بھی نہیں کہتیں۔۔" مہک نے تپتے ہوئے انداز سے کہا۔۔

"تمھیں کیا تکلیف ہے میں ماں سے بات کر رہا ہوں نا! درمیان میں مت بولا کرو۔" کمال نے اپنے سے دو سال چھوٹی بہن کو ڈپٹ کر کہا اور دوبارہ سے اپنی ماں کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"چلیں! حویلی میں۔۔" اُس کے سوال کے جواب میں شمیم نے بس اُسے ایک گہری نظر دیکھا اور کمرے میں اپنی چادر اوڑھنے کے لیے چلی گئیں، کچھ لمحے سر کے ہونگے وہ بلکل تیار باہر صحن میں کھڑی ہو کر عادل کی ماں کا انتظار کرنے لگیں۔

"جلدی کرو زاہدہ اور کتنی دیر لگاؤ گی ہم نے واپس بھی آنا ہے۔" وہ اتنا ہی بولیں تھیں کہ زاہدہ اپنی بڑی سی چادر لیے باہر نکل آئی۔ مہک اور عادل بھی خاموشی سے تیار کھڑے تھے، جیسے ہی شمیم باہر آئیں سب نے بڑی حویلی کی طرف رُخ کیا۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"کیسے ہو برخوردار؟" شہریار گھر آ چکے تھے اور طفیل جو کہ ابھی بھی رضیہ بیگم کے کمرے میں ہی بیٹھا نہ جانے کس سوچ میں گم تھا، اُن کے سوال سے چونک کر اُن کو دیکھتے ہی بولا۔

"جی جی خالو میں ٹھیک،، "اتنا کہنے کے بعد اُس نے اُٹھ کر مصافحہ کیا۔"سلام خالو۔"

"وعلیکم سلام! بیٹھو بیٹھو بچے۔۔" شہریار نے بڑی محبت سے اُس کو بیٹھنے کا کہا۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟" شہریار نے طفیل سے دریافت کیا۔ "کچھ خاص تو نہیں بس میں باہر جانے کا سوچ رہا ہوں، کاغذات وغیرہ سب مکمل ہو چکے ہیں بس اب جیسے ہی کوئی خبر ملتی ہے تو تیاری شروع کر دونگا۔۔" وہ اپنی ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پھنسائے بولا۔

"اچھا تو یہاں بس آج تم یہ بتانے آئے ہو؟" شہریار نے جیسے مزید کریدنا چاہا، وہ اُس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ رہے تھے۔۔

"نہیں خالو باتیں تو اور بھی بہت سی ہیں لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں آغاز کہاں سے کروں؟" وہ اب اپنے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے شہریار کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہاں بولو!" باغرا کا سردار اپنے سامنے بیٹھے اٹھارہ سالہ لڑکے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"دراصل خالو میں جانے سے پہلے چاہتا ہوں کہ آپ زہرہ کے ساتھ میری بات۔۔۔" اُس نے جان بوجھ کر اپنے جملے کو ادھورا چھوڑ دیا۔ شہریار خاموشی سے اُسے دیکھ رہے تھے کافی دیر کمرے میں گہری خاموشی چھائی رہی طفیل اپنا سر جھکائے بیٹھا رہا جیسے سردار کی آنکھوں کا رعب اُسے جکڑ رہا ہو، اس سے پہلے کے وہ کچھ بولتے باہر سے اُنہیں شمیم کی آواز آئی۔۔ وہ طفیل سے "ایک منٹ میں ابھی آیا" کہتے ہوئے اُٹھ کر باہر چلے گئے۔۔

"سلام سردار بھائی۔۔" شمیم نے اپنی جگہ سے نہایت ادب سے اُٹھتے ہوئے کہا، شمیم کو اُٹھتا دیکھ کمال اور مہک بھی اپنی اپنی نشست سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔۔

"بیٹھو شمیم! کیسے یاد آ گئی آج ہماری برسوں بعد؟" شہریار حویلی کے داخلی دروازے کے سامنے بنے بڑے سے مہمان کمرے میں رکھی ایک سربراہی کُرسی پر بیٹھتے ہوئے شمیم سے خوش دلی سے پوچھ رہے تھے۔۔ کمال اور عادل نے آگے بڑھ کر سردار کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور اپنی اپنی جگہ پر دوبارہ سے آ کر بیٹھ گئے۔

"بچے بڑے ہو گئے ہیں سردار، میں چاہتی تھی کہ وہ اپنے آبائی گاؤں کے بارے میں بھی جانتے ہوں، کافی وقت سے وہ شہر کی آب و ہوا میں رہ لیے ہیں، اس عید میں نے سوچا کیوں نا ان کو گاؤں لے جاؤں۔" شمیم نے نہایت مؤدب لہجے میں کہا۔۔

"یہ تو بہت اچھا کیا تم نے جو یہاں آ گئی۔۔" سردار کا رعب و دبدبہ اتنا تھا کہ مہک اپنا دم سادھے وہاں خاموشی سے بیٹھی رہی، زاہدہ نے بھی رسماً علیک سلیک کے بعد خاموش رہنا ہی مناسب جانا۔۔

"تو شہر میں تمہارا گزارا کیسے ہوتا ہے؟ سعید کیا کام کرتا ہے وہاں؟؟" سردار نے پوچھا۔

"جی اُن کو وہاں ایک کپڑے کی فیکٹری میں کام ملا تھا اور ابھی حال ہی میں وہ سعودی عرب چلے گئے اور اب میں سلائی کڑھائی کرتی ہوں اور کمال اسکول کے بعد فیکٹری میں کام کرتا ہے جہاں پہلے سعید کیا کرتے تھے، شکر ہے اللہ کا، نظام بہت اچھے سے چل جاتا ہے۔۔" شمیم نے شہریار کے سوال کا جواب بڑی ہی عزت سے دیا۔

"سردار آپ کی بیٹی نہیں دکھ رہی؟ اور رضیہ آپا کہاں ہیں؟" وہ زہرہ اور رضیہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"آپ ابھی تک رضیہ سے نہیں ملے؟" سردار نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں کوئی ملازمہ ہمیں یہاں بٹھا کر اندر چلی گئی۔۔" زاہدہ نے جھٹ سے جواب دیا۔۔ سردار نے ایک نظر زاہدہ کو دیکھا جو کہ پورے گاؤں میں باتونی عورت کے نام سے مشہور تھیں۔ اپنے سر کو بس اثبات میں جنبش دے کر سردار نے گھر کی کسی ملازمہ کو اونچی آواز دی، ملازمہ کسی جن کی مانند فوراً سے حاضر ہو گئی۔

"جاؤ جا کر مالکن کو بلا لاؤ کہو مہمان آئے ہیں، اور ان کے کھانے پینے کا بھی بندوبست کرو۔" ملازمہ جسے یہاں کام کرتے ہوئے دو سے تین برس ہی ہوئے تھے "جی" کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی سردار؟" خاموش بیٹھی شمیم نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"میں تو کوئی تکلف نہیں کر رہا۔۔!" سردار کی بات سُن کر وہ بس نرمی سے مسکرا سکیں، جبکہ وہاں بیٹھی زاہدہ بار بار اُسے کسی نا کسی بارے میں بات کرنے کے لیے کہہ دیتی، چند ثانیے گزرے کے مہمان خانے میں رضیہ بیگم اپنی پوری شان کے ساتھ داخل ہوئیں۔۔اُنہیں آتا دیکھ زاہدہ فوراً سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

شمیم اور مہک بھی اُن سے ملنے کی خاطر اپنی اپنی نشست سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔۔"کیسی ہیں آپ رضیہ باجی؟" کافی خوش اخلاقی سے شمیم نے دریافت کیا۔

"شکر ہے خدا کی ذات کا ایک دم ٹھیک ہوں میں، تمہارا کیسے دل کیا آج ہم سے ملنے کو؟ ہمیں تو لگا شمیم ہمیں بھول بھال گئی ہو گی!" اُن سب سے ملنے کے بعد وہ وہیں سردار شہریار کی کُرسی کی بغل والی کُرسی پر بیٹھ گئیں۔۔

"نہیں نہیں رضیہ باجی بھلا آپ لوگوں کو کیسے بھول سکتی ہوں میں؟ مشکل میں ساتھ دیا ہو جس نے وہ بھلا کبھی بھولتا ہے؟"

شمیم نے مسکراتے ہوئے مشکور نگاہوں سے کہا۔

"بس یہ تو تمہاری محبت ہے شمیم! ورنہ ہم نے اتنا خاص بھی نا کیا تھا کچھ۔۔"

"ہم نے نہیں، ہمارے بڑوں نے!" سردار شہریار کو رضیہ کی بات کی تصحیح کرنا مناسب لگا۔

"اگر سعید کے والد کی وفات کے بعد اباجی نے کوئی مدد کر بھی دی تھی نجمہ خالہ تو وہ ایک سردار ہونے کی حیثیت سے اُن کا فرض تھا، آپ بار بار یہ سب کہہ کر ہمیں شرمندہ مت کیا کریں۔۔یہ تو آپ کا بڑھاپن ہے کہ آپ اتنے برسوں پہلے کی گئی مدد آج تک نہیں بھولے، ورنہ کون یاد رکھتا ہے ایسی باتیں۔۔" سردار نے بڑے نرم سے لہجے میں بولتے ہوئے فوراً سے رضیہ کو مخاطب کیا۔

"رضیہ بیگم! زہرہ کہاں ہے؟ اُسے بلا کر لاؤ آکر مہمانوں سے مل لے وہ بھی، دیکھے اُس کی بچپن کی دوست مہک آئی ہے۔۔" مہک کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اُنہوں نے رضیہ بیگم سے کہا۔

"جی میں بس ابھی بُلا کر لاتی ہوں۔۔" وہ اُٹھتے ہوئے بولیں۔

"اور ملازمہ سے پوچھنا کتنی دیر ہے، مہمانوں کو کچھ لا کر دو۔۔" سردار نے اُن سے کہا تو وہ بس سر اثبات میں ہلا کر وہاں سے چلی گئیں۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"زہرہ اُٹھو، مہمان خانے میں چند مہمان آئے ہیں اور تمہارے بابا تمہیں بلا رہے ہیں، جا کر اُن سے مل لو۔۔" زہرہ کے کمرے میں جاتے ہی رضیہ بیگم نے بولنا شروع کر دیا۔

"اچھاماں میں بس منہ ہاتھ دھولوں۔۔"وہ آدھی نیند میں تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے ذرا جلدی باہر نکل آنا مہمان کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں، مہک بھی آئی ہے۔۔"

"کون مہک؟"زہرہ نے نا سمجھی سے اپنی ماں سے پوچھا۔

"تمہیں یاد نہیں بچپن میں تم دونوں بہت کھیلا کرتی تھیں ایک ساتھ۔۔باہر آؤ گی نا تو دیکھ کر یاد آجائے گا۔"اتنا کہہ کر رضیہ بیگم کمرے سے باہر نکل گئیں اور زہرہ غسل خانے میں منہ ہاتھ دھونے کے لیے چلے گئی۔۔

کافی وقت سے وہ لوگ وہاں بیٹھے شہریار سے باتیں کر رہے تھے، جب شمیم نے کہا۔

"چلیں زاہدا؟ گھر میں کام بھی ہو گا تمہیں؟"

"اتنی جلدی کس بات کی ہے تھوڑی دیر اور انتظار کر لیں۔۔"کمرے میں داخل ہوتی رضیہ نے فوراً سے کہا، اُن کے پیچھے ملازمہ چند برتنوں میں کھانے کے مختلف لوازمات اُٹھائے آرہی تھی، جو اُس نے باری باری سب کو پیش کیے رمضان میں شمیم، عادل اور کمال کے روزے تھے تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔

"انتظار کریں میں نے زہرہ کو بھی بُلایا ہے بس وہ بھی ابھی آتی ہی ہو گی۔۔"رضیہ اتنا بول کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں تو برخوردار کیا کرتے ہو شہر میں تم؟"شہریار نے خاموش بیٹھے کمال سے پوچھا، جو تب سے وہاں کسی مجرم کی طرح قید ہوئے بیٹھا تھا۔۔

"جی بس اسکول کے بعد فیکٹری میں کام کرتا ہوں، اور پھر گھر کے کچھ کام کرنے کے بعد رات میں پڑھائی۔۔"اُس نے مختصراً اپنی روزمرہ کی روٹین بتائی۔ شہریار نے بس سر اثبات میں ہلایا۔۔

"زہرہ کہاں ہے رضیہ ابھی تک آئی نہیں؟"سردار کا دھیان بار بار زہرہ کی طرف جا رہا تھا وہ پہلے تو ایسا نہیں کرتی تھی۔

"آرہی ہے بس منہ ہاتھ دھونے گئی ہے۔"

"ہمیں اب اجازت دیں بھائی، پھر چکر لگا لیں گے ہم، آپ کی محبت و خلوص کا بہت شکریہ۔۔"اتنا کہتے ہی شمیم اپنی جگہ سے اُٹھی اور اُنہیں دیکھ کر مہک اور باقی سب بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔۔

"اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ لیکن خیر اب جب تک یہاں ہو بچوں کو میرے گھر بھیجتی رہنا، رونق لگی رہے گی۔۔"رضیہ نے پیار سے کہتے ہوئے شمیم کو گلے سے لگا لیا۔۔

وہ سب سے مل کر واپسی کے لیے چل پڑے۔۔وہ گھر سے باہر نکل چکے تھے جب پیچھے سے زہرہ نے کسی لڑکے کی پشت کو دیکھا، اُسے یاد آیا کہ یہ تو وہی لڑکا ہے جسے اس نے کل اسکول جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اپنے دوپٹے کو درست کرتے ہوئے وہ بھی دروازے کی جانب بڑھ گئی مگر تب تک وہ لوگ گھر کی دہلیز سے کافی دور جا چکے تھے۔

"اسلام ُعلیکم بابا!"شہریار کے مڑتے ہی زہرہ نے اُنہیں سلام کیا۔
"بیٹا کتنی دیر وہ آپ کا انتظار کرتے رہے ہیں اب آخر کار وہ نکل گئے کہ پتہ نہیں آپ آؤ گی بھی کہ نہیں! ایسے اچھا نہیں لگا مجھے۔"
شہریار نے زہرہ کو دیکھتے ہی گلہ کیا۔
"بابا میری آنکھ لگ گئی تھی، ماں نے اُٹھایا تو منہ ہاتھ دھو کر ابھی آہی رہی تھی۔۔"زہرہ نے صفائی دینا مناسب سمجھا۔
"اچھا چلو کوئی نہیں پھر جب آئیں تب مل لینا۔۔"سردار نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اندر کی جانب چل دیے۔ اُنہیں یاد آیا طفیل نے اُن سے کیا کہا تھا وہ سیدھا اب اُس کے پاس جانے کا ہی ارادہ رکھتے تھے۔۔
رضیہ اور زہرہ باورچی خانے میں شام کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے اُسی طرف چلی گئیں، اور سردار شہریار راجپوت طفیل سے بات کرنے کی خاطر اُس کمرے میں چل دیے جہاں وہ اس وقت بیٹھا تھا۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"کتنی مغروری ہو گی! سردار کی بیٹی اتنی بار کہنے کے باوجود بھی وہ ہم سے ملنے نہیں آئی!"مہک نے جیسے آتے ہی اپنی بھڑاس نکالی۔
"ایسا کچھ بھی نہیں ہے! سنا نہیں وہ سو رہی تھی۔۔"شمیم فوراََ سے زہرہ کی حمایت میں بولیں۔
"ماں وہ آپ کی سگھی بیٹی ہے یا میں؟ ایسے فوراََ سے اُس کے حق کے لیے بولی ہیں نا آپ جیسے وہ بیچاری معصوم ہی بہت ہے۔۔"مہک نے اپنی بڑی چادر جو اُس نے اپنے چاروں طرف کس کر لی تھی اُتار کر ایک طرف رکھی۔
"تو بیٹا تم بھی سوئی ہو تو ہوش میں آنے کے لیے کتنا وقت لیتی ہو! وہ بھی تو بچی ہی ہے تم سے چھوٹی ہے بلکہ۔۔"شمیم نے چارپائی کے اوپر پاؤں کرتے ہوئے کہا۔
"جو بھی ہے، میں گھر میں آئے مہمانوں سے فوراََ ملتی ہوں۔۔"مہک نے آنکھوں کو ایک ادا سے گھمایا اور شمیم کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔
"اچھا! آئی بڑی مہمانوں سے ملنے والی۔ اور جسے تم جانتی بھی نہیں اُس کے بارے ایسے قیاس آرائیاں مت کیا کرو۔۔" کمال کو مہک کی باتیں ناپسندیدہ ہی گزرتی تھیں، بہن بھائی جو ٹھہرے۔۔
"اچھا بھائی تُو اپنا منہ بند رکھ، کسی نے بھی نہیں بلایا تجھے۔۔"مہک نے تنگ کر کہا۔۔
"یہ کیسے بات کر رہی ہو مہک بڑا بھائی ہے تمہارا!"شمیم نے اُسے فوراََ سے ٹوکا۔

"ہاں ماں اسے سمجھائیں کہ بھائیوں سے ایسے بات نہیں کرتے غلط ہوتا ہے، بہنیں تو بھائیوں کے صدقے واری جاتی ہیں اور ایک یہ ہے عزت نام کی کوئی چیز ہی نہیں پتہ اسے۔۔" کمال نے معصومیت سے کہا تھا۔۔ مہک نے تیکھی نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑے کمال کو دیکھا اور فوراً سے چارپائی سے اُٹھ کر پیر پٹختی کمرے میں چلی گئی، وہ بس مسکراتا رہا، ایک خوبصورت سی ہنسی۔۔

وہ سترہ سال کا تھا کچھ وجوہات کے باعث وہ پڑھائی میں دو سال پیچھے رہ گیا تھا داڑھی مونچھ ابھی ہلکی ہلکی سی چہرے پر نمودار ہو رہی تھی، بڑی بڑی پلکوں کی باڑ کے پیچھے اُس کی بھوری آنکھیں بہت پرکشش لگ رہی تھیں، جسے کوئی بھی دیکھتا تو نظریں فوراً جھکا لیتا، اُس کی آنکھوں میں کوئی زیادہ دیر تک دیکھ نہیں پاتا تھا، نجانے کیسی کشش تھی۔

وہ مسکرا رہا تھا، اُسے اپنی بہن کو تنگ کرنے میں بہت مزہ آتا تھا، اپنے گھنے بالوں کو ہاتھ سے سر پر صحیح سے ٹکاتے وہ اپنی ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا، مگر ذہن میں ابھی بھی وہ کل والی لڑکی چل رہی تھی، وہ تو ایسا نہ تھا جو کسی کے سحر میں جکڑا جائے یہ کام تو وہ بچپن سے خود کرتا آیا تھا، مگر نہ جانے اُس لڑکی کی معصومیت تھی یا حیا جو وہ اُسے ابھی تک بھُلا ہی نہیں پایا۔۔

"کیا سوچ رہے ہو کمال؟" شمیم نے پیار سے اُس کے بالوں کو سہلایا اور پوچھا۔

"کچھ نہیں ماں، بس مجھے یہاں آ کر بہت سکون سا محسوس ہو رہا ہے، بہت اچھا لگ رہا ہے۔" کمال نے بنا آنکھیں کھولے کہا۔۔

"بیٹا یہیں پیدا ہو کر اپنے بچپن کے کچھ سال بھی تم نے یہیں گزارے ہیں اس وجہ سے ایسا لگنا بنتا بھی ہے، گاؤں کی فضا میں ویسے بھی ایک سکون ہے۔۔" شمیم نے نہایت مدھم سے لہجے میں کہا جو مشکل سے کمال کی سماعت سے ٹکرایا۔ اتنا سنتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔۔

"ماں مجھے باہر جانا ہے میں عادل کے ساتھ۔ میں افطار سے پہلے پہلے آ جاؤں گا۔۔" اتنا کہتے ہی وہ گھر کے دروازے سے تیزی سے باہر نکل گیا۔۔ شمیم بس ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر دائیں بائیں ہلاتی ہوئی وہیں چارپائی پر کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹ گئیں، زاہدہ باورچی خانے میں کھانے کا بندوبست کرنے میں لگی تھیں۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

وہ کمرے میں داخل ہوئے، طفیل خاموشی سے بیٹھا اُنہی کا انتظار کر رہا تھا، دیوار گیر پردوں سے شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا وہ بڑی گہری نگاہوں سے تکے جا رہا تھا۔

"ہاں طفیل میں نے تمہاری بات کے بارے میں سوچا ہے لیکن۔۔۔!"اُنہوں نے لیکن کے بعد ایک لمبا وقفہ دیا تو طفیل کی بے چینی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اُس نے فوراً سے کہا۔۔

"لیکن کیا خالو؟"

"میں زہرہ کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کہہ سکتا، اور وہ ابھی بہت چھوٹی ہے، جب وہ اپنے اچھے بُرے کو سمجھنے لگے گی اُس دن اُس کا جو بھی جواب ہو گا وہ تمہیں بتا دیا جائے گا لیکن اُس سے پہلے میں نہیں چاہتا کہ وہ اپنے ننھے سے دماغ میں اس طرح کی باتوں کو سوچ کر پریشان ہو۔۔"

اُنہوں نے سانس لینے کے لیے بات کو درمیان میں چھوڑا اور دوبارہ سے بولے، باہر اندھیرا مزید گہرا کالا ہوتا جا رہا تھا۔۔

"ویسے بھی تم ابھی باہر کے ملک جانے کا سوچ رہے ہو وہاں جا کر سیٹل ہونے میں بھی تمہیں وقت لگے گا، تب تک زہرہ کو بھی سمجھ بوجھ آ جائے گی کہ اُس نے کیا کرنا ہے، اس طرح کے کام زور زبردستی سے نہیں ہوا کرتے اور میں اپنی مرضی بھی زہرہ پر مسلط نہیں کرنا چاہتا۔۔"

اتنا کہنے کے بعد وہ بنا طفیل کی کوئی بات سُنے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس کے شانوں کو تھپکتے کمرے سے باہر چلے گئے، مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔۔

طفیل کمرے میں بیٹھا سردار شہریار راجپوت کی باتوں کو بار بار اپنے ذہن میں دُہرا رہا تھا، کم از کم وہ سرے سے ہی انکار کر کے تو نہیں گئے تھے اُسے ایک حد تک سکون محسوس ہوا۔ مغرب کی اذانیں شروع ہونے والی تھیں، وہ اُٹھا اور وضو کی خاطر کمرے سے باہر نکل گیا۔۔

وہ سب دستر خوان سجائے روزہ کھولنے کے لیے ایک ہی جگہ پر بیٹھے تھے، زہرہ افطاری کا سارا سامان میز پر درست کر رہی تھی۔

"تو بیٹا کس ملک جانے کا سوچا ہے تم نے؟" کھانا رکھتی زہرہ کے ہاتھ لمحے بھر کو رُکے، اُس نے سر اُٹھا کر پہلے شہریار کو دیکھا پھر اُن کے سامنے بیٹھے طفیل کو۔۔

"میں سعودی عرب جانے کا سوچ رہا ہوں، جلدی ہی کام ہو جائے گا۔۔"اُس نے نہایت دھیمے سے لہجے میں کہا، اُس کی نظریں اب جھکی ہوئی تھیں وہ زہرہ کو دیکھ نہیں رہا تھا اور یہ بات زہرہ کو بھی معلوم تھی۔۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"آ گئے بیٹا؟ کھانا کھا لیا ہے یا میں لگاؤں کھانا؟" شمیم نے عادل اور کمال کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً سے بولیں۔۔

"جی ماں ہم نے کھانا کھالیا ہے۔۔"کمال نے اتنا کہا اور عادل کی طرف دیکھا اُس نے بھی بس سر اثبات میں ہلایا۔
"اچھا اچھا صحیح۔۔!"وہ اتنا کہہ کر کیچن میں سب کے لیے دودھ گرم کرنے چلی گئیں۔۔
وہ زاہدہ کی دور کی کزن تھیں، یہاں (باغرا) میں شمیم نے ایک وقت گزارا تھا اور اُس گزرے وقت میں زاہدہ اُن کی ایک اچھی دوست بن کر اُن کا مختلف حالات میں ساتھ دیتی تھیں اور شمیم کا بھی کچھ یہی حال تھا، اس وجہ سے شمیم نے دس سال بعد جب دوبارہ یہاں کا رُخ کیا تو زاہدہ نے شمیم کا بہن کی طرح ہی استقبال کیا۔۔
وہ دس سال کے لمبے دورانیے میں ایک دوسرے کو کبھی کبھار عید پر خط لکھ لیا کرتی تھیں مگر ملاقات کا وقت اب ہی لکھا تھا، وہ دونوں کیچن میں کھڑی کاموں کے ساتھ ساتھ باتوں میں بھی مشغول تھیں جب زاہدہ نے شمیم کے پاس ہوتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔
"سردار کی بیٹی تو بہت اچھی ہے۔نہ جانے وہ آج ہم سے ملنے کیوں نہ آئی؟ پکا رضیہ باجی نے منع کیا ہوگا۔۔"ماتھے پر شکنیں ڈالے شمیم نے زاہدہ کی بات سنتے ہی کہا۔۔
"کیوں زاہدہ؟ رضیہ آپا بھلا کیوں منع کریں گی اپنی بیٹی کو؟"شمیم کو یہ بات ہضم نہیں ہوئی تھی۔۔زاہدہ نے دودھ کو چولہے سے اُتارتے ہوئے بس اپنے کندھے اچکا دیے اور دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہوگئیں جیسے کہہ رہی ہوں۔
"مجھے کیا معلوم"شمیم نے بھی اپنا سر جھٹکتے ہوئے اپنا دھیان کام کی جانب مبذول کر لیا۔۔

☆☆☆☆☆☆

"مجھے ویسے لگتا ہے کہ تو جلد ہی پاگل ہو جائے گا، بھلا جب اُس لڑکی کو دیکھ کر اتنا ہی پیار آیا تھا تو اُس کا نام پتا بھی پوچھ لیتا! اب اس پورے گاؤں سے میں کس کس لڑکی کو پوچھوں کے کون اس کمال صاحبزادے سے ٹکرائی تھی، مہربانی فرما کر ان سے مل لے۔۔"
نومبر کے آخری دنوں میں فضا میں سردی واضح محسوس ہو رہی تھی، جب عادل نے رضائی میں بیٹھے بیٹھے کمال سے کہا۔
"یار مجھے تو یہ تھا کہ وہ مجھے کہیں نا کہیں نظر آ جائے گی!"کمال نے بیچارگی سے کہا، کمرے میں چار چارپائیاں پڑی تھیں، دروازے کے بلکل سامنے کمال کھڑا اپنی لیدر کی براؤن کلر کی جیکٹ اُتار رہا تھا۔
"اب نہیں آ رہی نظر تو صبر کر، اور اگر عید گزر جانے کے بعد بھی نظر نہیں آتی تو، تو پھر تیرے نصیب!"عادل نے جیسے شکست تسلیم کر لی تھی۔ جیسے وہ لڑکی کوئی خلائی مخلوق تھی، جیسے وہ اس گاؤں کی کیا اس دُنیا کی بھی نہ تھی جو وہ اب دوبارہ سے اُسے نظر نہیں آنے والی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے یار اچھا اچھا بول، ویسے میں بس چاہتا ہوں کہ مجھے اُس کا نام پتا معلوم ہو جائے باقی کا کام تو پھر ماں اور بابا کریں گے۔۔"جیکٹ اُتار کر اُس نے دیوار پر لگی کنڈی (ہُک) پر لٹکا دی اور فوراً سے اپنی چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔

"ویسے ایسا کیا خاص تھا اُس لڑکی میں جو تو اتنا دیوانہ ہوا جا رہا ہے؟"عادل نے اپنا سر اُس کی جانب گھمایا اور پھر پوچھا۔

"پتہ نہیں بس وہ بہت معصوم تھی۔۔"

"چھوٹی بچی تھی کیا؟"عادل نے فوراً سے کہا۔۔

"پتہ نہیں لیکن اُس کی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں اور اُن آنکھوں میں حیا، اس قدر حسین تھی کہ میں کتنے لمحوں کے لیے اپنی جگہ سے ہل نہیں پایا۔۔"کمال نے بنا ہلے اپنی اُس حالت کو عادل کے سامنے بیان کیا۔۔

"بھائی ابھی تو ہل جا۔۔"عادل نے اُسے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔ کمال نے خاموشی سے اپنی آنکھوں پر اپنا چوڑا بازو رکھا اور پھر سے اُنہی یادوں میں کھو گیا۔

اُسے ایسے دیکھ عادل نے خاموشی سے کمرے کی لائٹ کو کر بجھا دیا اور سونے کے لیے اپنے بستر میں لیٹ کر وہ بھی اپنی آنکھیں موند گیا، مگر کمال کی تو راتوں کی نیند کہیں غائب ہو چکی تھی، وہ ایک لڑکی اُس کے حواسوں پر طاری ہو چکی تھی۔

کیا وجہ تھی؟ وہ نہیں جانتا تھا؟ یہ سب کیوں ہو رہا تھا؟ وہ یہ بھی تو نہیں جانتا تھا۔۔۔

وہ بس اُس لمحے کو جی رہا تھا جب وہ اُس لڑکی سے ٹکرایا تھا، خاموشی سے، انجانے احساس کے ساتھ۔۔

کچی عمر کی محبتیں بڑی پکی ہوتی ہیں، اور وہ ابھی اس بات سے انجان تھا۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

وہ صبح اپنے بستر سے اُٹھی سحری کا وقت تھا، آنکھوں کو ملتے ہوئے اُس نے پیروں میں اپنی مہرون جوتی اَڑسی اور منہ ہاتھ دھونے کے لیے غسل خانے میں چلی گئی، وہ اس وقت بنا دوپٹے کے تھی جب وہ برامدے کے آخر میں بنے غسل خانے سے ایک دم فریش ہو کر نکل رہی تھی، اُسے ہرگز علم نہ تھا کہ اُس کا ٹکراؤ وہاں کھڑے طفیل سے ہو جائے گا۔

"مجھے معاف کر دیجیئے مجھے پتہ نہیں چلا۔۔"اتنا کہتے ہی وہ وہاں سے بھاگ گئی، مگر اتنے سب میں طفیل نے اپنی نظریں نیچے ایسے جھکا کر رکھیں گویا اُس کے لیے زہرہ کو بے پردہ دیکھنا سزائے موت کی خبر لائے گا۔۔

"زہرہ بیٹا آ جاؤ، سحری کر لو۔۔"پرانے وقت کے بنے اُس ڈائننگ روم میں روایتی ٹیبل کے اوپر اس وقت مختلف قسم کے پکوان بنے پڑے تھے، رضیہ سردار شہریار کے ساتھ بیٹھی سحری کر رہی تھیں جب اچانک سے وہاں طفیل نمودار ہوا۔

"آ گئے بیٹا؟ آ جاؤ، آ کر سحری کر لو۔۔" رضیہ نے بہت پیار سے طفیل کو کہا ایسے جیسے ماں اپنے نومولود بچے کو پچکارتی ہے۔۔

"جی خالہ۔۔"

اتنا کہتے ہی وہ ایک کُرسی کھسکا کر بیٹھ گیا، وہ تھالی میں دہی ڈال رہا تھا جب وہاں زہرہ اپنے آپ کو پوری طرح ڈھانپ کر داخل ہوئی۔۔

"آ جاؤ بچے۔" رضیہ نے محبت سے کہا اور اُس کے لیے الگ سے سالن نکالنے لگیں۔

"زہرہ بھی روزے رکھتی ہے؟" طفیل کے اس سوال سے وہاں بیٹھے تینوں افراد نے سر اُٹھا کر طفیل کو ایک ساتھ دیکھا، وہ گھبرا گیا، منہ کی جانب بڑھتا نوالے والا ہاتھ روکے اُس نے اپنی ایک بھنو اُٹھا کر گویا پوچھا کہ "جیسے اُس نے کچھ غلط پوچھ لیا ہو۔۔؟"

"ہاں بیٹا بس پورے مہینے میں کوئی پانچ چھ رکھ لیے ہیں، ابھی چھوٹی ہے اس وجہ سے سارے نہیں رکھ سکتی۔۔"

طفیل نے سر اثبات میں ہلایا جیسے کہہ رہا ہو "اچھا ٹھیک ہے۔۔"

"ویسے خالو آپ کا کیا خیال ہے؟" طفیل نے کھانا کھاتے کھاتے شہریار کو مخاطب کیا۔

"کس سلسلے میں؟" کھانا کھاتے کھاتے ہی اُنہوں نے طفیل کی جانب دیکھا۔۔

"میرے باہر جانے کے حوالے سے۔" طفیل جیسے اُن کی ہر رائے کو اوّل رکھنا چاہتا تھا۔ باہر رمضان کے فضل ہر سو برس رہے تھے، جب شہریار نے کہا۔

"بہت اچھا فیصلہ ہے، مجھے تو بہت اچھا لگا کہ تم اپنے مستقبل کو لے کر سنجیدگی سے سوچ رہے ہو۔ آج کل کی نسل میں یہ رجحان ہی ختم ہوتا جا رہا ہے کہ وہ اپنے آنے والے کل کے لیے آج سے ہی اقدام اُٹھانا شروع کر دیں۔ وہ سرے سے ہی لاپرواہ جو ٹھہرے۔"

شہریار نے اپنی بات مکمل کی تو طفیل نے فخریہ نگاہ زہرہ پر ڈالی، جیسے وہ اُسے پالے گا، جیسے وہ سب اسی کے واسطے تو کر رہا ہو۔ اور وہ سب کچھ اُسی کے لیے ہی تو کر رہا تھا۔۔!

"آپ کو کیا پتہ ہو میں یہ سب زہرہ کے لیے ہی تو کر رہا ہوں، زہرہ ہی میری کل کائنات ہے۔۔" وہ یہ الفاظ شہریار یا رضیہ سے کہہ نا پایا وہ بس اپنے دماغ میں سوچ ہی سکا تھا۔

وہ سب اب خاموشی سے سحری کر رہے تھے، ایک عجب ہی سکون تھا جو اس وقت طفیل کو محسوس ہو رہا تھا، اُس نے یہ سکون عمر بھر کے لیے سحری کے وقت میں خود کے لیے مانگ لیا تھا، اور شاید یہ قبولیت کا وقت تھا۔۔

✿✿✿✿

"تمہیں پتہ ہے! طفیل جلد ہی سعودی عرب جا رہا ہے۔۔" اسکول جاتے ہوئے زہرہ نے اپنی پکی سہیلی محمل کو بتایا۔ کچی سڑک پر چلتی ہوئیں وہ دونوں بڑے آرام آرام سے قدم اُٹھا رہی تھیں کہ کہیں اُن کے پالش کیے گئے بوٹ گندے نہ ہو جائیں۔ سفید رنگ کی وردی میں وہ دونوں دوپٹہ کس کر اپنے ارد گرد لپیٹے ہوئے تھیں۔

"واہ، تم تو بڑی خوش ہو گی؟ آخر کار وہ تمہاری جان چھوڑ کر جا رہا ہے۔" محمل نے کندھے پر لٹکتے ہوئے بستے کو درست کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں تو بہت خوش ہوں، یار کم از کم جب تک وہ یہاں واپس نہیں آئے گا تب تک میری زندگی سکون سے گزرتی رہے گی۔۔" زہرہ نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔۔

کھیتوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی ایک کچی سڑک جس کے دونوں اطراف پر کہیں کہیں ٹالی اور سفیدے کے درخت لگے تھے وہ دونوں چلتی ہوئی جا رہی تھیں، جب وہاں پیدل چلتے ہوئے دوسری طرف سے کمال اپنے دوست عادل کے ساتھ آ رہا تھا، یہ اتفاق تھا یا سوچی سمجھی ہوئی ایک چال کہ وہ اُس لڑکی کو دیکھ پائے جس سے وہ دو دن پہلے اسی سڑک پر ٹکرا گیا تھا۔۔

زہرہ کو یاد تھا، یہ وہی لڑکا تھا، اور کمال کو پچھلے دو دنوں سے وہ بھولی کہاں تھی؟ کیا وہ اب کبھی اُسے بھول پائے گا؟، کمال سے پوچھا جاتا تو یقیناً وہ نہ میں ہی جواب دیتا۔

کچھ چہرے بھولنے کے لیے یاد نہیں کیے جاتے، کچھ صورتیں موت تک آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتیں، نہ جانے زہرہ اُس کے لیے حسین خواب ہو گا یا گلے کا طوق، کون جانے؟

کمال زہرہ کو دیکھ اپنی جگہ پر منجمد ہو چکا تھا۔۔

اُس وقت عادل بھی کمال کے ہمراہ تھا، عادل کو اُس کا یوں کھڑا رہ کر زہرہ (سردار کی بیٹی) کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا سمجھ نہ آیا، پر جیسے ہی وہ اس کی وجہ سمجھا وہ بھی وہاں خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔۔

کتنے ہی لمحے سرک گئے جب محمل اور زہرہ وہاں سے گزر گئیں تو عادل نے اُس خاموشی کو توڑا۔

"سردار شہریار راجپوت کی بیٹی زہرہ راجپوت!" عادل نے دھیمی آواز میں کہا جیسے وہ خود کو بھی یقین دلا رہا تھا کہ اُس کا دوست باغ را کے سردار کی بیٹی کے عشق میں اُس دن سے دیوانہ ہوا جا رہا ہے۔۔

اتنا کہنے کی دیر تھی کمال نے حیرانگی سے عادل کی جانب دیکھا۔۔ عادل نے سر اثبات میں ہلایا جیسے کہہ رہا ہو "ہاں یہ مالک کی ہی بیٹی ہے۔۔"

وہ اُس کا نام سُن کر خوش ہوا تھا، مگر وہ سردار کی بیٹی تھی اس وجہ سے اُس نے عادل سے کچھ بھی نہ کہا۔
اتنی سی بات تھی اور وہ دونوں وہاں مزید ٹھہرے بنا گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔۔

— ✿✿✿✿ —

"تم نے پہلے کبھی اُسے یہاں دیکھا ہے؟" وہ اسکول کے بالکل سامنے تھیں جب زہرہ نے محمل سے پوچھا۔۔ ساتھ چلتی ہوئی محمل نے زہرہ کی طرف اپنا چہرہ کیا اور آنکھ کے اشارے سے ہی پوچھا "کسے؟"
"وہ جو عادل کے ساتھ لڑکا تھا؟" زہرہ نے محمل کی جانب کافی دلچسپی سے دیکھا، جیسے وہ جانتی ہو گی اور وہ واقع ہی جانتی تھی۔
"اچھا وہ کمال!!!!!!!!" محمل نے کمال پر زور دیتے ہوئے کہا۔
زہرہ نے کمال کا نام زیرِ لب دُہرایا، اُسے نام پسند آیا تھا، وہ مسکرائی تھی۔۔
"وہ نا سعید چچا کا بیٹا ہے، اماں نے بتایا تھا مجھے جب سعید چچا کے ابا کی وفات ہوئی تھی نا تو سردار یعنی تمہارے دادا لوگوں نے ان کی بڑی مدد کی تھی، اور۔۔"
"آگے بتا یار یہ ہے کون؟ اتنی لمبی تفصیل نہیں مانگی!" چلتے چلتے زہرہ نے اکتاہٹ سے کہا تھا۔۔
"تمہیں بڑی دلچسپی ہو رہی ہے اس لڑکے میں؟ دیکھنا کہیں عشق وشق میں نہ پڑھ جانا۔۔" محمل نے ایک ادا سے کہا تھا۔
"اوہ یار بکواس نہ کرو، مجھے بس یہ کل پرسوں سے گاؤں میں نظر آرہا ہے؟ پہلے کہاں تھا یہ، میں نے پہلے تو اسے کبھی نہیں دیکھا۔۔" وہ دونوں اب اسکول کے اندر داخل ہو چکی تھیں۔۔
"دس، بارہ سال بعد یہ لوگ واپس گاؤں آئے ہیں، پہلے سعید چچا عید کرنے آتے تھے، اماں بتا رہی تھیں وہ اس بار سعودی عرب چلے گئے ہیں اس وجہ سے اُنہوں نے اپنی بیوی بچوں کو بھیج دیا۔۔" محمل نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا، وہ اب کلاس روم میں پہنچ چکی تھیں۔
"اچھا اچھا۔۔" وہ ڈیسک کے اوپر بستے رکھ کر کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔ کلاس میں اُن کی ٹیچر آچکی تھی۔۔

— ✿✿✿✿ —

"تیرا تو اللہ ہی حافظ ہے، پوری دُنیا میں تجھے بس وہی ایک لڑکی ملی تھی؟" گھر آکر عادل تو جیسے اپنے آپے سے باہر ہو گیا تھا، اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کمال کے اس عمل پر کیا ردِ عمل دے۔

"کیا ہو گیا ہے یار؟ ایسے بی ہیو کیوں کر رہے ہو؟" کمال کو جیسے فرق نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ لڑکی گاؤں کے سردار کی بیٹی ہے۔۔ اور اس کی وجہ صرف اُس کا اپنے باپ (سعید) پر اعتماد تھا۔۔ کیونکہ وہ بیرونِ ملک تھا اب تو پیسوں کی بھی کمی نہیں تھی، انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی۔۔

"تجھے کیا لگتا ہے؟ وہ لڑکی تجھ سے کبھی شادی کے لیے رضامندی ظاہر کرے گی؟ وہ سرداروں کی اکلوتی بیٹی ہے وہ لوگ بھلا ہم جیسوں میں اُس کی شادی کیوں کریں گے؟ آخر وہ لڑکی تجھ سے کیونکر ہی شادی کرے گی؟" عادل کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کے وہ کیسے کمال کو سمجھائے جس راستے پر وہ ہے وہ سوائے دکھوں کے اُسے کچھ نہیں دے گا۔ مگر محبت کی دنیا میں جب قدم ٹھہرنے لگے تو کہاں کچھ سمجھ آتا ہے؟ وہ بھی محبت کی دہلیز پر پہلا قدم رکھ چکا تھا۔۔

"جو ہو گا دیکھا جائے! میں اُسے پسند کرتا ہوں جانے سے پہلے ایک بار تو اُسے ضرور بتاؤں گا کہ میں اُس سے بہت محبت کرنے لگا ہوں آگے جو اُس کی مرضی۔۔" کمال نے بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔۔ عادل کا دل کیا کہ وہ دیوار میں اپنا سر دے مارے۔۔

"اگر یہ بات سردار تک پہنچی نا، تو اس گاؤں میں تیرا آنا جانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا!" عادل نے اُسے سختی سے تنبیہ کی۔۔

"میں نے کہا نا! جو ہو گا دیکھا جائے گا۔۔" کمال اپنی بات پر بضد تھا۔

"کمال دیکھ لے! آگے جا کر تجھے پچھتاوے نہ ہوں کہ تو نے غلطی کر دی۔" عادل بہت سنجیدہ تھا۔

"مجھے اگر زہرہ کی خاطر کوئی پچھتاوا بھی ہوا نا تو میں ہنسی خوشی وہ پچھتاوے کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔۔" وہ یک دم اُٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی کل پرسوں دیکھی لڑکی کے لیے ساری عمر کے پچھتاوے بھی قبول ہیں تمہیں؟" عادل اُس کی بات سُن کر کافی تعجب سے اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ کمال نے بس اپنا سر ہاں میں ہلایا تھا۔

عادل نے اپنا سر دائیں بائیں ہلایا جیسے کہہ رہا ہو "تیرا کچھ نہیں ہو سکتا۔۔"

کالے رنگ کی شلوار قمیض کے اوپر اُس نے ہلکے بھورے رنگ کی جیکٹ پہن رکھی تھی، ہاتھ میں سلور رنگ کی گھڑی جو اُس کے باپ نے سعودی عرب سے بھجوائی تھی اُس کی شخصیت کو مزید نکھار کر پیش کر رہی تھی۔

"اگر مجھ میں کوئی کمی ہوتی تو میں یقیناً پیچھے ہٹ جاتا پر اللہ نے ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان سب کچھ ہی تو صحیح سلامت دیا ہے مجھے! پھر آخر کو وہ کیوں ہی انکار کریں گے۔۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔۔

"چاہے کچھ چیزیں مکمل ہی کیوں نہ ہوں ہر کسی کی نظر میں وہ کامل نہیں ہوتیں، راجپوتوں کی حویلی میں بھی یہی اصول رائج ہے۔"عادل نے اتنا کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔۔

کمال نے خاموشی سے اُسے باہر جاتے دیکھا، وہ اُس کے پیچھے بھی نہیں گیا کیونکہ وہ جانتا تھا عادل فی الحال نہیں رُکے گا۔۔

کمال نے جوتا اُتارا اور بستر پر دراز ہو گیا جیسے آرام اس وقت سب سے زیادہ ضروری ہو اُس کے لیے۔

"کہاں جا رہے ہو؟ خالہ نے کہا تھا کہ عادل سے کہہ کر سودا وغیرہ منگوا لینا وہ گھر نہیں ہیں ساتھ والے گھر گئی ہیں اماں کو لے کر۔۔"مہک نے عادل کو باہر جاتے دیکھا تو فوراً سے اُسے آواز دیتے ہوئے بولی۔۔

عادل نے رکتے ہوئے ایک نظر مہک کو دیکھا اور پھر بے اختیار ہی اُس کی نگاہیں نیچے جھکی تھیں۔ وہ بھی کمال کی بہن تھی۔

"اچھا مجھے بتا دو کیا کیا چاہیے میں لا دیتا ہوں۔۔"مہک نے اُسے دیکھا اور پھر اُسے مختلف چیزیں بتانے لگی۔۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا اُس کی نگاہیں ہنوز نیچے ہی تھیں، وہ بس سُن رہا تھا، اُس کے حافظے میں وہ سب گھس رہا تھا کہ نہیں وہ خود بھی واقف نہیں تھا۔۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"میں تو کہہ رہی ہوں کہ آپ بھائی صاحب سے ابھی ہی زہرہ کا ہاتھ مانگ لیں! بعد میں دیر نہ ہو جائے۔۔"کمرے میں نیم اندھیرا تھا جب مسرت اپنے شوہر شہیر راجپوت سے اپنے بیٹے جلال کے لیے زہرہ کے رشتے کو لے کر بات کر رہی تھیں۔۔

"ابھی تو وہ ذرا چھوٹی ہے۔ میٹرک پاس کر لے پھر ہم بھائی سے بات کرتے ہیں اُمید ہے کہ ہمیں انکار تو نہیں کریں گے بھائی صاحب!"شہیر راجپوت نے پورے اعتماد سے مسرت کو یقین دلایا تھا۔۔

"بعد کو کس نے دیکھا ہے جی؟ میرا دل نہیں مانتا! لڑکی اتنی نیک اور شریف ہے اوپر سے اپنے باپ کی اکلوتی وارث ہے ہمارے بیٹے کو بھلا اور کیا چاہیے؟"مسرت نے شہیر کے ساتھ ایک ہی چارپائی کے اوپر بیٹھتے ہوئے کہا وہ چائے بنا کر لائی تھیں۔۔

"بھائی صاحب کو اللہ نے دس سال بعد اولاد دی تھی! اور وہ پھولے نہیں سما رہے تھے، اُن کی خوشی کا کیا عالم تھا یہ میں اچھے سے جانتا ہوں اُنھوں نے زہرہ کو پڑھایا لکھایا ہے ہر طرح کی آزادی دی ہے! تو وہ ابھی اُس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کریں گے، صحیح وقت آنے دو سب کچھ ہو جائے گا!"شہیر نے ایک نظر مسرت کو دیکھا اور پاس ہی رکھی ہوئی ٹرے میں سے چائے کا کپ اُٹھا کر ایک ایک سپ کر کے چائے اپنے اندر اُنڈیلنے لگے۔۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ کو مناسب لگے! پر یاد رکھیے گا اگر وقت ہاتھ سے نکل بھی گیا تاتب بھی میرا بیٹا ہی اس سب کا اصل وارث ہو گا! بھلا بیٹیاں بھی اگلے گھر باپ کی جائیداد لے کر جاتی ہیں؟" مسرت نے محلے کی دقیانوسی عورتوں کی طرح اپنے شوہر سے کہا۔

"ہاں ہاں! ہمارے ابّا نے وفات سے پہلے سب کچھ بڑے بھائی کے نام کر دیا اور ہمیں دیا تو بس یہ! یہ چند گز کی خالی زمین!" شہیر نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے گھر کی جانب اشارہ کیا، جو کہ اُسی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا جیسے بڑی حویلی کا نقشہ کھنچا ہوا تھا۔

لیکن کہتے ہیں نا اقتدار کی بھوک کبھی نہیں مٹتی شہیر اور مسرت کا بھی یہی حال تھا۔

"ہاں نہیں تو!" اتنا کہہ کر مسرت نے ٹرے میں سے چائے کا کپ اُٹھایا اور عجیب سی آواز نکالتی چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

کمرے میں نیم اندھیرا ہنوز برقرار تھا، جیسے وہ کالے کمرے کا موسم وہاں بیٹھے دو لوگوں کی سیاہ منصوبہ بندیوں کے پیروکار ہو۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

پتھریلے راستے پر چلتے ہوئے قدموں کے نیچے ہلکی سی چرچراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ دونوں طرف گلاب اور گیندے کے پھول جھوم رہے تھے، اور بیچ میں ایک فوارہ تھا جس کی چھینٹیں دھوپ میں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

راستہ آگے بڑھتا تو سامنے حویلی کھڑی تھی، دو منزلہ، چونے اور سرخ اینٹوں کی دیواروں کے ساتھ۔ محراب دار کھڑکیاں اور لکڑی کے کٹائی والے دروازے اس کی شان بڑھاتے تھے۔

زہرہ مخمل کے ساتھ اسکول سے واپس آ رہی تھی۔ مخمل اُسے حویلی کے سامنے چھوڑتے اب اپنے گھر کی جانب چل دی تھی، زہرہ خاموشی سے گھر میں داخل ہو گئی۔

اندر داخل ہوتے ہی ایک کشادہ برآمدہ آتا تھا۔ قالین بچھے تھے، پرانی چارپائیاں رکھی تھیں۔ دیواروں پر چراغدان آویزاں تھے، اور فضا میں پرانی شان و شوکت کی جھلک محسوس ہو رہی تھی۔ مہمان وہیں بیٹھتے تھے۔ برآمدے کے ساتھ ہی ایک لمبا ہال کھلتا تھا، جہاں لکڑی کی میز پر پیتل اور چینی کے برتن رکھے تھے۔ نفیس دستر خوان بچھا تھا اور اوپر سے تیل کے چراغ روشنی بکھیر رہے تھے۔

حویلی کے پیچھے آم کے بڑے بڑے درخت تھے۔ گھنی شاخوں سے پکے آم جھانکتے تھے اور نیچے باغیچہ تھا، جہاں سبزیاں، بیلیں اور خوشبودار پودے لگے تھے۔

بالائی منزل پر ایک کشادہ بالکونی تھی۔ وہاں کھڑے ہو کر آم کے درختوں کی چھاؤں اور باغیچے کی خوشبو دل کو چھو لیتی تھی۔ شام کے وقت چراغ جلتے تھے، اور پوری حویلی ایک پرانی داستان کی طرح سانس لیتی تھی۔ بڑی حویلی کی صاف صفائی روز حویلی کی ملازمائیں کیا کرتی تھیں۔۔

رضیہ بیگم اُن کو مختلف ہدایات دیا کرتی تھیں اور ایسے ہی اُن کا سارا دن کب کاموں میں مصروف رہ کر گزر جایا کرتا تھا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

سردار شہریار راجپوت سارا دن پنچائیت کے کاموں میں بے حد اُلجھے رہا کرتے تھے، شام کے وقت ہی وہ تینوں اکٹھے ہوا کرتے تھے۔

زہرہ دو بجے جب اسکول سے واپس آکر رضیہ بیگم کے کمرے میں گئی تو جو بات سماعت سے ٹکرائی اُسے سُن کر وہ وہیں کھڑی ہو گئی۔۔

"وہاں جا کر ہمیں بھول مت جانا۔ آتے رہنا ہم سے ملنے سال میں ایک بار!" رضیہ بیگم کام کرتے کرتے طفیل سے کہہ رہی تھیں۔

"جی خالہ میں ضرور آؤں گا۔" وہ ابھی اتنا ہی بولا تھا اور زہرہ کو لگا کہ وہ آج واپس چلا جائے گا لیکن فوراً ہی رضیہ بیگم نے کہا۔

"یہ تو ویسے تم نے بہت اچھا کیا جو عید یہاں پر کرنے آ گئے، وہاں اکیلے رہ کر کیا ہی مزہ آنا تھا عید کا؟ عید تو اپنوں کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔۔" رضیہ ہمیشہ کی طرح محبت سے کہہ رہی تھیں۔ زہرہ نے اب کمرے میں جانے کی بجائے کیچن کا رُخ کیا۔ وہ طفیل کے بارے میں سوچنا بھی نہ چاہتی تھی۔۔

اُسے اس وقت بھوک لگ رہی تھی دوپہر کے دو بج چکے تھے۔ رضیہ اور طفیل نے یقیناً کھانا کھا لیا ہو گا وہ یہی سوچ کر خاموشی سے وہاں سے پلٹ گئی۔۔

"صفیہ آپا کھانے میں کیا ہے آج؟" کیچن میں داخل ہوتے ہی زہرہ نے ملازمہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"بی بی جی بکرے کا گوشت بنا ہے اور ساتھ میں چاول ہیں۔۔" ملازمہ نے اتنا بتانے کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔

"اچھا مجھے ایک روٹی بنا دو۔ مجھ سے چاول نہیں کھائے جاتے۔۔" اتنا کہہ کر وہ مڑنے ہی لگی تھی کہ اُسے یاد آیا۔

"ماں اور طفیل نے کھانا کھا لیا ہے صفیہ آپا؟" وہ اب جواب کے لیے مڑی صفیہ کو دیکھ رہی تھی۔

"جی بی بی جی اُن کے تو روزے ہیں!" صفیہ نے فٹ جواب دیا تھا۔۔ جواب سن کر زہرہ نے ہاں میں سر ہلایا، وہ بھول گئی تھی۔

"اچھا پھر مجھے جلدی سے ایک چپاتی بنا دو آپا بڑی بھوک لگی ہے، جب تک آپ کھانا لاتی ہو میں کپڑے وغیرہ بدل لوں ذرا۔" صفیہ نے 'جی' کہا تو زہرہ کیچن سے باہر نکل گئی۔۔

— ✿✿✿✿ —

"ماں ہم کتنے دن اور یہاں رہیں گے ؟" کمرے میں بیٹھا کمال اپنی ماں سے پوچھ رہا تھا۔۔ گھر سارا تقریباً کچا ہی تھا، کمرے میں چونے جیسا سفید رنگ کیا گیا تھا۔ وہ چارپائی کے اوپر بیٹھا تھا جب شمیم اُس کے لیے کپڑے استری کر رہی تھیں۔

"عید کے تین چار دن بعد چلے جائیں گے۔۔" شمیم نے سرسری سا کہا۔۔

"اچھا۔" کمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ اُٹھا اور عادل کو ڈھونڈتے ہوئے وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا جو کہ بلکل اُس کمرے کے ساتھ تھا جہاں وہ کچھ دیر پہلے بیٹھا ہوا تھا۔

"یار عادل بات سننا ذرا۔۔" وہ کمرے کے باہر ہی کھڑا ہو کر کہنے لگا۔۔

عادل نے اُسے ایک نظر دیکھا اور اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔۔

"ہاں کمال بتا کیا ہوا؟" عادل نے انجان بننے کی کوشش کی۔۔

"کیا کچھ بھی نہیں ہو سکتا؟" کمال نے معصومیت سے کہا۔ عادل نے ایک خاموش نگاہ کمال پر ڈالی اور کچھ سوچنے کے انداز سے خلا میں نظریں گھمانے لگا۔۔

کمال کو اُس کا یوں پُر سوز انداز سمجھ نہیں آیا تھا، پر فوراً سے انکار کا نہ سُن کر وہ خوش بھی ہوا تھا مگر وہ چیز اُس نے چہرے سے عیاں نہ ہونے دی۔۔

"اگر مہک کی دوستی زہرہ سے کرا دی جائے؟" عادل نے سوچتے ہوئے کہا۔۔

"تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ کچھ اور سوچ۔۔" کمال کو یہ آئیڈیا بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

"اور کیا سوچوں میں ؟ اُس کے علاوہ اور کوئی آئیڈیا تیرے پاس ہے تو تُو مجھے بتا سکتا ہے!" عادل نے کمال سے پوچھا۔

"وہ جو اُس دن زہرہ کے ساتھ لڑکی تھی کیا تم اُس کے بارے میں جانتے ہو؟" کمال نے سرسری سا دریافت کیا۔

"وہ محمل ؟ نہ بابا نہ۔۔۔" عادل نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا جیسے وہ لڑکی اس دُنیا کی آخری لڑکی بھی ہوتی تو وہ اُس سے مدد نہ لیتا۔۔

"کیوں ایسا کیا مسئلہ ہے اُس لڑکی میں جو تم اُس سے مدد نہیں لے سکتے؟" کمال کو حیرانگی ہوئی تھی وہ لڑکی تو زہرہ کے ساتھ اُسی مزاج کی لگ رہی تھی۔

"وہ بہت باتونی ہے، اُس کے پاس بات گئی تو سمجھو سارے گاؤں میں بات گئی۔۔" عادل نے کمال کے کان میں سرگوشی کی تھی کیونکہ پاس ہی زاہدہ آن کھڑی ہوئی تھیں۔

"کیا چل رہا ہے؟ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے؟" زاہدہ کو اشتیاق ہوا۔۔

"کچھ نہیں ماں بس ایسے ہی آپس کی باتیں کر رہے تھے، آپ بتائیں باہر سے کچھ لانے والا تو نہیں؟ میں اور کمال جا کر لے آتے ہیں۔۔" عادل نے فوراً سے بات کو سنبھالتے ہوئے کہا۔۔

"ہاں کچھ چیزیں منگوانی تو تھیں پر میں بھول گئی، تم دونوں یہیں رکو میں بس ابھی آتی ہوں!" اتنا کہتے ہی زاہدہ کمرے کے سامنے سے گزرتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئیں۔۔

"شکر ہے! بچ گئے۔۔" عادل نے ایک لمبی سانس ہوا میں خارج کرتے ہوئے کہا۔۔

وہ دونوں اب خاموشی سے وہاں کھڑے تھے گھر سے باہر نکل کر ہی وہ اس سب کے متعلق بات کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ چند لمحے سرکے جب زاہدہ ہاتھ میں سالن ہلانے والی کفگیر تھامے باہر کو آئیں۔

"اچھا مجھے آدھا کلو ٹماٹر چاہیے اور ساتھ میں پیاز تین کلو لے آنا اور مرغی کا گوشت وہ وہاں جو نکڑ میں ندیم چچا ہیں نا اُن سے لے کر آنا۔۔" اُن کو ہدایت دیتیں زاہدہ نے دوپٹے کے پلو سے چند پیسے نکال کر عادل کے ہاتھ پر رکھے۔۔

"ٹھیک ہے ماں کچھ دیر میں ہم لے کر آتے ہیں۔۔" عادل نے کہا اور وہ دونوں اگلے ہی لمحے گھر کی دہلیز کو پار کرتے کب زاہدہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے پتہ ہی نہیں چلا۔۔

"کچھ لوگ دل میں بس جاتے ہیں اور پھر انہیں آپ اپنی نگاہوں میں بھی ہر وقت دیکھتے ہیں بس آنکھوں کو بند کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔" چلتے چلتے کمال نے کہا۔ عادل نے ایک غصیلی نگاہ اپنے ساتھ چلتے کمال پر ڈالی۔ اُسے کمال کا زہرہ کی طرف دن بدن مزید مائل ہونا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"کیا ہے؟" اُس کی نگاہوں میں دِکھتے غصے کو دیکھتے ہوئے کمال نے پوچھا۔ عادل نے بس اپنا سر دائیں بائیں جھٹک دیا جیسے کہہ رہا ہو کہ تمہیں کون سا سمجھ آئے گا کچھ۔۔

وہ دونوں کچی گلیوں سے ہوتے ہوئے سامان لینے کے لیے ندیم چچا کے پاس جا رہے تھے جب گلی کی دوسری طرف سے محمل اُن دونوں کو آتے ہوئے نظر آئی۔۔

کمال نے عادل کی جانب التجائیہ نظریں گھمائیں۔ اُس کی نظروں کا مطلب سمجھ کر عادل نے اپنا چہرہ ہی دوسری جانب موڑ لیا، کمال نے افسردگی سے اپنے سر نیچے کو جھکا لیا۔

مگر اُس نے محسوس کیا کہ محمل بھی اُسے بہت غور سے دیکھ رہی ہے، اُسے کچھ کھٹکا تھا مگر اُس نے لاپرواہی سے اپنے کندھے اچکائے اور عادل کے ساتھ نظریں نیچے کیے چلتے ہوئے وہ دوبارہ سے زہرہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ دونوں اب اُس گلی کو پار کرتے ہوئے ندیم چچا کی دکان سے چند گز کے ہی فاصلے پر تھے جب اُنہیں شہریار اپنے چھوٹے بھائی شہیر کے ساتھ دور سے آتے ہوئے نظر آئے۔

شاید وہ پنچائیت سے واپس لوٹ رہے تھے۔

"دیکھ رہا ہے کیسی وجاہت ہے ان کی چال اور پہناوے میں؟" عادل نے طنزیہ کمال کو باور کروانا مناسب سمجھا۔

"تو تمہاری اور میری چال میں کیا مسئلہ ہے؟ اور تمہارے اور میرے پہناوے میں کیا کمی ہے؟" کمال کا ماتھا شکن آلودہوا تھا، اُسے عادل کی بات سخت ناگزیر گزری تھی۔

"تم نہیں سمجھوگے!" عادل نے سڑک کے درمیان میں رُکتے ہوئے کہا۔ کمال بھی وہیں رُک گیا۔

"میں نہیں سمجھونگا؟ حد ہے! سمجھ تو تم نہیں رہے جو اس ظاہری بناوٹ کو اپنے سر پر سوار کیے ہوئے ہو۔ اس پہناوے میں جو ہم دونوں کا ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے اور جو کپڑے اُنہوں نے پہنے ہیں اُس میں کچھ خاص نہیں ہے۔" کمال نے قدرے سمجھانے کے انداز سے کہا۔

"انسان کو جینے کے لیے روٹی، کپڑا، مکان چاہیے ہوتا ہے جو تمہارے پاس بھی ہے اور میرے پاس بھی! اور اُن کے پاس بھی ہے لیکن کم زیادہ ہونا وہ ہماری قسمت میں لکھے رزق پر منحصر ہوتا ہے۔ جو نصیب کا لکھا ہے وہ مل کر ہی رہے گا اور اُس کے بعد ہماری محنت پر ہے کہ ہم کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے کتنی جدوجہد کر سکتے ہیں۔۔"

کمال نے اتنی بات کرنے کے بعد آہستہ آہستہ سے چلنا شروع کر دیا۔ عادل بھی اُس کے ساتھ آہستگی سے قدم سے قدم ملانے لگا۔

"تمہیں اُن کی دولت متاثر کر سکتی ہے لیکن مجھے نہیں عادل۔۔" کمال نے افسوس سے عادل کی جانب دیکھا جیسے اُسے عادل سے اس سوچ کی اُمید نہیں تھی۔

"تم یہاں اب آئے ہو کمال اس لیے تمہیں یہ سب نیا لگ رہا ہے لیکن میں بچپن سے یہاں کا باسی ہوں، میں جانتا ہوں کہ یہاں کے لوگوں کا مائینڈ سیٹ کیسا ہے۔۔" وہ دونوں اب دکان کے باہر کھڑے ہو کر ندیم چچا کو دیکھ رہے تھے جو دوسرے لوگوں کو سامان دینے میں کافی مصروف دکھ رہے تھے۔

"اُن کا جیسا بھی مائینڈ سیٹ ہو مجھے اِس سے فرق نہیں پڑتا عادل! لیکن تم اُن کی طرح بات کروگے تو مجھے بہت

برا لگے گا۔" کمال نے بڑی شائستگی سے کہا۔۔عادل نے بس سر اثبات میں ہلا دیا۔ ندیم چچا باقی گراہکوں کو سامان دے کر اب اُن کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔وہ دونوں اب لسٹ میں موجود لکھی چیزیں ایک ایک کر کے ندیم چچا کو بتانے لگے۔ اُنہیں گھر جلدی جانا تھا۔۔

"کمال میرے خیال میں ہمیں مہک کو ہی زہرہ کے قریب کرنا ہو گا۔۔ایسے تو بات نہیں بنے گی۔۔"عادل نے بڑے پُر سوچ سے انداز میں کمال کو کہا۔ وہ دونوں گھر آ چکے تھے۔۔

"تم مہک کو کیوں اس سب میں گھسیٹ رہے ہو، اگر کام ہونے سے پہلے ہی ماں کو ذرا بھی خبر ہوئی تو میرا یہاں آنا بند کر دیں گی وہ۔۔"کمال نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اچھا اب ماں سے ڈر آ رہا ہے بچے کو؟"عادل نے بھی اُسی کی نقل اُتارتے ہوئے کہا۔۔

"یار تُو میری بات کا اُلٹا مطلب کیوں نکال رہا ہے۔۔"کمال کو صدمہ پہنچا تھا۔۔

"یارررر! بہت سوچ بچار کے بعد ہی تجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ مہک کو اس سب میں شامل کر لینا تیرے لیے بہتر ہے۔۔"عادل بھی اپنی بات پر بضد تھا۔

"اگر کوئی مسئلہ بن گیا تو کون ذمے دار ہو گا؟"کمال نے گھوری ڈالتے ہوئے عادل سے کہا۔

"میرے بھائی یہ بات اُسے پسند کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی نا۔۔اب جب اقدام اُٹھانے کی باری آئی تو تیری بس ہو گئی ہے لگتا۔۔"جوابی وار پر کمال نے آنکھیں پھاڑے عادل کو دیکھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔"

شکست خوردہ لہجے سے کہتا کمال اُس کی بات پر ہامی بھر گیا تھا۔۔

"مطلب تو اس بات کے لیے مان گیا ہے؟"

عادل نے پُر جوش ہوتے ہوئے کہا۔جواب میں بس کمال نے سر اثبات میں ہلایا۔۔

"اچھا جب ماں اور خالہ گھر نہیں ہونگی تو مہک کو تُو سب کچھ خود بتائے گا۔اُس کے بعد مہک کی دوستی زہرہ سے کروا دیں گے۔"

"اگر مہک مان گئی تو۔۔"کمال نے فٹ جواب دیا۔۔

"ارے تیرا دوست کس دن کام آئے گا؟میں ہوں نا میں منا لونگا اُسے۔۔"

کمال نے مشکوک نگاہوں سے عادل کو دیکھا۔

"یار وہ میر امطلب ہے کہ میری ایکٹینگ سے تو تُو واقف ہی ہے تھوڑی بہت رونی صورت بناؤں گا مان جائے گی۔۔"اُس نے اپنی صفائی دینا مناسب سمجھا۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے جیسا تمہیں صحیح لگے۔ ویسے بھی کل عید ہے۔ اور عید کے تین چار دن بعد ہم نے واپس شہر چلے جانا ہے۔۔"کمال نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔ جیسے اُس کا یہاں سے واپس جانے کو دل نہ تھا۔۔

"کچھ دیر بعد ماں اور خالہ جائیں گی تو ہم دونوں مل کر مہک سے بات کریں گے۔۔"

عادل نے اُس کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر کہا۔۔ کمال نے بس ایک نظر اُسے دیکھا اور سر نیچے جھکا دیا۔ اُسے مہک سے کوئی اُمید نہیں تھی۔

— ✿✿✿✿ —

"زہرہ تجھے پتہ ہے میں نے ابھی ابھی اُس لڑکے کو پھر سے عادل کے ساتھ دیکھا ہے۔۔"محمل جو کہ ابھی کچھ ہی لمحے پہلے کمال کو گلی میں دیکھتے ہوئے اُن کے پاس سے گزری تھی جھٹ سے آکر زہرہ کو بتا رہی تھی۔

"اُس نے کالے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور جو تا بھی اتنا عمدہ لگ رہا تھا، بس یہ ہے کہ ابھی اُس کی داڑھی مونچھ نہیں آئی۔۔"محمل کو جیسے دکھ ہوا تھا۔

"اچھا تو تم بس اب یہ بتانے آئی ہو؟"

زہرہ نے بالوں کی اونچی پونی کر رکھی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔

"نہیں میں بس ایسے ہی آئی ہوں گھر میں رہ کر میں نے کیا ہی کرنا ہوتا ہے؟"محمل نے دُکھ سے کہا۔

"کھانا کھاؤ گی؟ میں صفیہ آپا سے کہہ کر چاول منگواتی ہوں۔ تم یہیں بیٹھو میں بس دو منٹ میں آئی۔۔"

منہ میں نوالہ ڈال کر وہ بیڈ سے اُٹھی اور سر کو ڈھانپتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔۔

زہرہ کو رضیہ بیگم کے کمرے کے سامنے سے گزرنا تھا وہ بنا اندر جھانکے خاموشی سے گزر رہی تھی کہ رضیہ بیگم کی نظر اُس پر پڑی۔

"بیٹا اسکول سے کب آئی ہو؟ اندر آؤ۔"

اتنا سُن کر زہرہ کے قدم ایک لمحے کے لیے زنجیر ہوئے۔ اُس نے پیچھے مڑ کر ایک نظر اپنی ماں کی جانب دیکھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے قدم اندر کی جانب موڑ دیے۔

"بیٹا کب آئی اسکول سے؟ آج آکر مجھے بتایا ہی نہیں۔۔"

رضیہ نے زہرہ کی طرف دیکھا۔ وہ یونیفورم میں نہیں تھی جس کا مطلب تھا کہ اُسے آئے ہوئے کافی وقت ہو چکا ہے۔

"جی ماں کچھ ہی دیر ہوئی ہے۔ بھوک بہت لگی تھی اس لیے کپڑے بدل کر سیدھا کیچن میں آپا کے پاس چلے گئی تھی۔" اُس نے طفیل کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ مگر وہ تو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زہرہ کو نظروں کی تپش محسوس ہو رہی تھی۔

"اچھا تو اب کھانا کھالیا ہے کہ نہیں؟" رضیہ نے پوچھا کیونکہ شاید اُنہیں کوئی کام تھا۔

"نہیں ماں محمل آئی ہے، اُس کے لیے چاول لینے جا رہی تھی، ابھی میں نے کھانا نہیں کھایا۔" وہ آج بالکل سادہ لباس زیب تن کیے ہوئے تھی۔

"اچھا صحیح ہے کھانا کھالو پھر آکر میری بات سُننا کچھ کام ہے وہ کرنا ہے۔"

زہرہ نے اُن کی بات سنتے ہی اپنا سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔۔

"طفیل یہ گرمیوں کے کپڑے میرے ساتھ لگ کر ذرا اوپر والے کمرے میں رکھوا دو بیٹا آج۔۔ روز کاموں میں یاد ہی نہیں رہتا۔"

رضیہ نے زہرہ کے باہر نکلتے ہی طفیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اُس کی نظروں نے جھٹ زہرہ کا تعاقب کرنا بند کیا۔ اب وہ رضیہ کو دیکھ رہا تھا۔ زہرہ بس رضیہ کی بات سُن سکی تھی۔

"جی خالہ۔۔" اتنا کہتا وہ اُٹھا اور رضیہ اور طفیل مل کر کپڑے اُٹھانے لگے۔ زہرہ کیچن میں پہنچ چکی تھی۔

"صفیہ آپا! محمل کے لیے چاول سالن اور پانی۔۔" وہ کہتے کہتے رُکی۔ "بلکہ ایسا کریں کہ لسّی لے آئیں۔" اور بنا صفیہ کا جواب سنے اُلٹے قدم رکھتی اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ چولہوں تک آتے لمبے بال فضا میں لہرا رہے تھے، بھاگتے ہوئے دوپٹہ بھی سر سے سرک گیا تھا مگر وہ اس بات سے بے نیاز بھاگتی ہوئی جا رہی تھی۔

شاید اُسے محمل سے کچھ پوچھنا تھا یا وہ جانتی تھی کہ محمل اُسے خود ہی بتا دے گی۔۔ وہ جلدی جلدی بھاگتی ہوئی اب کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کی رفتار کو دیکھ محمل نے تعجب سے اُسے دیکھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟ اتنا تیز کیوں بھاگتی ہوئی آئی ہو؟" محمل نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ارے ایسے ہی بس صفیہ آپا کھانا لے کر آتی ہونگی۔ پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔۔" وہ جھوٹ بولتے ہوئے خجالت سے بولی تھی۔ اپنے دل کی بات وہ اُسے کیونکر ہی بتاتی؟

"تم کچھ بتا رہی تھی۔۔۔؟" زہرہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے محمل سے سرسری سا پوچھا۔۔

"ہاں میں تو بھول ہی گئی تھی۔۔" محمل نے فوراً سے اپنی کمر سیدھے کرتے ہوئے کہا۔

"یار وہ اس سارے گاؤں کے لوگوں سے منفرد ہے۔۔"

"وہ کیسے؟" زہرہ نے عدم توجہی ظاہر کی مگر وہ بہت دھیان سے سُن رہی تھی۔

"یار تمہیں پتہ ہے ایک تو اُس کا ڈریسنگ سینس یہاں کے سب لوگوں سے الگ ہے اور دوسرا۔" زہرہ کے کان اگلی بات سُننے کو بے تاب تھے کہ اُسی لمحے کمرے میں صفیہ ایک بڑے سے تھال میں چاول سالن اور لسّی نفاست و ترتیب سے رکھے کمرے میں داخل ہوئیں۔ اُن کی بات میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔

"آپا یہاں رکھ دیں۔" زہرہ نے ہاتھ کے اشارے سے تھال اپنے پاس ہی رکھوا لیا۔ صفیہ آپا بنا کچھ کہے ادب سے بڑے تھال کو زہرہ کے پاس رکھتیں کمرے سے باہر نکل گئیں۔۔

محمل نے کھانا شروع کر دیا، زہرہ بھی کھانا کھانے میں مصروف تھی جب وہ دوبارہ سے بولی۔

"اُس کی نظروں میں حیاء ہے۔۔" زہرہ کا منہ میں نوالہ ڈالتا ہاتھ رُکا تھا۔۔

"آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی باہر سے آئے اور گاؤں کی لڑکیوں کو تاڑے نہ۔ آج میں جب آ رہی تھی تو مجھے دیکھتے ہی اُس نے اپنی نظروں کو نیچے جھکا لیا اور مجال ہے کہ مجھے پھر نظر اُٹھا کر ایک بار بھی دیکھا ہو۔۔" محمل بڑی جذبیت سے کہہ رہی تھی۔ زہرہ اپنا سارا دماغ اُس کی بات پر لگائے اب بے دھیانی سے کھانا کھا رہی تھی۔۔

"ہمم تو اچھی بات ہے نا۔۔ لڑکوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ آنکھوں میں حیاء لیے، لڑکی کی عزت اور وقار کو اہمیت دینے والے۔ لڑکے اپنے رویوں سے ہی تو اپنی تربیت کو ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کا خاندان اور ماں باپ کیسے ہیں۔۔" زہرہ نے بنا متاثر ہوئے کہا۔

"تمہیں نہ جانے کبھی کوئی پسند آئے گا بھی کہ نہیں۔۔" محمل نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا اور کھانے پر کسی بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹ پڑی۔ اُس کی بات سُن کر زہرہ مسکرائی تھی۔ دل و دماغ میں کیا خیال آیا تھا وہ خود بھی جان نہ سکی۔

— ✿ ✿ ✿ ✿ —

"دیکھو مہک۔۔" شمیم اور زاہدہ کے گھر سے نکلتے ہی عادل اور کمال نے اُسے گھیرے میں لے لیا۔

وہ متذبذب سی باری باری اُن دونوں کو تکے جا رہی تھی۔۔

"کیا۔۔" وہ ذرا متجسس سی ہو کر پوچھ رہی تھی۔ سفید دوپٹہ وہ بار بار سر پر سیٹ کر رہی تھی۔

"وہ دراصل مہک تمہیں شہریار انکل کی بیٹی سے بات کرنی ہے۔۔" اس بار کمال نے ایک ہی جست میں اپنی بات مہک کو کہہ ڈالی۔

"کس سلسلے میں؟" مہک نے ذرا آنکھوں کی پتلیوں کو سکیڑ کر پوچھا۔

"وہ۔۔" اب کی بار الفاظ کمال کے حلق میں اٹکے تھے۔۔

وہ تینوں کمرے میں تھے، مہک چارپائی کے اوپر پاؤں نیچے لٹکائے بیٹھی تھی۔ عادل اُس کے سامنے رکھی خالی کُرسی پر بیٹھا تھا۔۔

"وہ نہ تمہارا بھائی اُسے پسند کرنے لگا ہے۔۔" عادل نے جھٹ سے بات مکمل کرتے ہوئے دروازے کے پاس کھڑے کمال کو دیکھا۔۔۔

مہک منہ کھولے باری باری گردن موڑے اُن دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا۔۔۔۔؟؟؟؟ مطلب کسے پسند کرنے لگا ہے؟" وہ حلق پھاڑ کر چلائی تھی۔۔

"زہرہ کو۔۔" عادل نے معصوم سی شکل بناتے ہو کہا۔۔

عادل نے کمال کی طرف معافی طلب نگاہوں سے دیکھا۔ اُسے مہک سے اس روّیے کی اُمید نہ تھی۔۔

کمال کا بس نہ چل رہا تھا ورنہ وہ عادل کو گریبان سے پکڑ کر مکے برساتا۔۔ مہک ابھی تک کسی صدمے میں تھی۔

"تم دونوں کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" وہ بے یقینی کے عالم میں اب کمال کو گھور رہی تھی۔

"یار۔۔" کمال، عادل کو غصے سے دیکھتے ہوئے پھنکارا تھا۔۔ وہیں عادل ایک جھرجھری لے کر مہک کی جانب متوجہ ہوا۔۔

"دیکھو مہک بات کرنے میں کیا جاتا ہے؟ ویسے بھی دیکھو اپنے بھائی کو کتنا ہینڈسم اور گڈلکنگ ہے۔۔" وہ میٹھی چاشنی زبان میں گھولے دانت باہر نکالے مسکرا رہا تھا۔

"مجھے تو لگا تھا کہ آپ اس کی نسبت ذرا سمجھدار ہونگے۔۔ مگر نہیں!" وہ اُن دونوں کا جائزہ لینے کے لیے ایک لمحے کو رُکی۔۔۔ وہ دونوں اُسے بنا پلکیں جھپکائے دیکھ رہے تھے۔

"مگر نہیں آپ تو اس سے بھی چار ہاتھ آگے نکلے ہیں۔۔" مہک اب نفی میں سر ہلاتے ہوئے عادل کو دیکھ رہی تھی۔۔

"آپ اسے رُکنے کی بجائے اس کی سفارش کرنے آگئے ہیں میرے پاس؟" وہ اُن دونوں کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

جہاں عادل کا منہ لٹکا وہیں کمال کے چہرے پر ایک عجیب ہی اُداسی سی پھیل گئی، وہ جانتا تھا کہ مہک اس کام میں اُن کی مدد نہیں کرے گی اس لیے وہ اس سب سے کترا رہا تھا۔

اُسے اب یہ ڈر لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں مہک اُسے خود سے بھی کوشش کرنے سے روکنے نہ لگ جائے۔۔

"دیکھو مہک۔۔" بہت سی ہمتیں متجمع کر کے عادل نے بات کرنے کے لیے لب وا کیے۔ مہک اب پوری توجہ سے اُسی کو دیکھ رہی تھی۔

"محبت پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ یہ کب، کہاں، کس سے ہو جائے انسان اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔۔" اس سے پہلے کے عادل مزید کوئی اور بات کرتا مہک نے اُس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔۔

عادل نے بڑے غور سے اُس موٹی موٹی سبز آنکھوں والی لڑکی کو دیکھا جو چہرے پر انتہا کی سنجیدگی لیے بولنے لگی تھی۔۔

"محبت کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ انسان اپنا اصل بھول جائے، اس سب کے کیا نتائج ہونگے یہ آپ دونوں جانتے ہی ہیں۔ میرے باپ کی سالوں کی عزت ہے۔ وہ آپ دونوں کی ذرا سی لاپرواہی سے ایک پل میں تہس نہس ہو جائے گی۔۔" وہ کافی سیریس لگ رہی تھی۔۔

"نہیں ہوتی تہس نہس مہک۔ پہلے ہماری پوری بات تو سُن لو۔۔" عادل نے استفسار کیا تھا۔

"جی سنائیں۔۔" وہ بالکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"پر درمیان میں ٹوکو گی تو نہیں نا؟" عادل نے پوچھنا اپنا فرض سمجھا۔۔

"جی نہیں بولتی کچھ۔۔" وہ ہنوز اُسے گہری نظروں سے تک رہی تھی۔۔

عادل نے ایک سانس لیا پہلے کمال کی طرف دیکھا جو چہرے پر مایوسی لیے نظریں نیچے جھکائے ابھی تک دروازے کے پاس کھڑا تھا اور پھر مہک کی طرف جو گہری تیز نگاہوں سے اُسے گھورنے کے انداز سے دیکھ رہی تھی۔

"کہاں پھنس گیا ہوں میں یار۔۔" اُس نے اپنے آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

اور پھر بولنا شروع کیا۔۔

"ہم تم سے بس ایک بار بات کرنے کا ہی تو کہہ رہے ہیں! اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر تم اتنا بھی نہیں کر سکتی۔۔" عادل نے اپنی طرف سے ایک مضبوط وار کیا تھا۔۔

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں!" مہک نے دانت چبا چبا کر دوبارہ سے سیدھا انکار کیا۔

اُس کے اس جواب کو سُن کر جہاں کمال کو حیرانی ہوئی تھی وہیں عادل بھی اپنی جگہ گنگ ہو گیا تھا۔

"کیسی بہن ہے وہ؟ بہنیں تو اپنے بھائیوں کے لیے جان بھی دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں اور وہ ایک بات نہیں کر سکتی تھی؟"

عادل نے دل ہی دل میں خود کو کوسا کہ وہ کیوں اس سے مدد مانگنے کے لیے آیا تھا۔۔

"میں آپ کے پیر پڑتا ہوں بس اتنا سا کام ہے کہ یہ آپ نے چھوٹی مالکن تک پہنچانا ہے۔" اپنے کرتے کی جیب سے ایک خط نکال کر اُس نے مہک کی طرف بڑھایا۔۔

"اور اگر اُس کے بعد کوئی مسئلہ ہوا تو اُس کا ذمے دار کون ہو گا؟" مہک نے جواباً سوال کیا۔

"میں خود دیکھ لونگا بس آپ یہ جا کر اُسے ایک بار دے آئیں۔۔"عادل ابھی بھی خط پکڑا ہاتھ آگے کیے اُس کی جانب دیکھ رہا تھا۔۔

مہک نے اُسے گھوری ڈالی تھی مگر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔

کمال کو عادل کا یہ روپ دیکھ حیرانی تو ہوئی تھی مگر وہ اس وقت خاموشی سے اُن دونوں کی بحث سے مزید پریشان ہو رہا تھا اور دماغ میں ایک ہی چیز چل رہی تھی "اگر مہک نے امی کو بتا دیا تو؟"وہ یہی سوچ سوچ کر پریشان تھا۔۔

کچھ لمحے مہک اور عادل کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا، آخر ہار مان کر مہک نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور عادل کے ہاتھ میں موجود مڑے ہوئے خط کو تھام لیا۔

عادل نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کمال کو دیکھا۔

کمال نے بڑی پیاری مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور مہک کی طرف دیکھا۔

اُسے خود کو گھورتا دیکھ کمال کی ہنسی فوراً تھمی تھی۔

"میں کیسے دونگی اُسے یہ۔۔"اُس نے ہاتھ میں پکڑا خط آگے کو کیا اور سوال طلب نظروں سے عادل کو دیکھا۔

"اممم"عادل نے سوچنے کے انداز سے اپنے چہرے پر آئی تھوڑی بہت داڑھی کو چھوا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"کل عید ہے امی اور خالہ ہمیں لازمی اُن کے گھر لے کر جائیں گی۔تب تم آسانی سے اُسے یہ خط تھما دینا۔۔"کمال جو اُس وقت سے خاموش تھا اُن دونوں کی خاموشی کو توڑتے ہوئے بولا۔

دونوں نے ایک ساتھ اُسے دیکھا تھا۔عادل نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

مہک بھی اپنا سر ہلاتی اپنی جگہ سے اُٹھی اور باہر نکلتے ہوئے اپنے کندھے سے کمال کو ٹھوکا دیتی گزری۔

کمال اور عادل اُس کی اس حرکت پر ششدر رہ گئے۔وہ کیا تھی؟

"دیکھا؟۔۔۔دیکھا تم نے کیسی غنڈوں والی حرکتیں ہیں اس کی؟"کمال نے ماتھے پر بل ڈالے مصنوعی غصے سے کہا۔

"آہستہ بول اور شکر کر مان گئی ہے وہ۔"کمال نے سر جھٹکا جیسے کہہ رہا ہو۔

"اس کے ماننے سے کیسا شکر؟۔۔شکر تو تب ہو جب زہرہ مان جائے۔"

کمال کو اُس کی اس ناشکری پر حیرت ہو رہی تھی۔

"اچھا اب ایسے گھورنا تو بند کر۔تیری ان آنکھوں سے مجھے الجھن ہونے لگ جاتی ہے، کتنا طنز ہے رے تیری آنکھوں میں۔"کمال نے مسکراتے ہوئے عادل کو چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

"چل اوئے آیا بڑا میری آنکھوں سے الجھن ہوتی ہے تجھے۔" عادل نے اپنے منہ کو ٹیڑھا کرتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ کمرے میں انہیں شمیم اور زاہدہ کی آوازیں سنائی دیں۔

"لگتا ہے اماں اور خالہ آگئی ہیں۔" بولنے والا عادل تھا۔ اور اُسے خاموش رہنے کا کہا۔ جیسے کوئی بہت بڑا راز وہ اپنی ماؤں سے چھپا رہے ہوں۔

"مہک۔۔۔ کدھر ہو بیٹا؟ باہر آؤ، دیکھو عید کا سارا سامان لائے ہیں میں اور تمہاری خالہ۔۔ آکر اسے سنبھال لو۔" شمیم نے باہر کچے صحن میں رکھی ہوئی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے ایک لمبی پکار لگائی تھی، مہک باورچی خانے میں سے اپنے گیلے ہاتھوں کو خشک کرتی باہر کو آئی۔

"جی اماں! آگئی ہیں آپ؟ کیسا رہا پھر آپ کا اپنی سہیلی کے ساتھ سیر سپاٹا؟" وہ لبوں پر ایک تبسم سجائے بول رہی تھی۔

"ہاں بیٹا بہت اچھا رہا بس تھک سی گئی ہوں۔۔ یہ سامان اٹھا لو پھر صبح عید کے لیے کھیر بھی بنانی ہے، دودھ کو ابلنے کے لیے رکھ دو۔" شمیم اُسے ہدایت دے کر اس سے پہلے کے اپنا رخ موڑتیں عادل اور کمال کمرے سے باہر نکلے۔۔

"بیٹا سارا سامان تمہیں تو کہا تھا اس میں سے آدھی چیزیں تو تم دونوں لے کر ہی نہیں آئے۔۔" انہیں دیکھتے ہی زاہدہ نے بولنا شروع کر دیا تھا۔

کمال اور عادل نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اپنے شانے اچکا ڈالے۔

"کیا چھوٹ گیا اماں؟" عادل نے زاہدہ سے پوچھا۔

"تجھے نہیں پتہ؟ لسٹ اسی لیے تھمائی تھی کہ تم دونوں بھولو مت۔ مگر مجال ہے تم دونوں کوئی ڈھنگ کا کام کر لو۔ کچھ نہ کچھ کام رہ ہی جاتا ہے تم دونوں سے۔۔" زاہدہ کے خاموش ہوتے ہی شمیم نے ایک نظر عادل اور پھر کمال کو دیکھا۔

"اچھا بچو جاؤ اب جا کر باقی کا سامان لے آؤ۔" وہ نہایت نرمی بھرے انداز سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"اماں میں دودھ ابال کر آپ کو آواز دیتی ہوں۔" اتنا کہہ کر مہک باورچی خانے میں گھس گئی۔ اور وہ دونوں باقی کا سامان لینے کے لیے جانے ہی لگے تھے کہ ایک بار پھر سے زاہدہ کی آواز پر پلٹے۔

"اب سامان والی لسٹ ہے پاس کہ وہ گما دی ہے کہیں؟" عادل نے اپنی قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈالا، "شکر خدا کا پاس ہی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

زاہدہ نے بس سر کو ہلایا اور وہ دونوں گھر کے دروازے کو پار کر گئے۔

وہ دونوں اب آرام سے بیٹھیں باتوں میں مشغول ہو گئیں۔

"خالہ۔۔! پانی پی لیں۔۔" مہک جو چولہے پر دودھ چڑھائے اپنی ماں اور خالہ کے لیے پانی لائی تھی، اُسے دیکھ زاہدہ نے

صدقے اتارنا شروع کر دیے۔

"ارے، ماشاللہ! کتنی سگھڑ بیٹی ہے تیری شمیم کاش اللہ نے مجھے بھی اس رحمت سے نوازا ہوتا۔" پانی کا گلاس ہاتھ میں پکڑتے ہوئے زاہدہ نے ایک حسرت سے شمیم سے کہا۔

"اللہ اسے سدا خوش رکھے، بہت اچھی بچی ہے ماشاللہ۔۔" ایک ایک کر کے وہ پانی کا گھونٹ اپنے اندر انڈیل رہی تھیں۔ ہر لڑکی کی طرح مہک بھی دل میں اپنی تعریف سن کر خوش ہو رہی تھی۔ من ہی من میں اُس کے لڈو پھوٹ رہے تھے۔

یقیناً اگر اس وقت یہاں کمال ہوتا تو وہ یہ بات مہک کو ضرور کہتا اور پھر ایک اچھا خاصا سائیڈ ھ (لڑائی) ہو جانا تھا۔۔

مہک اُن سے گلاس لے کر واپس کچن میں چلی گئی۔

"اس کی کتنی عمر ہو گئی ہے؟ تو نے اس کی بات کہیں چلائی ہے شمیم؟" زاہدہ مہک کے حوالے سے اب کرید کرید کر پوچھنا شروع ہونے والی تھیں۔

"ارے نہیں ابھی تو بس سولہ برس کی ہونے والی ہے۔۔" شمیم نے کان کے پیچھے اپنی چادر اڑستے ہوئے کہا۔

"ہاں تو۔۔۔! اچھی خاصی عمر ہو چکی ہے اب تو اس کی بات کہیں کر دینی چاہیے تمہیں، ایک دو سال تک اس کا بیاہ کر کے اسے اپنے گھر کا کر دے۔۔" شمیم بس خاموشی سے زاہدہ کی باتیں سن رہی تھیں۔

"کوئی دیکھا ہے اس کے لیے۔۔؟" ذرا مزید آگے کو کھسک کر شمیم نے بڑے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"ارے نہیں زاہدہ۔۔ ابھی تو ہمیں یہ بچی لگتی ہے، اس کے باپ (سعید) نے بھی اس حوالے سے کبھی کوئی بات نہیں کی۔۔" شمیم کو اب مہک کے لیے فکر ہونے لگی تھی۔

"بیٹیاں بہت جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔۔" اب کے زاہدہ چارپائی پر ذرا سیدھی ہو کر بیٹھی تھیں۔

"دیکھو بیٹیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اتنا ہی ان کے لیے بہتر ہوتا ہے اور باقی گھر والوں کے لیے بھی، کیونکہ اگر جلدی شادی نہ کی جائے تو بعد میں بڑی باتیں بنتی ہیں کہ پتہ نہیں بچی میں کوئی کمی ہے یا کردار کی اچھی نہیں۔۔" ایک لمحے کی خاموشی کیے بغیر وہ پھر سے بولیں۔

"اور اتنی کچی عمر میں کہیں دل لگ جائے بچوں کا تو بڑی تباہیاں مچتی ہیں، یہ ساتھ والوں کے بیٹے کا ہی دیکھ لے۔" ان کی باتیں اب سرگوشیوں میں تبدیل ہونے لگی تھیں۔ شمیم بھی بڑی دلچسپی دکھاتے ہوئے سننے لگیں۔

"ساتھ والے گاؤں کی لڑکی اسے پسند آ گئی اب وہ بھی ٹھہرے بڑے اور زمیندار لوگ! انہوں نے صاف کہا تھا کہ بیٹی کاٹ کر پھینک دیں گے ادھر نہیں بیاہنی۔۔" زاہدہ نے شمیم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہائے ہائے زاہدہ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں۔۔" شمیم جیسے کسی سکتے کے عالم میں بولی تھیں۔

"ارے تجھے نہیں پتہ بڑا برا کچھ ہوا ہے ادھر۔۔ لوگ اپنی انا اور جھوٹی شان کو ایسے بڑھا چڑھا کر ظاہر کرتے ہیں کہ تمہاری سوچ ہے۔۔۔" زاہدہ نے اتنا کہا اور پھر سے بولیں۔۔

"خیر آگے سُن۔۔ وہ جو لڑکا تھا نہ جانے اس کا ساتھ والے گاؤں کی لڑکی کے ساتھ کیسے رابطہ ہوا۔ اُن کے درمیان خط وغیرہ کا تبادلہ ہونا شروع ہو گیا۔۔" وہ ایک لمحے کو رُکیں۔

"لیکن لڑکی کے گاؤں والوں کا کہنا ہے کہ ہماری لڑکی بے قصور ہے۔۔" زاہدہ کے منہ کے تاثرات کافی حد تک بگڑ گئے تھے۔

"اب کوئی لڑکا اتنا پاگل تو ہوتا نہیں کہ بنا لڑکی کے اشارے کے اتنا بڑا قدم اٹھائے۔ اُسے بھگانے ہی والا تھا کہ لڑکی والوں کو پتہ چل گیا۔" زاہدہ نے ایک لمحے کے لیے رک کر سانس لیا۔ شمیم نے بھی مارے تجسس کے اپنے کانوں کو مزید بات سننے کے لیے کھڑا کر لیا تھا کہ زاہدہ بولیں۔

"وہ دونوں پکڑے گئے۔۔" سر کو افسوس سے جھٹکا۔

"کاش وہ پکڑے نہ جاتے۔ کم از کم زندہ تو رہتے۔۔"

"تو انہوں نے لڑکی کو بھی مار دیا۔۔؟" شمیم کسی گہرے صدمے میں تھیں شاید۔

اتنی سی بات ہی مکمل ہوئی تھی کہ کچن سے مہک نکلتے ہوئے بولی۔

"خالہ دودھ اُبل گیا ہے۔ کھانے میں کیا بنانا ہے مجھے بتا دیں میں سبزی وغیرہ بنا دوں۔" اتنا کہہ کر اُس نے شمیم اور زاہدہ کی طرف دیکھا۔

"اچھا میں آتی ہوں۔ تم ایسا کرو گوشت دھو دو اور پیاز کاٹ دو۔۔" مہک نے تابعداری سے سر کو خم دیا اور دوبارہ سے ہاتھ اپنی چادر سے پونچھتی ہوئی واپس کچن میں چلی گئی۔

"اچھا اب تم آرام کرو اور سوچنا ضرور اس بارے میں۔" اٹھتے اٹھتے زاہدہ نے دوبارہ سے شمیم سے کہا۔ شمیم نے بس ہاں میں سر ہلایا۔ زاہدہ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر واپس مڑ گئیں۔

"اب جب اس کا باپ آئے گا میں لازمی بات کروں گی۔" شمیم جیسے خود سے مخاطب تھیں۔ مہک کے حوالے سے بات کرنا نہیں یاد تھا مگر۔۔۔؟ کمال کے لیے؟

ماں باپ اکثر اُس اولاد کے لیے پریشان ہو جاتے ہیں جو اُس پریشان کن حالت سے کوسوں دور ہوتی ہے لیکن جسے ضرورت ہوتی ہے وہ نظروں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اوجھل ہی رہتی ہے۔

✿ ✿ ✿

"یار تجھے لگتا ہے کہ واقع مہک اُس سے بات کرے گی؟" وہ دونوں سامان لینے جا رہے تھے جب کمال نے عادل سے پوچھا۔

"بہن تیری ہے مجھے کیا علم یار۔۔۔"

"ہمم۔۔" کمال نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

کیا انسان کے لیے محبت اتنی ضروری ہوتی ہے کہ وہ سب کچھ بھلا بیٹھے؟ شاید ہاں۔۔! تبھی تو اُس کے حصول کے لیے انسان کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، یہاں تک کے جان بھی گنوا دیتا ہے اور اف تک نہیں کرتا۔ نہ جانے محبت میں ایسا کیا ہے جو انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو بھی کھا جاتی ہے۔۔

وہ یہی سب کچھ اپنی سوچوں میں سوچ رہا تھا جب عادل نے اُسے مخاطب کیا۔

"کل ہم بھی چلیں حویلی میں؟ تم بھی دیکھ لینا چھوٹی مالکن کو؟" کمال نے اپنی یادوں کی دنیا سے باہر آکر بس عادل کو خاموشی سے دیکھا۔

"ارے کیا ہو گیا ہے؟" عادل نے کمال سے پوچھا۔

"نہیں کچھ نہیں کل نماز کے بعد دیکھتے ہیں۔۔" کمال کہیں کھویا ہوا سا لگ رہا تھا۔

"صحیح جیسے تمہیں مناسب لگے۔۔ ویسے میرے خیال میں امی اور خالہ تو لازمی جائیں گی اُن کی طرف تو ہم بھی تب ہی چلیں گے، اگر ایسے اکیلے گئے تو وہ کونسا ہمیں ملنے آئے گی؟" عادل نے اپنی طرف سے بڑی سمجھداری والی بات کی تھی۔

"جیسے اُس دن امی اور خالہ ملنے گئے تھے تو وہ آئی تھی اُن سے ملنے ہے نا۔۔؟" کمال نے طنز کیا تھا۔

"یار سنا تو تھا تم نے کہ وہ سوئی ہوئی تھی۔۔" عادل نے اُس کی حمایت کی تھی۔ شاید؟

"اچھا ٹھیک ہے نا۔۔"

"اتنی سڑی ہوئی باتیں کیوں کر رہا ہے تو؟"

"کیونکہ مجھے نہیں پتہ اب کل کیا ہونے والا ہے۔۔" وہ پریشان تھا۔ محبت ملنے پر بھی انسان ڈرا ہوا ہوتا ہے کہ کچھ ایسا نہ ہو جائے جو اُس کی محبت چھن جانے کا باعث بن جائے اور اُسے تو ابھی تک ملنے کے کوئی آثار بھی نظر نہیں آرہے تھے الٹا سب حالات ہاتھ سے نکلتے ہوئے دکھ رہے تھے جس کی وجہ سے وہ خاصا پریشان ہو رہا تھا۔

"پریشان لگ رہا ہے؟" عادل نے چلتے چلتے ہی اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔۔

"نہیں بس تھوڑا عجیب سا لگ رہا ہے اگر اُس نے انکار کر دیا تو؟ اگر وہ یہ اپنے گھر میں بتا دے گی تو مہک کی بات تو سچ ہو جائے گی اور پھر؟ میری امی اور ابا کی عزت میری وجہ سے خراب ہو گی؟" وہ پریشانی کے عالم میں بولے جا رہا تھا۔

"ارے ایسا نہیں ہو گا تو بس فکر نہ کر۔۔ تجھے پتہ ہے میرے ابا کیا کہا کرتے تھے؟" اُس نے اپنی آنکھ کے اشارے سے

کمال سے دریافت کیا۔

کیا۔۔؟"کمال نے فوراً پوچھا۔"

"زندگی پہلے سے لکھی جا چکی ہے، جو ہونا ہے تمہاری زندگی میں وہ ہو کر ہی رہے گا، تم کب، کہاں اور کس کی اولاد بن کر اس دُنیا میں آؤ گے۔ آپ اپنا بچپن کیسے جیو گے، زندگی میں کون سا امتحان آئے گا، آپ کی مشکل میں آپ کا وسیلہ کون بنے گا۔ حتیٰ کہ رزق، ہمسفر، دکھ سکھ، آزمائش سب کچھ تو لکھا ہے۔ تو میرے پیارے دوست۔۔ اگر وہ تمہارے نصیب میں ہے تو تمہیں کسی بھی حال میں مل جائے گی پریشان نہ ہوا کر۔۔"عادل نے بات کو مکمل کر کے اُس کی طرف دیکھا جو کسی حد تک اُس کی بات سے متاثر ہوا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے بعض اوقات انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی منزل کیا ہے مگر وہ پھر بھی اللہ کی قدرت کو بڑا جانتا ہے کہ کوئی معجزہ ہو جائے اور اُسے وہ ناممکن چیز مل جائے کیونکہ اللہ کے آگے تو اس کل کائنات کی کوئی چیز بڑی نہیں وہ جسے چاہے جیسا چاہے ویسا نواز سکتا ہے اور میں کبھی کبھی ڈر جاتا ہوں اور مجھے بس اپنی اسی بات پر افسوس ہوتا ہے۔ ناامیدی کی سوچ لانا بھی میرے لیے کفر ہے مجھے ایسا خیال بھی اپنے ذہن میں نہیں لانا چاہیے مگر۔۔ شیطانی وسوسے وہ مجھے اپنی لپیٹ میں لیے جا رہے ہیں۔۔"عنقریب تھا کہ وہ اپنے سر کے بالوں کو اپنی مضبوط مٹھیوں میں جکڑ لیتا۔

"اچھا ابھی ان سب باتوں کو ذہن سے نکال دو اور اللہ پر کامل یقین رکھو سب کچھ اچھا ہو گا۔۔"کمال نے اُس کی طرف دیکھتے ہاں میں سر ہلایا۔۔

"چلو چلتے ہیں گھر۔۔"عادل نے اُسے بازو سے تھامے گھسیٹنے کے انداز سے کھینچا۔۔

"اچھا بھئی اب گرانا چاہتا ہے مجھے؟"کمال نے اپنا کندھا عادل کے ہاتھ سے چھڑوانا چاہا۔ لیکن عادل کی گرفت مضبوط تھی، اور کمال نے بنا کوئی مزاحمت کیے اُس کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔

وہ دونوں گھر پہنچ چکے تھے، سارا سامان زاہدہ کو دکھایا اور کچھ سکھ کا سانس آیا اس بار سارا سامان آ چکا تھا۔

"شکر ہے اب ایسا کرو کہ عادل صبح کے لیے کپڑے جو سلائی کے لیے درزی کو دے کر آئے تھے تم اپنے وہ جا کر ذرا اٹھا لاؤ، پیسے میں نے اُسے پہلے ہی دے دیے تھے بس جا کر کپڑے ہی پکڑنے ہیں۔۔"زاہدہ جلدی جلدی صبح کے لیے مختلف لوازمات بنانے میں جُتی ہوئی تھیں۔

"ٹھیک ہے ماں وہ بھی لے آتے ہیں۔۔"وہ ابھی باہر جانے کے لیے مڑا ہی تھا (کمال بھی اُسی کے ساتھ تھا) تو زاہدہ نے اُسے آواز دی۔

"ساتھ میں رامو کاکا سے پیسے بھی لیتے آنا کھیت کے۔۔ (ٹھیکے پر دی جانے والی کھیت)۔"

"جی ماں لے آؤں گا۔ کچھ اور بھی کام ہے تو ابھی بتا دیں۔" عادل نے خاصی بیزاری سے کہا تھا وہ صبح سے بار بار چکر لگا کر خاصا کوفت محسوس کر رہا تھا۔

"نہیں ابھی کے لیے تو بس یہی کام ہے کچھ اور یاد آیا تو واپسی پر بتا دوں گی۔۔" زاہدہ نے بنا اس کی طرف دیکھے کہا تھا۔

"ماں میں اب کہیں نہیں جاؤں گا تھک گیا ہوں باہر کے چکر لگا لگا کے، آپ ایک ہی بار سب کچھ یاد کر لیں اور لسٹ بنا لیں ایک ساتھ ہی سب کچھ ہو جائے۔۔" اُس کی اس بات پر زاہدہ نے ایک گہری نظر اُس کے وجود پر اچھالی تھی۔

"جو کام کہا ہے نا وہ ہی کرو۔۔۔ میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔" اُن کے لہجے میں واضح تھا کہ اب مزید کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔

وہ دونوں بنا کچھ باہر نکل گئے تھے۔

"اتنی سختی بھی اچھی نہیں ہوتی زاہدہ، ایک ہی تو بیٹا ہے تیرا۔ نہ اُس کے سر پر باپ کا سایہ ہے اور نہ ہی کوئی بہن بھائی ہے اُس کا۔ ایک تو ہی بچتی ہے اُس کے پاس تو ذرا لاڈ بھی کر لیا کر۔۔" زاہدہ کے پیاز کاٹتے ہاتھ ایک دم رُکے تھے۔

"تمہیں پتہ ہے شمیم جب بچوں پر، خاص کر لڑکوں پر باپ کا سایہ نہ ہو تو انہیں پالنا کتنا مشکل ہوتا ہے، میں پچھلے دو سالوں سے اس پر بہت سختی کرنے لگی ہوں۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتی لڑکے آوارہ ہو جائیں تو بعد میں ہاتھ نہیں آتے۔"

"تو اس طرح کی سختی کرنے سے اگر وہ تم سے متنفر ہو جائے تو کیا کرو گی۔۔؟"

"ارے نہیں شمیم۔ گھر کے کام کروانے میں کیا ہی حرج ہے۔۔؟"

"بات گھر کے کاموں کی نہیں ہے زاہدہ۔ تم نے اُسے پچھلے ایک ہفتے سے گلے سے نہیں لگایا، اُس سے لاڈ نہیں کیا۔ اس کی کوئی بات نہیں سُنی نہ ہی اُسے کوئی اہمیت دی ہے۔۔" ایک ہی جست میں عادل کے دل کی باتیں شمیم نے زاہدہ کے سامنے رکھ ڈالی تھیں۔

"میں بھی ایک ماں ہوں، ان کا باپ بھی تو ان کے سر پر نہیں ہے۔ کہاں ہی وہ آکر دیکھ لے گا کہ میں کتنی ہی انکی دیکھ بھال کرتی ہوں۔ یاں میں کتنا کمال اور مہک کو ڈانٹتی ہوں؟ سختی کرنے سے بچے باغی ہو جاتے ہیں، اُن کو اتنا اعتماد تو دو کہ وہ اپنی ہر بات آپ سے کھل کر کر سکیں۔۔ بچوں پر کام کا اتنا دباؤ بھی نہیں ڈالنا چاہیے کہ کام سے ہی خار کھانا شروع کر دیں۔۔۔"

"ہم لڑکیاں کتنی حساس ہوتی ہیں، ہمیں کوئی ذرا سی بھی بات کر دے تو دل پر ایسی چھریاں چلتی ہیں جو بیان بھی نہیں کی جا سکتیں۔ تو کیا لڑکے بنا احساسات کے ہوتے ہیں؟ انہیں تکلیف نہیں ہوتی ہو گی کیا؟" پیاز کاٹتے ہاتھ ایک لمحے کو تھمے تھے۔

"تم نے اپنا شوہر کھویا ہے، لیکن اُس نے بھی تو اپنے باپ کو کھویا ہے۔۔ تم دونوں کا دُکھ بہت بڑا ہے۔ تو صرف اُس پر سختی کرنے سے کچھ نہیں ہو گا، اُسے پیار بھی دو تا کہ اپنے باپ کی کمی اُسے محسوس نہ ہو۔" زاہدہ نے بنا پلکیں جھکائے ہی اُس کی

طرف دیکھا۔ خاموشی سے وہ شمیم کی باتیں سُن رہی تھیں۔
"اب کچھ بولو گی۔۔؟" انہیں خاموش پا کر شمیم نے زاہدہ کو مخاطب کیا۔
"میں سوچ رہی تھی شمیم کے ایک اکیلی عورت کے لیے اپنے بچوں کو پالنا کتنا مشکل ہے نہ جانے اللہ پاک نے میرے لیے یہ آزمائش کیوں لکھ دی ہے۔۔" وہ اب رو دینے کو تھیں۔۔
"اس کا اجر تمہیں آخرت میں بہت اچھا ملے گا، بس اپنی اولاد کو خوش رکھنے کی کوشش کرو زاہدہ۔ کل کو جب تم اُس کی شادی کرو گی تو وہ طرح کے خطرے ہیں۔۔" شمیم نے بڑے سنجیدگی بھرے انداز سے کہا تھا۔
"کیسا خدشہ۔۔" زاہدہ اپنے بیٹے کے ذکر پر خاصی نرم پڑ چکی تھیں۔ اب وہ ڈر بھی رہی تھیں ایک ہی تو بیٹا تھا اُن کا۔
"اگر اُس کی زندگی میں کوئی ایسی لڑکی آئی جو اُسے بہت محبت دے گی اُس کا خیال رکھے گی تو وہ آہستہ آہستہ تمہیں بھول جائے گا، اور تمہیں پتہ ہے کہ بیویاں آجائیں تو لڑکے ویسے بھی ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اس لیے محبت سے اس رشتے کو سینچو اور مزید مضبوط کرو۔ اور اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنی بیوی سے دور رہے یاں اُس کے ساتھ گھر میں کوئی خلل پیدا ہو بس اس لیے کہ وہ تمہارے بوڑھاپے کا سہارا ہے اس کا خیال رکھا کرو۔۔"
"اور دوسرا۔۔؟" زاہدہ نے شمیم کے خاموش ہوتے فوراً پوچھا۔
"اگر اُس کا ہمسفر ایسا ہوا جو اُسے محبت نہ دے پایا؟ تو وہ ہمیشہ ہی اس محبت کے لیے ترستا رہے گا جو نہ ہی اسے اپنی ماں سے اور نہ ہی اپنی بیوی سے ملی۔ اس لیے جتنا ہو سکے اپنی اولاد کو پیار دو آگے آنے والی تلخیوں کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا ہوتا زاہدہ۔۔" شمیم نے بڑے تھکے سے لہجے میں کہا۔
"ہاں میں جانتی ہوں آگے زندگی کس طرف جائے گی کچھ معلوم نہیں ہوتا۔۔"
"تو پھر بھی تم اُسے لاڈ پیار نہیں کرتی، اپنے دل کو اتنا سخت مت بناؤ کہ تمہاری وجہ سے تم دونوں ماں بیٹے کی زندگی اجیرن بن جائے۔۔" اتنا کہہ کر زاہدہ نے پیاز کاٹنے شروع کر دیے۔ باورچی خانہ کی جالی دار کھڑکی سے اُس نے باہر دیکھا، ہلکا ہلکا اندھیرا ہو رہا تھا۔
"مہک بیٹا آٹا گوندھ دو گی۔۔؟" شمیم نے مہک سے پوچھا تھا۔
"جی ماں میں گوندھ دیتی ہوں۔۔" وہ کہتے ہی ہاتھ دھونے کے لیے نل کے نیچے ہاتھ دیے اُن پر پانی ڈال ہی رہی تھی کہ باہر سے کسی کی آواز گونجی۔
"زاہدہ بی بی۔۔۔۔!" زاہدہ جو پیاز کاٹ کر ہنڈیا میں ڈالے اب چمچ ہلا رہی تھی یک دم چونکی۔
"یا اللہ خیر اس وقت حویلی سے کون آیا ہے۔" یہ حویلی کے کسی ملازم کی آواز تھی، زاہدہ پتیلی میں چلتا چمچا شمیم کو تھمائے

باہر کو آئی۔

"سب خیر ہے افضل بھائی؟ اس وقت خیر سے آنا ہوا؟"

"جی زاہدہ بی بی بڑے سردار کی طرف سے بلاوا آیا ہے۔۔" افضل نے زاہدہ کو گھر کی دہلیز کے باہر ہی کھڑے رہتے ہوئے کہا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟ سب خیر ہی ہے نا۔۔؟" زاہدہ گھبرا گئی تھیں۔

"چلو۔" اتنا کہہ کر اُنھوں نے اپنا سر دوپٹے سے کس کر ڈھانپا اور باہر نکلنے ہی لگی تھیں جب افضل نے انہیں روکا۔

"بس آپ کو نہیں بلایا، مہک بی بی جی اور شمیم بی بی کا بھی کہہ رہے تھے کہ اُن کو اپنے ساتھ لانا ہے، کل عید ہے تو گاؤں کی ساری لڑکیاں اور عورتیں حویلی میں ہیں۔۔" افضل نے بس اتنا کہا اور زاہدہ کی سمجھ میں سب آ گیا۔

عید سے پہلے سب لڑکیاں حویلی میں مہندی لگاتی ہیں اور عید کی تیاریوں میں مگن رہتی ہیں، مہک چونکہ نئی تھی اس لیے شہریار نے اُسے خود ہی بلوا لیا تھا۔

"اچھا افضل بھائی آپ جائیں میں اُسے کچھ دیر تک خود ہی حویلی میں چھوڑ جاؤں گی۔۔" اتنا کہہ کر زاہدہ نے باہر کی لکڑی کے دروازے کا آدھا پٹ کھلا چھوڑ دیا۔ افضل ہاں میں سر ہلاتا ہوا وہاں سے خاموشی سے چلا گیا۔

"بیٹا مہک بات سنو۔۔۔ حویلی سے سردار نے ہمیں بلایا ہے، جلدی سے ہاتھ منہ دھو لو وہاں جانا ہے۔۔" مہک اور شمیم جو کھانے کے مختلف لوازمات بنانے میں مصروف تھیں زاہدہ کی بات سُن کر دونوں کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

"کیوں؟ وہاں اس وقت کیوں جانا ہے؟" جھٹ سے شمیم نے پوچھا تھا۔

"شہریار بھائی نے بلایا ہے، کل عید ہے تو مہک بیٹیا بھی ذرا مہندی وغیرہ لگوا لے گی۔۔" زاہدہ کے چہرے پر بڑا گہرا تبسم سا بکھر گیا تھا۔

"اچھا اچھا۔۔ تو بس مہک کے لیے ہی بلاوا آیا ہے؟ ہم نہیں جا سکتے۔۔؟" شمیم نے حسرت سے پوچھا۔

"ہاں ہاں سب کو بلایا ہے اُنھوں نے۔ جلدی جلدی تیار ہو جاؤ پھر چلتے ہیں۔۔" زاہدہ نے جیسے پہلے سے ہی سارا منصوبہ تیار کر رکھا تھا۔

"ہاں صحیح ہے بچے آتے ہیں تو ان کو گھر چھوڑ کر ہم تینوں چلتے ہیں۔۔" شمیم نے خوشی سے کہا۔

اُن تینوں کے ہاتھ اب تیزی سے چلنے لگے تھے۔

تقریباً آدھ پونا گھنٹہ لگا تھا جب وہ اپنا سارا کام ختم کیے بالکل تیار بیٹھی تھیں انتظار تھا تو بس کمال اور عادل کا۔

"نہ جانے یہ دونوں کہاں رہ گئے ہیں؟ اوپر سے افطار کا بھی وقت قریب آتا جا رہا ہے۔۔" شمیم نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے

کہا تھا۔

"آجاتے ہیں ماں تھوڑی دیر اور انتظار کر لیتے ہیں۔۔" مہک نے بڑے صبر و تحمل سے کہا تھا۔۔

افطار میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے جب وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے۔۔

"اتنی جلدی آنے کا بہت شکریہ تم دونوں کا۔ پتہ نہیں سامان لینے گئے تھے یا بنانے گئے تھے۔۔" انہیں دیکھتے ہی مہک نے اپنی زبان سے انگارے پھینکے تھے۔

"خیر تو ہے اتنا غصہ۔۔؟" عادل نے ایک نظر زاہدہ کو دیکھا پھر دوبارہ سے مہک کی جانب متوجہ ہوا کہ زاہدہ بولیں۔

"حویلی جانا ہے ہم تینوں نے ابھی، تم دونوں کے لیے کھانا لگا دیا ہے کھا کر برتن سمیٹ دینا آکر دھو لیں گے ہم۔۔ ابھی ہم چلتے ہیں۔۔ اور جو پیسے رامو کاکا سے لیے ہیں انہیں اندر والے بکسے میں رکھ دینا، ہم کوشش کریں گے کہ وقت سے آ جائیں۔۔" اتنا کہہ کر شمیم نے بھی اپنے سامنے کھڑے ان دو لڑکوں کو ہدایات دیں اور حویلی کے لیے وہ تینوں نکل گئیں۔۔

پیچھے وہ دونوں اب کمرے کی طرف ہو لیے۔۔

"تمہیں کیا لگتا ہے عادل۔۔ مہک لے کر گئی ہو گی؟" کمال نے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، جیسے اُسے اس بات کو کرنے سے بھی شرمندگی ہو رہی ہو۔۔ وہ افطار کے لیے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا۔۔؟" عادل نے ناسمجھی میں کمال کی جانب دیکھا تھا۔

"وہ خط جو تم نے دوپہر کو اُسے تھمایا تھا۔۔" اس وقت سردی کی شدت بہت زور پکڑ رہی تھی اُس کا ناک ٹھنڈ سے سرخ ہو چکا تھا۔

"پہلے افطار کر لیں؟ پھر اس پر بات کرتے ہیں۔۔" عادل نے اتنا سا کہا اور دعائیں کرنے لگا۔ کمال نے بھی خاموشی سے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا لیے تھے۔۔

✿ ✿ ✿

حویلی میں تقریباً پندرہ کے قریب گاؤں کی لڑکیاں موجود تھیں کچھ ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھیں اور کچھ لگوا رہی تھیں۔ کچھ بالوں کو سنوارنے میں مصروف تھیں جب زاہدہ، شمیم اور مہک حویلی کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوئیں تھیں۔

"بچو۔۔۔! جس جس کا روزہ ہے وہ فوراً سے ادھر آ جائے افطار کے لیے۔۔" اتنا کہتے ہی رضیہ بیگم کی نظر دور سے آتی ہوئی زاہدہ اور شمیم پر پڑی۔

وہ وہیں سے اُن کی طرف چل پڑیں۔ درمیان سے ایک بڑے صحن کو عبور کرتی وہ ان سے جا ملیں۔

"آجائیں زاہدہ اور شمیم بہت اچھا ہوا کہ آپ بھی آگئی ہیں دونوں۔۔ چلیے افطار کا وقت ہو چکا ہے۔۔"

رضیہ شمیم کا ہاتھ تھامے انہیں اپنے ساتھ لیے ڈائننگ روم میں لے چلی گئیں۔ مہک وہیں سے اُن لڑکیوں کی طرف چل دی جو ہاتھوں پر مہندی لگانے میں مصروف تھیں اور اب افطار کا سُن کے اپنے کام درمیان میں ہی روک چکی تھیں۔

وہ وہاں جا کر خاموشی سے بیٹھ گئی، اپنی نظریں ادھر ادھر دوڑاتی وہ کسی کی تلاش میں تھی۔۔ وہاں بیٹھی تین چار لڑکیوں سے اُس نے بات کرنے کی کوشش کی مگر نہ وہ انہیں جانتی تھی اور نہ ہی اس وقت اُس کا ذہن کسی سے جان پہچان بنانے میں تھا۔۔ اُس نے ایک طرف سے زہرہ کا نام سُنا تھا۔۔

اُس کے کانوں نے اُس آواز کا تعاقب کیا تھا۔ اُس نے اپنی گردن ذرا اوپر اٹھا کر ذرا پیچھے بیٹھی ایک لڑکی کی طرف نظریں جمائیں۔۔

وہ سب سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی، نجانے وہ کون؟ مہک نے اپنے ذہن میں سوچا تھا۔

ایک بار پھر وہ گردن سیدھی موڑتی خاموشی سے بیٹھ گئیں۔۔

صفیہ کھانا لیے اُس بڑے سے ہال میں داخل ہوئی۔ صفیہ کے ساتھ اور دو ملازمائیں بھی تھیں۔ اُنہوں نے نیچے بچھے قالین پر کھانے کو اچھے انداز سے لگا دیا تھا۔

اور نیچے بچھے قالین پر سب لڑکیاں گول دائرے میں بیٹھ گئیں۔ مہک بھی انہی کے ساتھ بیٹھ گئی مگر وہ ابھی تک پریشان حال تھی۔

اُس کے ہاتھ کی مٹھی میں جکڑا وہ کاغذ اس نے مزید مضبوطی سے جکڑ لیا۔

افطار کا وقت ہو چکا تھا، باہر اذان شروع ہو چکی تھی۔۔

سب نے دعا کے بعد افطاری شروع کر دی۔۔

کھانا کھاتے ہوئے وہاں خوش گپیوں کی جو آوازیں آرہی تھیں اُن آوازوں میں وہاں خاموشی سے بیٹھی مہک بس زہرہ کی تاک لگائے بیٹھی تھی۔

کون کہتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے کچھ نہیں کرے گی۔۔ بہنیں تو بھائیوں کو ہمیشہ اپنی خوشیاں بھی دینے پر آمادہ ہو جایا کرتی ہیں۔۔ وہ بھی جان دے سکتی تھی۔

وہ تقریباً کھانا کھا ہی چکی تھی جب کسی نے زہرہ کا نام پکارا تھا، مہک نے فوراً سے اپنا سر اوپر کو اٹھا کر دیکھا۔

کمرے میں ایک لڑکی داخل ہوئی تھی، سفید کرتے پاجامے میں سر پر ذرا سا لٹکا ہوا دوپٹہ، بالوں کی لمبی چٹیا، لبوں پر لپ

اسٹک تھی یا نہیں اسے اندازہ نہیں ہوا تھا۔ اُس کے ہونٹ بہت گلابی تھے شاید۔
ہاتھوں میں لال رنگ کی چوڑیاں پہنے وہ کوئی معصوم سی اپسرا الگ رہی تھی۔ مہک کی نظریں اُسے دیکھ وہیں اٹک گئی تھیں، یقیناً وہ بلا کی حسین تھی۔
اُس کے ہونٹوں پر مسکان آئی تھی، اُس کے بھائی کا انتخاب واقع میں لاجواب تھا۔ اُسے زہرہ راجپوت بہت اچھی لگی تھی۔
اُس نے آخری نوالہ کھایا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔
زہرہ کی ایک نظر اُس پر پڑی تو وہ خود ہی اُس کی طرف چل پڑی ۔ مہک کو وہ کافی سادہ، خوش اخلاق اور ملنسار لگی تھی۔
وہ اب مہک سے ہاتھ ملا رہی تھی۔
"تمہارا نام کیا ہے؟" زہرہ نے مہک سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا تھا۔
"مہک ناز۔۔" مہک نے بس اپنا نام بتایا تھا۔
"کھانا کھا لیا ہے تو مہندی لگوا لیں؟" زہرہ نے اُسی سادگی اور خوش اخلاقی سے پوچھا۔
مہک نے اپنا سر اثبات میں ہلایا اور زہرہ نے اُس کا پکڑا ہاتھ جو تب سے چھوڑا ہی نہیں تھا مزید اپنی مٹھی میں دبایا اور اُسے ساتھ لیے گاؤں کی سب سے خوبصورت مہندی لگانے والی کے پاس لے گئی۔
"کومل۔۔۔ مہک کو اچھی سی مہندی لگانی ہے۔۔" مسکراتے ہوئے کہتی وہ مہک کو وہاں بٹھاتی اب مخمل سے باتیں کرنے لگی تھی۔ جب مخمل نے زہرہ کے کان میں کچھ کہا۔
اُس نے فوراً سے مڑ کر اپنے پیچھے بیٹھی مہک کو دیکھا ۔
"یہ کمال کی بہن ہے۔"
اپنے کان میں زہرہ کو بار بار مخمل کے الفاظ بازگشت کرتے معلوم ہو رہے تھے۔
"کیا واقع میں؟" زہرہ نے ذرا آگے کو ہوتے قدرے تعجب سے پوچھا۔
"ہاں نا۔۔۔! وہ جو باہر ابھی تمہیں ایک عورت ملی تھی، جسے تم خالہ کہہ کر پکار رہی تھی وہ کمال کی ماں تھی۔۔" مخمل کی بات پر وہ چند ثانیے خاموش رہی ۔
"اچھا۔۔۔!" کافی وقت کے بعد وہ بولی تو بس اتنا۔۔
"کل شاید کمال بھی آئے۔" مخمل نے سرگوشی بھرے انداز میں کہا تھا۔
زہرہ جو مہندی لگوانے کے لیے بیٹھی تھی اُس کا دل اب ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔
"تمہیں کمال پسند ہے نا۔۔ ہے نا۔۔!" مخمل کی بات سُن کر زہرہ کے کان کی لو تک سُرخ ہو گئی تھی۔

اُس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا کیسی کیسی باتیں کر رہی ہو۔۔" زہرہ نے اُسے ڈپٹ دیا تھا۔

"جو مجھے لگا، میں نے محسوس کیا۔ میں نے تو وہ تمہیں بتا دیا۔" مخمل نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

زہرہ نے اُسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"اچھا نا۔۔ اب مہندی لگواؤ، کل عید ہے خالی ہاتھوں کی عید بھی کوئی عید ہوتی ہے۔۔"

زہرہ نے اُس کی بات سُن کر سر کو ذرا خم دیا اور مہک کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اُسے بھی کومل سے ہی مہندی لگوانی تھی۔

مہک نے اپنا ہاتھ ذرا آگے کر کے زہرہ کو دکھایا۔

"بہت پیاری مہندی لگ رہی ہے تمہارے ہاتھ پر مہک۔۔" زہرہ نے اُس کے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" مہک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کومل مہک کے دوسرے ہاتھ پر بھی مہندی لگا چکی تھی جب رضیہ، شمیم اور زاہدہ ہال میں داخل ہوئیں۔

شمیم نے آگے بڑھتے ہوئے مہک کے ہاتھوں پر لگی مہندی کو دیکھا۔

"ارے ماشاللہ بہت خوبصورت مہندی لگی ہے مہک بیٹا تمہارے ہاتھ پر۔۔"

مہک نے بس مسکراتے ہوئے ایک نظر شمیم کو دیکھا اور پھر پاس کھڑی زہرہ کو۔ وہ اُسے دیکھ کر ایک عجیب سی اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیسے وہ اسے کمال کا دیا ہوا خط دے گی اور اگر دے بھی دیا تو کیا بھروسہ کہ وہ اگلے ہی لمحے اُسے گھر سے نکل جانے کا نہ کہہ دے گی؟

"بیٹا تم نے کھانا کھا لیا تھا نا؟" مہک کے مہندی والے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے رضیہ نے پوچھا، مہک نے انکار میں سر کو جنبش دی۔ کیونکہ وہ ایک دو نوالوں سے زیادہ کھا نہیں سکی تھی۔

"اوہ۔۔ رکو میں ابھی صفیہ کو کہتی ہوں وہ تمہیں کھانا لا کر دیتی ہے۔" رضیہ نے فوراً صفیہ کو آواز دیتے ہوئے اپنے پاس بلایا۔

"صفیہ جاؤ مہک کو کھانا لا کر دو، اُس نے کھانا نہیں کھایا ٹھیک سے۔" صفیہ نے سر کو جنبش دی اور ہال سے باہر نکل گئی۔

"آؤ زہرہ میں تمہیں مہندی لگا دوں۔" کومل جو اب فارغ تھی مہک کو مہندی کے لیے پاس بلاتے ہوئے ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ہاں آتی ہوں۔" اتنا کہہ کر زہرہ نے کومل کی جانب رُخ کیا۔ اتنے میں ہی وہاں صفیہ کھانا لیے داخل ہوئی۔

"یہ لیں مہک بی بی کھانا کھا لیں اور کھا کر آواز لگا دیجئیے گا میں برتن اُٹھا کر لے جاؤں گی۔" صفیہ اُسے کھانا دیتی دوبارہ سے

باورچی خانے میں چلی گئی۔

زہرہ اب بیٹھی مہندی لگوا رہی تھی، نرم و سفید ہاتھوں پر مہندی لگواتے ہوئے وہ کافی خوش لگ رہی تھی۔

کومل جو خاموشی سے اپنا کام ایک فریضہ سمجھ کر ادا کر رہی تھی اور اُس میں مگن تھی اُسی لمحے محمل نے زہرہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"کمال کی بہن بہت پیاری ہے، ہے نا۔۔۔؟" زہرہ کی مسکراہٹ ایک لمحے کو تھمی تھی۔

"کم از کم ابھی تو اپنا منہ بند رکھو۔۔" زہرہ دبی دبی آواز میں غرائی تھی، اُس نے ایک نظر سامنے مہندی لگاتی کومل پر ڈالی وہ ابھی تک مہندی لگانے میں مگن تھی۔

"کچھ دیر تو خاموش رہ لو۔ یہ بات بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔" زہرہ نے اب کی بار چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا تھا۔ وجہ مہندی لگاتی کومل کا سر کو ذرا اوپر اُٹھا کر اُن دونوں کو دیکھنا تھا۔

محمل سٹپٹائی نظروں سے اب زہرہ کو دیکھ رہی تھی، وجہ اُس کے لہجے میں گھلی چاشنی تھی۔ چند ہی ثانیے لگے تھے اُسے یہ سمجھنے میں کہ یہ شیرینی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

وہ اب خاموش رہنے پر اکتفا کر رہی تھی۔

زہرہ کے ایک ہاتھ پر مہندی لگ چکی تھی۔ زہرہ سے ذرا دور بیٹھی مہک جو کہ کھانا کھا رہی تھی اُن دونوں کی ہونے والی سرگوشیوں سے وہ کافی حد تک اندازہ لگا چکی تھی کہ جو بھی بات زہرہ تک گئی وہ محمل تک بھی لازمی جائے گی۔

کھانا مہک کے حلق سے بمشکل ہی نیچے اُتر پا رہا تھا۔ دوپٹے کے آنچل سے بندھا وہ مُڑا تُڑا خط وہ کیسے دے گی زہرہ کو؟ اُسے یہ بے چینی کھائے جا رہی تھی۔

"کہاں پھنسا دیا کمال۔۔۔۔؟" وہ کھانا کھاتے ہوئے زہرہ کو دیکھ رہی تھی جو اب اپنے بائیں ہاتھ پر کومل سے مہندی لگوا رہی تھی۔

"ویسے کومل تم مہندی بہت خوبصورت لگاتی ہو۔" زہرہ نے اپنے دائیں ہاتھ کو غور سے دیکھا تھا۔

"ارے چھوٹی مالکن یہ تو بس لگا لگا کر اب ہاتھ میں اتنی صفائی آ گئی ہے کہ آنکھیں بند کر بھی لگا سکتی ہوں۔۔"

"ارے چل جھوٹی۔۔۔ آئی بڑی آنکھیں بند کر کے بھی لگا سکتی ہو۔۔" اس سے پہلے کے کومل کچھ اور کہتی اُس کی بات سنتے ہی محمل نے جھٹ سے کہا تھا۔

اُس کی یہ بات سُن کر زہرہ کے تیور بگڑے تھے۔

"محمل کبھی تو دماغ سے سوچ کر بول لیا کرو۔۔" زہرہ نے اُسے پھر سے ڈپٹا تھا۔ کومل کو بُرا لگا تھا۔

محمل اپنا منہ پھلائے وہاں سے اُٹھ کر باہر کو چلی گئی۔ مہک کھانا کھا چکی تھی، زہرہ کے ہاتھ پر مہندی لگ چکی تھی۔ کومل اب کسی اور کو مہندی لگانے کے لیے وہاں سے اُٹھ کر آگے کو بڑھ گئی۔

محمل غصے سے پیر پٹختی ہال سے باہر نکل گئی تھی زہرہ اکیلی بیٹھی تھی۔

مہک کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔

جاؤں یا نہ ؟ کی کشمکش میں وہ پھنسی بنا کچھ سوچے سمجھے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے آنچل سے بندھا خط اُس نے بہت مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے قدم بھرتی وہ بالکل زہرہ کے پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"زہرہ۔۔!" بڑی مدھم سی آواز میں مہک نے اُسے بلایا تھا۔

زہرہ جو نہ جانے خاموشی سے بیٹھی اپنی مہندی کو دیکھتی کیا سوچ رہی تھی جب مہک کی آواز پر اُس نے اپنی گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔

"ارے۔۔، آؤ مہک۔" ایک طرف کو ہوتی وہ اُسے بیٹھنے کے لیے جگہ دے رہی تھی۔ مہک خاموشی سے اُس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کھانا کھالیا تم نے مہک ؟" زہرہ کے سوال کرنے پر مہک نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"تمہاری مہندی بھی خشک ہو چکی ہے میری بھی ذرا سوکھ جائے پھر جا کر ہاتھ دھو آئیں گے۔" زہرہ بڑے دوستانہ لہجے میں اُس سے باتیں کر رہی تھی جبکہ وہ خاموش بیٹھی اپنی حالت سے پریشان ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا سب ٹھیک ہے نا؟" زہرہ نے اُس سے قدرے نرم لہجے میں پوچھا تھا۔

"ہ ہاں۔۔ہ۔ہاں س۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔" پریشانی کے عالم میں کہتی وہ اب الفاظ بھی صحیح سے ادا نہیں کر پا رہی تھی۔

زہرہ کی گہری سیاہ آنکھوں میں دیکھنے سے بھی اُسے اُس وقت خوف آرہا تھا وہ اپنے ہاتھوں پر لگی مہندی کو یکٹک دیکھ رہی تھی۔

"ہجوم سے خوف آتا ہے کیا تمہیں؟" زہرہ کو اُس وقت بس یہی سوجھا تو اُس نے پوچھ لیا۔ مہک نے بھی ہاں میں سر ہلا دیا۔

"اچھا آؤ کچھ دیر یہاں سے باہر چلتے ہیں۔" پھر پُر سوچ انداز میں اُس نے کہا۔

"بلکہ آؤ میں تمہیں اپنی حویلی دکھاتی ہوں۔۔" مہک نے بنا کچھ کہے سر کو ہاں میں ہلایا اور اُس کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

زہرہ آگے آگے تھی اور مہک اُس کے پیچھے پیچھے چلتی ہال سے باہر نکل آئی۔

حویلی میں داخل ہوتے ہی، بائیں جانب یہ ہال آتا ہے جس سے وہ ابھی باہر نکلی تھیں، اُس کے اندر تقریباً پچاس لوگ ایک ساتھ بیٹھ سکتے تھے۔ اُس کی دائیں جانب سیڑھیاں تھی اور ہال سے ذرا بڑا صحن تھا جس میں پھول وغیرہ لگے تھے۔

"پہلے سیڑھیوں سے اوپر چل کر اوپری منزل دیکھ لیں؟ یاں بعد میں؟" زہرہ نے مہک کو چپ دیکھتے ہوئے اُس سے سوال کیا۔

"جیسا آپ کو مناسب لگے۔۔" مہک نے ابھی تک خط کو اپنے ہاتھوں میں دبوچ رکھا تھا۔

"اچھا چلو اوپری منزل بعد میں دیکھیں گے ابھی آؤ حویلی کا باقی حصہ دکھاتی ہوں۔۔" زہرہ نے اُس کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے اُسے حویلی کے اندرونی حصے میں لے گئی۔ ہال کی دوسری جانب ہی ایک بڑا سا ہر چیز سے آراستہ کمرہ بنا ہوا تھا۔

"یہ ہمارا مہمان خانہ ہے جس میں اُس دن آپ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، باہر سے کوئی بھی آتا ہے تو یہیں بٹھاتے ہیں ماں اور بابا لوگ اُن کو۔۔" کمرے میں پرانی طرز کا لکڑی کا فرنیچر پڑا ہوا تھا، نیچے قالین بچھا تھا، لالٹین ایک طرف لٹکی ہوئی تھی، دیوار گیر سفید اور آتشی گلابی پردے جن پر کافی کام ہوا تھا چھت سے لے کر فرش تک ساری دیوار کو اپنے پیچھے ڈھانپے ہوئے کافی قیمتی معلوم ہو رہے تھے۔

مہک نے پُرستائشی نگاہوں سے اُس سارے کمرے کو نگاہیں دوڑا کر دیکھا۔

"بہت خوبصورت کمرہ ہے یہ۔۔" مہک نے بولا تو بس اتنا ہی۔۔

"ہاں ہے تو پیارا۔۔ اچھا چلو آؤ باقی کی بھی حویلی دکھاتی ہوں۔۔" کمرے سے باہر نکلتے ہوئے زہرہ نے اپنے مہندی لگے ہاتھ مہک کو دکھائے۔

"اچھی لگ رہی ہے نا؟" وہ چہکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ مہک نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔ "بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ دونوں ایک ساتھ کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

صحن سے آگے جاتے ہوئے ایک بڑا برآمدہ تھا، برآمدے سے آگے کمرے تھے اور کمروں کی ساری چھتیں مہمان خانے اور بڑے ہال سے جُڑی ہوئی تھیں، ایک چکور سی شکل میں وہ ساری حویلی بنی ہوئی تھی، لال اینٹوں سے بنی ہوئی عمارت بہت بادشاہی معلوم ہو رہی تھی، گملوں میں مختلف پودے اور پھول بہت پیارے لگ رہے تھے۔

"یہاں تو میں ساری عمر گزار سکتی ہوں زہرہ۔۔" ساری حویلی کو اپنی نظروں میں سماتے ہوئے وہ بولی۔ اُس کی بات سُن کر زہرہ مسکرا دی۔

"جو بھی یہاں آتا ہے اُسے پہلی بار دیکھنے میں حویلی بڑی پیاری لگتی ہے۔۔ اُس دن میں سوئی ہوئی تھی جب تم لوگ پہلی بار آئے تھے ورنہ میں اُسی دن تمہیں ساری حویلی دکھاتی۔۔" اتنا کہہ کر وہ اُسے اپنے کمرے کی طرف لے گئی تھی۔

"آج مجھے یاد آیا کہ میں اُس دن تم سے مل نہیں سکی، اس لیے بابا سے کہہ کر تمہیں بلوا لیا۔۔" اُس کی بات سُن کر مہک کو کافی حیرانی ہوئی تھی۔ اُس کے ذہن میں اُس دن کی بات آئی۔

"کتنی غلط تھی میں۔۔"اُس نے چلتے چلتے کہا۔

"کیا۔۔؟"اُس کی آواز زہرہ سُن چکی تھی۔ مہک نے ذرا شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے اُس دن لگا کہ ایک امیر لڑکی ہم جیسوں سے آخر کیوں ملنا چاہے گی۔۔؟"اپنے ناخنوں کو وہ ایک دوسرے سے چیخ رہی تھی۔

"ارے۔۔۔! میں امیر گھر میں پیدا ہو گئی اس میں میری کیا خوبی؟ یہ تو نصیب تھا نا۔۔ دل امیر ہونا چاہیے، پیسوں کا کیا ہے یہ تو کبھی آ جاتا ہے اور کبھی چلا جاتا ہے۔۔ اور یہ سب میرے بابا کہتے ہیں۔۔"اتنا کہہ کر وہ اپنے چہرے پر مہندی سے بھرا ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔

"میں اتنی سمجھدار نہیں ہوں جتنے میرے بابا ہیں وہی یہ سب مجھے بتاتے رہتے ہیں اور میں اُن کا کہا سمجھ جاتی ہوں بس۔۔" ہنستے ہوئے اُس نے اتنی پیاری بات کر دی اور اُسے خود بھی اندازہ نہیں تھا شاید۔

وہ دونوں اب کمرے میں آ چکی تھیں۔

"یہ میرا کمرہ ہے۔"اپنے دونوں ہاتھوں کو لہراتے ہوئے اشارتاً اُس نے کہا تھا۔ زہرہ کا کمرہ مہمان خانے سے تھوڑا چھوٹا تھا، مگر بیڈ اور باقی سارا فرنیچر بھی اُسی اعلیٰ معیار کا تھا جیسے وہ ابھی مہمان خانے میں دیکھ کر آئی تھی۔

"یہ میرے ناولز ہیں۔۔ اور یہ دیکھو راجہ گدھ۔۔ یہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔۔"زہرہ نے فوراً سے آگے بڑھ کر میز پر پڑے بانو قدسیہ کے ناول راجہ گدھ کو اُٹھایا اور مہک کو تھمایا۔

"بانو قدسیہ۔۔۔ یہ پاکستانی رائٹر ہیں۔۔"زہرہ نے بڑے فخریہ لہجے میں کہا تھا۔ مہک نے ایک بار پھر تعجب سے دیکھا تھا اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو۔۔

"زہرہ راجپوت ناول بھی پڑھتی ہے؟"وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں کیوں کہ کتاب پڑھنے سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے لیکن کتاب اچھی ہونی چاہیے۔۔ ہم ایک کتاب سے مختلف طرح سے الگ الگ لوگوں کی سوچ کو سمجھ سکتے ہیں، جان سکتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں کیا ہو رہا ہے اور لوگوں کی ایک ہی چیز کو لے کر کیا رائے ہو سکتی ہے، اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمیں ایک مسئلے کو صرف اپنے حساب سے نہیں دیکھنا چاہیے، کیونکہ ہر کسی کی نظر میں اُس مسئلے کا حل الگ ہو گا اور کتابیں سیکھاتی ہیں کہ کیسے آپ کو دوسرے لوگوں کی رائے اور اُن کے خیالات کی عزت کرنی ہے۔ بس نصابی کتب پڑھنے سے ڈگری حاصل کر لینے سے آپ کے پاس ایک کاغذ آ جاتا ہے لیکن اُس سے آپ کچھ ڈھنگ کا سیکھ نہیں پاتے۔۔"اپنی کالی سیاہ آنکھوں کو بنا جھپکے اُس نے بڑی ذہانت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ مہک اُس سے خاصا متاثر ہوئی۔

اُس کی بات سُن کر مہک کو اُس کی ذہانت پر واقع میں رشک آیا تھا اور اپنے بھائی کی پسند کی ذہانت دیکھ کر اُس پر پیار بھی آیا تھا۔

"کمرہ دیکھ لیا ہے تو پیچھے کا باغیچہ دکھاؤں؟" مہک نے خوشی سے سر کو زوروں سے ہلایا تھا اُس کی خوشی دیکھ کر زہرہ نے مہک کا ہاتھ تھاما۔

"اچھا رکو پہلے ہاتھ دھو لیں مہندی سوکھ چکی ہے رنگ بھی آ گیا ہو گا۔۔" اتنا کہہ کر وہ اُسے ہاتھ دھلوانے کے لیے واشروم میں لے گئی باری باری ہاتھ دھونے کے بعد اُنہوں نے خشک تولیے سے ہاتھ صاف کیے اور برآمدے میں چلنے لگیں۔۔

سارا برآمدہ لائٹوں سے روشن تھا۔ اُس پیلی روشنی میں وہ دونوں چلتی ہوئیں دور سے بہت پیاری لگ رہی تھیں، زہرہ نے سفید رنگ کی فراک پہن رکھی تھی اور مہک نے ہلکے پیلے رنگ کی شلوار قمیض جس کی آستینیں کہنیوں سے ذرا نیچے تھیں دوپٹہ سر پر ٹکائے دونوں نے اپنے گرد بڑی سی شال اوڑھ رکھی تھی۔

وہ دونوں ایک ہی طرح سے بڑی سلجھی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"یہ ماں اور بابا کا کمرہ ہے۔۔" شہریار اور رضیہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے زہرہ نے مہک کو بتایا۔۔ مہک نے بس سر کو ہلایا۔

"آجاؤ۔۔" شہریار اور رضیہ کے کمرے کے آگے سیڑھیاں بنی تھیں جو اوپر والی منزل پر جاتی تھیں۔

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ حویلی کی پچھلی طرف جانا ہے؟" مہک نے اُسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھا تو فوراً سے بولی۔

"ارے باہر دیکھو اندھیرا ہو گیا ہے، اس وقت وہاں اندھیرا ہو گا اور کوئی پتہ بھی نہیں چلتا کہاں سے کب کونسا کیڑا نکل آئے۔۔ اس لیے جب صبح آؤ گی تب وہاں جائیں گے اوکے۔۔" سیڑھی کے پہلے زینے پر پاؤں رکھے وہ مہک سے کہہ رہی تھی۔

مہک اُس کی بات سُن کر اُس کے ساتھ زینہ در زینہ اوپر چڑھتی گئی۔۔

"اوپری منزل زیادہ پیاری ہے زہرہ۔۔" مختلف بیلوں سے ڈھکی چھت، رنگ برنگے پھولوں سے بھری ساری راہداری بہت حسین تھی۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی فلم کی شوٹنگ ہونی ہو یہاں۔۔" مہک کافی متاثر ہو رہی تھی حویلی کی شان و شوکت سے۔۔ اس سب میں وہ خط جو اُس کے آنچل سے بندھا تھا اُس کے ذہن سے اُس کا خیال نکل چکا تھا۔

"تم بہت اچھی ہو مہک۔۔ اور تمہیں بھی ایسا ہی پیارا سا گھر ملے گا دیکھنا۔۔" پیاری سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ بولی تھی اُس کی بات سُن کر ایک جھماکا تھا جو مہک کے سر پر ہوا تھا۔

"مجھے تمہیں کچھ دینا تھا زہرہ۔۔"بنا سوچے سمجھے اُس کی زبان پھسل گئی تھی۔
خیال آتے ہی اُس نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔
"ارے واہ پہلے دن ہی میرے لیے کچھ لے آئی ہو؟ لاؤ دو کیا دینا ہے۔۔"زہرہ نے اپنا ہاتھ اُس کے سامنے کیا، کالی موٹی آنکھیں اُسے ہی دیکھ رہی تھیں۔
خالی ہوا کا گھونٹ اُس نے اپنے حلق سے نیچے اُتارا۔
"وہ دراصل۔۔"ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ پھر سے ہمت جمع کرتے ہوئے بولی۔
"کیا تم ناراض تو نہیں ہو گی؟ اور غصہ بھی نہیں کرو گی۔۔؟"وہ مارے خوف سے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو زور سے ایک دوسرے میں باہم پھنسائے ہوئے بول رہی تھی۔
"ارے تم پہلے دو تو سہی۔۔۔ دیکھ کر بتاؤں گی کہ غصہ آیا ہے کہ نہیں۔۔"آنکھوں میں شرارت لیے وہ مہک سے کہہ رہی تھی۔اُس نے دوبارہ سے اپنا ہاتھ آگے کیا۔
"اب دے بھی دو۔۔۔"وہ اب استفسار کر رہی تھی۔
مہک نے اُسے ایک نظر غور سے دیکھا اور پھر اوپر آسمان کی جانب 'یا اللہ آج بچا لینا بس۔۔'اتنا کہہ کر اُس نے اپنی چادر کے پلو سے بندھا خط نکالنا شروع کیا۔ زہرہ اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ مہک نے خط نکال کر اُسے تھمایا۔
زہرہ نے بنا کوئی لمحہ ضائع کیے اُس خط کو پکڑ لیا۔
"مہک یہ کس نے دیا ہے؟"خط کو کھولتے ہوئے زہرہ نے مہک سے عدم توجہی سے دریافت کیا، مگر مہک خاموش رہی۔۔
وہ تہہ در تہہ خط کو کھول کر اب سیدھا کرتی پڑھنے لگی تھی۔۔
جیسے جیسے وہ خط کو پڑھ رہی تھی اُس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑتی جا رہی تھیں۔
"مہک یہ کس نے دیا ہے؟"وہ اتنی جلدی خط کو پڑھ چکی تھی؟ یاں آدھا پڑھ کر ہی اُس کی برداشت ختم ہو گئی تھی مہک اس بات کو سمجھ نہیں پائی تھی۔
"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں مہک۔۔۔؟"اب کی بار آواز میں مزید رعب اور دبدبہ تھا۔
"کمال نے دیا تھا۔۔"مارے ہتک اور بیعزتی کے اُس کی زبان گنگ ہو چکی تھی کوشش کر کے اُس نے کمال کا نام لیا تھا۔
"کمال تمہارا بھائی؟"زہرہ کو اور حیرت ہوئی تھی، چند ثانیے وہ بالکل خاموش ہو گئی۔
انسان کے لیے وہ چیز بڑی حیران کن ہوتی ہے جس کا اُسے اندازہ بھی نہ ہو اور وہ ہو جائے، اس وقت زہرہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، اُس کے دل میں کمال کے لیے جذبات تھے یاں نہیں وہ اس بات سے ابھی خود ناواقف تھی، مگر وہ اُس کے لیے

ایسے جذبات رکھتا ہے اس بات کا علم اُسے ہلائے جا رہا تھا۔

اُس نے اپنی حیرت سے پھیلی آنکھوں کو دوبارہ سے خط پر جمایا اور باقی کا شاید جو حصہ تھا اُسے دوبارہ سے پڑھنے لگی، یا ں خط ہی دوبارہ سے پڑھنے لگی تھی مہک کو معلوم نہیں تھا۔

مہک نے خط کو کھول کر پڑھنے تک کی بھی زحمت نہیں کی تھی کہ اُس میں کیا تھا۔ اُسے اب خود پر غصہ آ رہا تھا۔

زہرہ نے ابھی تک اپنی آنکھیں اُس خط پر جما رکھی تھیں۔

"زہرہ کیا لکھا ہے خط میں۔۔" مارے تجسس کے مہک پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

زہرہ نے ایک نظر اُسے دیکھا اور خط اُس کی طرف کیا۔

وہاں بس ایک سطر لکھی تھی۔

"مجھے تم اچھی لگتی ہو۔۔"

مُڑے ہوئے خط پر بس ایک ہی لائن کو وہ یکٹک دیکھے جا رہی تھی۔

زہرہ بار بار اُسے زیرِ لب دُہرا رہی تھی۔

اس سے پہلے کے وہ اُس سے کچھ کہتی سیڑھیوں سے محمل چھت پر آتی دکھائی دی۔

"اس پر کل بات کریں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ اس بارے میں کسی کو بھی علم ہو۔۔" اتنا کہہ کر زہرہ نے اپنے ہاتھ میں ہی اُس خط کو جکڑ لیا۔

"تم یہاں ہو اور میں تمہیں ساری حویلی میں ڈھونڈ رہی تھی۔۔" محمل نے آتے ہی بولنا شروع کر دیا تھا۔ خط اب زہرہ کے ہاتھ میں جکڑا ہوا تھا۔

"کم از کم آنا ہی تھا تو مجھے بھی ساتھ لے کر آتی۔" اتنا کہہ کر ایک طرف ہو کر کھڑی مہک کو اُس نے دیکھا۔

"تم کمال کی بہن ہو نا؟ اور سعید چچا کی بیٹی؟" مہک نے بس سر اثبات میں ہلایا۔

"بہت خوبصورت ہو تم، مجھے تمہاری سبز آنکھیں بہت اچھی لگتی ہیں۔۔۔" محمل نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ ابھی تک خاموش تھی خط دینے کے بعد اُسے ڈر لگ رہا تھا مگر زہرہ کی بات سُن کر اُسے کافی قرار پہنچا تھا۔۔

"اتنا رنگ کیوں اُڑا ہوا ہے تمہارا کچھ بولو۔۔" اُسے اتنی دیر خاموش دیکھ کر وہ پھر سے بولی۔

"کیا ہے محمل میں اُسے گھر دکھانے لائی تھی وہ کم بولتی ہے۔ اس لیے اُسے گھر دکھانا ہے تو چپ رہنا ہو گا۔"

زہرہ کی بات سُن کر وہ خاموشی سے اُن دونوں کے ساتھ گھر دیکھنے لگی۔ وہ تینوں کچھ دیر خاموش رہیں پھر زہرہ نے بولنا شروع کر دیا، اُسے بولتا دیکھ محمل بھی اُسی کے ساتھ بولنے لگی۔۔

اب وہ تینوں گھر کی آخری جگہ یعنی دوبارہ سے اُس لال اینٹوں والے صحن میں آچکی تھیں۔

"بہت خوبصورت حویلی ہے آپ کی زہرہ۔۔"مہک نے زہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کل پھر آنا۔ عید والے دن زیادہ مزہ آئے گا۔"زہرہ نے چہکتے ہوئے کہا۔ ہاتھ میں مُڑا ہوا خط ابھی تک ویسے ہی تھا۔

جب زہرہ اور مخمل، مہک کو گھر دکھا چکی تھیں تو شمیم بھی انہیں آواز دیتی ہوئی وہاں آ پہنچیں۔ رات ہو چکی تھی، اس لیے وہ مہک کو ساتھ لیے گھر جانے کے لیے تیار تھیں۔ شوال کا چاند نظر آچکا تھا، کل عید تھی۔

کمال اور عادل انہیں لینے کے لیے باہر ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے گھر سے آتے ہوئے کمال اور اور عادل سے کہا تھا کہ کچھ دیر بعد آجانا، اور ابھی وہ باہر نکلی ہی تھیں کہ شمیم اور زاہدہ نے اُن دونوں کو باہر دیکھا۔ اسی لیے زاہدہ مہک کو ڈھونڈتی ہوئی صحن میں آئی تھیں، جہاں سے انہیں سیڑھیوں سے نیچے اترتی ہوئی زہرہ، مخمل اور مہک دکھائی دیں۔

مہک کو زہرہ اور مخمل کے ساتھ دیکھ کر شمیم کو اچھا لگا تھا۔ کم از کم وہ ان دونوں کے ساتھ گھل مل رہی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے، بیٹا۔ ہم ان شاء اللہ کل پھر ملتے ہیں۔ بھائی صاحب نے کہا ہے کہ کل عید والے دن بھی آجائیں۔ صبح صبح تو گھر کے کام رہتے ہیں، وہ سب نمٹا کر پھر آجائیں گے، ان شاء اللہ۔"

شمیم نے مسکرا کر کہا، پھر مہک کو اپنے ساتھ لیے اُسے لال اینٹوں والی حویلی سے باہر نکل گئیں۔ کمال اور عادل باہر اُن تینوں کا انتظار کر رہے تھے۔

"تم دونوں یہاں کب سے کھڑے ہو؟"باہر نکلتے ہی زاہدہ نے اُن دونوں کو دیکھا تو فٹ سے سوال کرتیں اُن کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

"ابھی ابھی آئے تھے۔ طفیل سے کہا تھا آپ تینوں کو باہر بھیج دیں رات کو آپ اکیلے باہر آئیں جائیں مناسب نہیں لگتا۔" عادل نے اپنی ماں کی بات کا جواب دیا۔

"چلو صحیح ہے۔"اتنا کہہ کر وہ سب اندھیری رات میں خاموشی سے چل رہے تھے جب شمیم نے کمال اور عادل سے پوچھا۔

"تم دونوں نے کھانا کھا لیا تھا؟"کمال نے سر اثبات میں ہلایا۔

"اور چائے؟"شمیم نے دوبارہ پوچھا۔ کمال اور عادل نے بیک وقت سر نفی میں زور زور سے ہلایا۔

"آپ لوگوں نے بھی نہیں پی؟"عادل نے پوچھا تو مہک نے معصوم سا منہ بنا کر سر نفی میں ہلایا۔

"میں گھر جا کر بنا کر پلا دوں گا۔۔"عادل نے کہا تو شمیم نے خوشی سے اُس کی طرف دیکھا۔ مہک شرمائی تھی۔

"اچھا ابھی یہاں سے چلو۔ کتنی ٹھنڈ ہے باہر۔۔"زاہدہ نے ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے کہا۔

پانچ منٹ بعد وہ سب گھر میں تھے۔ جیسے ہی زاہدہ کمرے میں داخل ہوئیں تو سارے برتن بکھرے پڑے تھے۔ کمال نے

زاہدہ کو دیکھا تو سر کو کھجاتے ہوئے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یہ جناب چائے پکا کر دیں گے۔ برتن تو ان دونوں سے اُٹھائے نہیں گئے۔۔" سر سے اپنی بڑی چادر کو اُتارتے ہوئے زاہدہ نے کہا تو شمیم اُن کی باتیں سُن کر مسکرا دیں۔

"بچے ہیں اتنا تو چلتا ہی ہے زاہدہ۔۔ تم رکو میں مہک کو دوسرے کمرے سے بلا کر لاتی ہوں وہ سمیٹ دے گی برتن۔۔" شمیم مہک کو بلانے جانے ہی لگی تھیں کہ زاہدہ نے روک دیا۔

"ارے رہنے دو سارا دن بچی کام کرتی رہتی ہے ایسے تو وہ اگلی بار کہے گی میں نے نہیں جانا زاہدہ خالہ کے گھر وہ سارا کام مجھ سے کرواتی ہیں۔" خود بات کر کے وہ خود ہی مسکرا دیں۔۔

"ارے ایسی بات نہیں ہے تم ایسے ہی سوچ رہی ہو۔۔" شمیم بھی اُن کے ساتھ مل کر برتن سمیٹنے لگیں۔

☆☆☆☆☆

"جا کر بلا لاؤ مہک کو اور پوچھو کہ اُس نے کام کیا بھی ہے یاں نہیں؟" کمال چولہے پر چائے کی پتیلی چڑھائے اُس میں دودھ ڈال رہا تھا جب اُس نے اپنے پاس کھڑے کمال کو کہا۔

"ہاں رکو میں اُسے بلا کر لاتا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ خاموشی سے کیچن سے باہر چلا گیا۔

"مہک ذرا بات سُنو گی۔" مہک جو بستر لگا رہی تھی کمال کی بات سن کر اُس کے ہاتھ وہیں رک گئے۔

"ہمم۔۔! تم چلو میں آتی ہوں۔" کمال خاموشی سے کچھ کہے بنا دوبارہ کیچن میں چلا گیا۔ مہک نے بستر لگایا اور زہرہ کے تاثرات یاد کرتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اُسے سب بتانا تھا۔ زہرہ نے اُس سے خط لینے کے بعد کیا کہا۔ اُس کے تاثرات کیسے تھے۔ اُسے غصہ آیا تھا یاں اُسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔

چائے کو چولہے پر چڑھائے عادل وہاں خاموش کھڑا کسی غیر مرئی نقطے پر اپنی نظریں مرکوز کیے کھڑا تھا۔ جب مہک کیچن میں داخل ہوئی۔

اُسے دیکھ کمال کی سانسیں بہت زور سے دھڑکنیں لگیں۔ عادل بالکل سیدھا کھڑا مہک کو ہی دیکھ رہا تھا۔ کچھ تو تھا اُس کی سبز آنکھوں میں۔

"کیا کہا اُس نے؟" کمال سے رہا نہ گیا تو پہلا سوال ہی بنا کسی تمہید کے اُس نے مہک سے کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔۔!" مہک نے بڑے آرام سے کہا۔

"کیا مطلب کچھ بھی نہیں؟" کمال نے سنجیدگی سے مہک کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ چائے کے نیچے آنچ تیز تھی۔

"یہی کے اُس نے خط لیا۔ اُسے کھولا۔ اُسے پڑھا۔ پھر میری طرف دیکھا۔" چائے کو اُبال آنے والا تھا۔

"اور۔۔۔" کمال نے دریافت کیا۔

"اور کچھ بھی نہیں۔۔" مہک نے دوبارہ سے وہی بات کی تو کمال جھنجھلا گیا تھا اُس کی بات سُن کر۔

"کیا مطلب ہے کہ اُس نے خط لیا۔ اُسے پڑھا۔ اور کچھ کہا ہی نہیں؟" کمال کو حیرت ہو رہی تھی۔

"ہاں شاید کل کوئی جواب دے کون جانتا ہے؟" مہک نے اتنا کہا تو کمال کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔

"عادل کل اُنہوں نے ہم سب کو دعوت دی ہے۔ ویسے بھی کل عید ہے تو اُن کی حویلی میں بہت سے مہمان ہونگے تو آپ دونوں بھی چلنا۔ ایسے وہ کمال کو بھی دیکھ لے گی اور اگر کوئی بات ہو سکی تو بات بھی ہو جائے گی۔" مہک نے اتنا کہا تو چائے اُبل کر چولہے میں جا گری۔

"یا اللہ۔۔" مہک نے بھاگ کر کپڑے سے پتیلی کو اُٹھایا۔

"آدھی چائے تو ایسے ہی گر گئی۔" پتیلی کو ہلاتے ہوئے مہک نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"کچھ نہیں ہوتا مہک۔ اس میں دودھ اور چائے پتی ڈال لو۔" عادل نے کہا تو مہک نے اثبات میں سر ہلایا۔

کمال کا خاموشی سے کھڑا مہک کے الفاظ کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ کیا وہ کل زہرہ کے بالکل قریب ہو گا؟ کیا وہ اُس سے بات کر پائے گا؟ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے؟

اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ بڑے بڑے معجزات سے لے کر ایک ادنیٰ چیز تک ممکن ہے۔ بس ایک انسان اپنی کم عقلی کے باعث بہت سی چیزوں سے اپنا اقتدار گنواتا ہے۔

"اچھا سہی ہے۔ آپ دونوں یہاں سے جاؤ۔ میں چائے بنا کر کمرے میں لاتی ہوں۔" اتنا کہہ کر مہک چولہا صاف کرنے لگی۔

"اور کمال اُس نے مجھے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتی کہ اس بات کا کسی کو علم ہو۔ اُس نے اپنی پکی سہیلی کے آتے ہی خط کو فوراً چھپا لیا۔ شاید وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے۔ لیکن میں بالکل یقین سے یہ بات نہیں کہہ سکتی تو اپنے ذہن میں دونوں صورتحال کے مطابق نتائج سے نمٹنے کے لیے تدبیریں بنا کر کل حویلی جانا۔" کمال نے اُس کی بات شاید صحیح سے سنی نہیں تھی۔ یاں وہ سننے کی حالت میں نہیں تھا۔

بس سر ہلاتا وہ عادل کے ساتھ کمرے سے باہر چلا گیا۔

آدھا کپ دودھ ڈال کر اُس نے حسب ذائقہ چینی ڈالی اور چائے کو کچھ اُبالے آئے۔ اُس نے چائے کپوں میں ڈالی اور ٹرے تھامے کیچن کی لائٹ بند کر کے وہ کمرے کی سمت ہو لی۔

یقیناً اُس کے ہاتھ کی چائے مزے کی ہی بنی ہو گی۔

☆☆☆☆☆

رات اتنی گہری نہیں ہوئی تھی۔ حویلی میں ابھی بھی مہمانوں کا کافی رش لگا ہوا تھا۔ مگر اُن میں زہرہ کے کام کا کوئی ایک بھی بندہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ 9 بجے کے دوران ہی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ایک ہی جھٹکے سے اُس نے اپنے گرد لیا دوپٹہ اُتارا اور کمرے میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر پھینک دیا۔

خط ابھی تک اُس کے ہاتھ میں تھا۔ محمل جا چکی تھی۔ ماں اپنے کاموں میں مشغول تھیں۔ اُسے ڈسٹرب کرنے والا اس وقت کوئی نہیں تھا۔

اُس نے اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ بستر پر اوندھے منہ لیٹتے اُس نے خط ایک جست میں کھولا۔

وہ حروف ابھی تک وہاں ویسے ہی لکھے تھے۔ لیکن اب وہ کاغذ پہلے کی نسبت ذرا خستہ حال لگ رہا تھا۔

اُس کی حالت کو اگنور کرتی زہرہ وہی الفاظ بار بار پڑھ رہی تھی۔

"مجھے تم اچھی لگتی ہو۔" کمال کے الفاظ اُس کے لیے بہت نئے تھے۔ کچی عمر کی پہلی محبت۔ اور تا حیات رہنے والی محبت۔

اُس محبت کا آغاز ہو گیا تھا۔ اُسے انتظار تھا صبح کا۔

☆☆☆☆☆

صبح ہو چکی تھی۔ لیکن کل سے قدرے مختلف اور حسین۔ آج عید تھی۔ عید کا دن ویسے بھی خوبصورت اور اچھا ہی ہوا کرتا ہے۔

وہ صبح اُٹھی۔ اپنے ساتھ نظر گھمائی تو شمیم اُس وقت وہاں نہیں تھیں، یقیناً وہ نماز پڑھ چکی ہو نگی۔ مہک آنکھیں مسلتی ہوئی اُٹھی۔ اُس نے زاہدہ کو بھی دیکھنا چاہا۔ مگر وہ بھی اپنی جگہ پر نہیں تھیں۔

"کیا یہ دونوں آج اتنی جلدی اُٹھ گئی ہیں؟" مہک خود سے ہی بڑبڑاتی ہوئی بستر کو پرے ہٹاتے اُٹھی۔ اپنے بستر کو اُس نے فوراً تہہ لگائی۔

اپنی جمائی کو روکتی وہ کمرے سے باہر نکلی۔ ٹھنڈی ہوا سے اُس کا سارا وجود جیسے برف کا ہو گیا ہو۔ اس وقت اُس نے کوئی سویٹر، کوٹ بھی پہن نہیں رکھا تھا۔ سادہ سا دوپٹہ جو کہ نہ کے برابر سردی کو روک رہا تھا، اُس نے اپنے چاروں طرف لپیٹا۔ برآمدے میں عادل بیٹھا سویاں کھا رہا تھا۔ کیا وہ آج اتنی دیر تک سوئی رہی تھی؟ تعجب سے اُس کی آنکھیں پھیلیں۔

"آپ نے مجھے اُٹھایا کیوں نہیں؟" برآمدے میں بیٹھے عادل سے ہی اُس نے سوال کیا۔

عادل نے اپنا سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"مجھے آپ نے کہا ہی نہیں تھا کہ مجھے صبح اُٹھا دینا۔ ورنہ میں اُٹھا دیتا۔" اُس کی طرف دیکھتے ہوئے عادل نے کہا تو مہک اپنے سوال پر خود ہی خود کو کوستی باتھ روم کی طرف چل دی۔

منہ ہاتھ دھو کر جب وہ واپس آئی تو اب برآمدے میں کمال بھی بیٹھا سویاں کھا رہا تھا۔

"کمال تم نے بھی آج مجھے نہیں اُٹھایا؟ میری نماز رہ گئی ہے فجر کی۔۔" اس نے دکھ کے ساتھ کہا تو کمال نے حیرت سے دیکھا۔

"کب رہ گئی تمہاری نماز؟" کمال نے حیرت سے پوچھا تو مہک نا سمجھی سے اُسے دیکھنے لگی۔

"صبح فجر کی؟" مہک نے اُسے سمجھانا چاہا۔

"مگر صبح تو تم نے نماز پڑھی تھی۔۔" کمال کی بات سن کر مہک کو جھٹکا لگا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تو سوئی ہی اب اُٹھ رہی ہوں۔۔" مہک نے اتنا کہا تو اب عادل بھی اُسے دیکھنے لگا۔

"مہک کیا اب تم نمازیں بھی سوتے ہوئے پڑھنے لگی ہو؟" کمال کے سوال پر اُسے غصہ آیا تھا۔ کب پڑھی تھی اُس نے نماز؟

"تمہیں یاد نہیں ہے مہک کہ صبح تم نے نماز پڑھی ہے؟" اب کی بار عادل نے اُس سے پوچھا۔ مہک نے نفی میں سر ہلایا۔

"جب میں اور کمال مسجد سے نماز پڑھ کر گھر واپس آئے تھے اُس وقت تم نماز پڑھ رہی تھی۔ شاید تمہیں یاد نہیں ہے۔

ایسا کرو کفارۃ نماز ایک بار پھر ادا کر لو۔" عادل نے کہا تو مہک نے نا سمجھی میں ہاں میں سر ہلایا۔ اور اپنے بھولنے کی وجہ سے حیران ہوتی وہ وضو کرنے چلے گئی تھی۔

شمیم اور زاہدہ کیچن میں کھانا بنا رہی تھیں۔

عید کی نماز حویلی میں ساڑھے آٹھ بجے تھی۔ ابھی صبح کے پونے سات ہو رہے تھے۔ مہک واقعتاً نماز پڑھ کر سوئی تھی۔ لیکن نہ جانے اُسے کیوں بھول گیا تھا۔

ذہن پر زیادہ زور دینے کی بجائے اُس نے سکون سے نماز ادا کی اور کیچن میں امی اور خالہ کے ساتھ کام کروانے لگی۔

اُنہیں تیار ہو کر حویلی بھی جانا تھا۔ کمال اور عادل نے بھی آج اُن کے ساتھ جانا تھا۔

اُس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اس بات کو اتنی دیر سوچ سکے۔ اُسے زہرہ اچھی لگی تھی۔ بھابھی کی شکل کا پتہ نہیں لیکن دوست وہ اچھی بن سکتی تھی۔

سارے کاموں سے نجات حاصل کر کے مہک اور باقی سب حویلی وقت پہ پہنچ چکے تھے۔ حویلی کا صحن اتنا بڑا تھا کہ وہاں سارے گاؤں کی پچاس عورتیں آرام سے نماز ادا کر سکتی تھیں۔

گاؤں کے مرد مسجد میں چلے گئے تھے۔ سکون سے عید کی نماز ادا ہو گئی تھی۔

اب بس سارا دن یوں ہی ملن ملاپ میں گزرنے والا تھا۔ وقت رہتے ہی مخمل اور زہرہ نے مہک کو اُن خواتین میں سے تلاش لیا تھا۔

زہرہ اور مخمل جہاں جاتی مہک کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتیں۔ اُنہیں مہک کی نیچر آتی لگی تھی۔

صبح کے دس بج رہے تھے جب شہریار، رضیہ، طفیل، کمال، عادل، شمیم، مہک، زاہدہ، عادل، زہرہ سب مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔ وہی دیوار گیر پردے۔

اعلی معیاری فرنیچر۔ خوبصورت قالین۔ اور مدھم سی نتھنوں سے ٹکرانے والی خوشبو۔

"بیٹا اُس دن آپ سے بات نہیں ہو سکی۔ آپ لوگ آئے ہی کچھ وقت کے لیے تھے۔ آج بیٹھیے، اطمینان سے باتیں کریں۔ اور تسلی سے جایئے گا۔" شہریار راجپوت نے بڑی محبت سے کہا تو کمال نے اپنی ماں کی جانب دیکھا۔ جو بالکل زہرہ کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

اُس کی ہمت نہ ہو رہی تھی کہ وہ ایک نظر بھی اُٹھا کر اُسے دیکھ سکے۔ جبکہ اس کے برعکس زہرہ ٹکٹکی باندھے اُسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ نظروں کی تپش محسوس کرتا کمال اب وہاں بیٹھا اُلجھن محسوس کر رہا تھا۔

میز پر پڑے جگ میں سے پانی گلاس میں اُنڈیلتا گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

زہرہ مسکرائی تھی۔

"بچوں آپ لوگ جاؤ۔ کھیلو، باتیں کرو۔ ہم بڑوں میں بیٹھ کر بور ہی ہونا ہے آپ نے۔۔" شہریار کا اشارہ وہاں بیٹھیں زہرہ اور مہک کی جانب تھا۔ کچھ وجہ یہ بھی تھی کہ باہر مخمل بار بار چکر کاٹ رہی تھی۔ زہرہ کے انتظار میں۔

"جی بابا۔۔" اتنا کہہ کر زہرہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ ہاتھوں میں پہنی لال چوڑیوں کی کھنکھ کمال کے ذہن میں کسی موسیقی کی مانند گونجی تھی۔

وہ دونوں بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئیں۔

مہمان خانے سے باہر نکلتے ہی زہرہ نے مہک کی جانب دیکھا۔

"مہک مجھے ایک بات پوچھنی ہے۔ لیکن ابھی مخمل ہے آس پاس اکیلے میں پوچھوں گی۔" زہرہ نے مخمل کو پاس آتے دیکھا تو مہک سے کہا۔ مہک نے بس سر ہلا دیا۔

"کیسی ہو مہک؟ تمہارا یہ جوڑا تو بہت پیارا لگ رہا ہے۔"

"تمہارا بھی بہت اچھا لگ رہا ہے مخمل۔" مہک نے جواب فوراً دیا تھا۔

"اچھا جی! ایک دوسرے کی تعریف اور میں؟" زہرہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا تو مہک نے جھٹ سے کہا۔

"ارے آپ تو ہم سے بھی زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔۔" اُس کی بات سُن کر وہ تینوں مسکرانے لگیں۔

دوستی کتنی پیاری چیز ہوتی ہے جس سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا وہ بھی اتنا عزیز ہوتا ہے۔

وہ تینوں بیٹھیں اپنی اپنی کہانیاں سنانے میں مصروف تھیں جب مخمل کو کسی کام سے اُس کی والدہ نے آواز لگائی۔

"تم دونوں باتیں کرو میں ابھی ماں کی بات سُن کر آتی ہوں۔" زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

مخمل چلی گئی۔ وہاں زہرہ اور مہک اب خاموشی سے بیٹھی تھیں۔ زہرہ نے اُس سے پوچھا۔

"تمہارا بھائی کیا کرتا ہے؟" مہک نے اُسے اچھنبے سے دیکھا۔

"پڑھتا ہے اور ساتھ میں پارٹ ٹائم جاب بھی کرتا ہے۔" مہک اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ زہرہ نے پر سوچ انداز میں انگلی اپنی ٹھوڑی کے نیچے ٹکائی۔

"کونسی کلاس میں ہے وہ؟"

"بارہویں کلاس میں ہیں۔"

"اچھا۔ تو پڑھنے کے ساتھ کماتا بھی ہے؟" حیرانی سے پوچھا تو مہک مسکرا دی۔ مسکراتے ہوئے اُس نے سر ہاں میں ہلایا۔

"اچھا صحیح ہے اچھی بات ہے۔۔" زہرہ چند لمحے خاموش رہی۔

"اتنی چھوٹی عمر میں کوئی کسی سے پیار کیسے کر سکتا ہے؟ میں خود بہت چھوٹی ہوں۔" مہک نے بولنے کے لب وا کیے تو زہرہ نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"چلو اگر اُس کو محبت کا علم بھی ہے تو بھلا کوئی انسان کسی کو ایک یا دو بار دیکھنے سے کیسے کہہ سکتا ہے کہ اُسے میں اچھی لگتی ہوں؟ ایسا ممکن ہے؟ کیوں کہ میں نے اپنے آس پاس ایسا ابھی تک ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔" زہرہ اب سوال طلب نظروں سے اُس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"اچھا تو مطلب اب یہ سوال کمال سے پوچھنا چاہ رہی ہیں؟ کیا آپ بات کر سکتی ہیں کمال سے؟" مہک نے پوچھا تو زہرہ نے فوراً سر کو نہ میں جنبش دی۔

"ارے میں کہہ رہی ہوں کہ وہ تمہارا بھائی ہے تمہیں معلوم ہو گا کہ اُس کی اس بات کا کیا مطلب ہے۔" زہرہ نے صفائی دینا مناسب سمجھا تھا۔ مہک نے سوچنے کے انداز سے سر ہلایا۔

"مطلب میں کمال سے ان سوالوں کا جواب مانگوں اور پھر آپ کو بتاؤں؟" مہک نے پوچھا تو زہرہ نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

"اچھا سہی ہے مجھے آپ یہ سوال ایک کاغذ پر لکھ دو میں شام میں آپ کو ان کا جواب دے دو نگی۔" مہک نے کہا تو زہرہ نے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

" اچھا۔ میرے کمرے میں چلو وہاں لکھ کر دیتی ہوں۔" مہک کا ہاتھ پکڑ کر وہ اُسے کمرے میں لے گئی۔ جلدی جلدی میں اُس نے کاپی کا ایک صفحہ پھاڑا اور پنسل سے اُس پر لکھنے لگی۔

"پہلا سوال: ایک دو بار دیکھنے سے محبت نہیں ہوتی۔ دوسرا سوال: اتنی کم عمر میں محبت کرنا مجھے سمجھ نہیں آرہا۔ تیسرا سوال: کیا شادی کرنا اتنا آسان ہے؟" تیسرا سوال اُس کے نزدیک سب سے زیادہ مشکل تھا۔ کیونکہ وہ اس کے نتائج کہیں نا کہیں جانتی تھی۔ لیکن کمال ابھی واقف نہیں تھا۔ اُس نے صفحے کو فولڈ کیا اور مہک کو تھما دیا۔

"یاد سے مجھے رات تک ان سب کا جواب دے دینا۔ اُس کے بعد میں سوچوں گی کہ کیا کرنا ہے۔۔۔" مہک نے اُسکی بات سنی تو محض سر ہلا کر رہ گئی۔

زاہدہ کو کسی کے گھر جانا تھا۔ شمیم بھی زاہدہ کے ساتھ اجازت طلب کرتیں حویلی سے نکلیں تو کمال عادل اُن کے ساتھ تھے۔ مہک کا کوئی اتا پتا ہی نہیں تھا۔

"شاید وہ زہرہ کے ساتھ ہے۔ کمال جاؤ دیکھو اور بلا لاؤ اُسے۔" شمیم نے اپنے پاس کھڑے کمال کو کہا تو وہ سر ہلاتا وہاں سے جانے ہی لگا تھا کہ زاہدہ نے اُسے روک دیا۔

"ایسے اچھا نہیں لگتا۔ تم لوگ ادھر انتظار کرو میں جا کر بلا لاتی ہوں۔" زاہدہ نے اتنا کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔ عادل کمال

کو دیکھ کر بہت دیر تک مسکراتا رہا۔ بیچارے کو آخری دیدار بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔

"کب واپسی ہے تمہاری مہک؟" زاہدہ کمرے میں داخل ہو رہی تھیں جب زہرہ نے مہک سے سوال کیا۔ پاس بیٹھی محمل منہ میں بھنے ہوئے چنے چبا رہی تھی۔

"شاید اور دو تین دن مزید رکیں گے پھر لکھنؤ کے لیے نکل جائیں گے۔" مہک نے جواب دیا تو زاہدہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

"بیٹا مہک آجاؤ گھر چلیں۔ باہر سب انتظار کر رہے ہیں تمہارا۔" زاہدہ نے اتنا کہا اور زہرہ کو دیکھ کر مسکرائیں۔ زہرہ بھی جواباً ہلکا سا مسکرا دی۔

"جی خالہ۔۔" مہک نے اُٹھ کر زہرہ سے ہاتھ ملایا اور پھر محمل سے۔ پھر وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئیں۔

زہرہ کا خط مہک کے پاس تھا۔ وہ اور زاہدہ خاموشی سے چلتی صحن میں آئیں جہاں کمال اور عادل شمیم کے ساتھ کھڑے تھے۔

زاہدہ نے آتے ہی چلنے کا اشارہ کیا۔ شمیم، کمال اور عادل خاموشی سے چلنے لگے۔

گھر جا کر زاہدہ اور شمیم ساتھ والی رقیہ کی طرف چلی گئیں۔ کمال اور عادل نے اپنے دوستوں کے ساتھ باہر گھومنے جانا تھا اور مہک نے رات کے کھانے کا انتظام کرنا تھا۔ لیکن اُس سے پہلے مہک کو زہرہ کا خط کمال کو دینا تھا۔

جیسے ہی زاہدہ اور شمیم گھر سے نکلیں، مہک نے زہرہ کا خط کمال کو دیا۔

"یہ زہرہ نے دیا ہے۔ اس خط کا جواب اُسے آج دے دینا۔ وہ پھر سوچ کر کچھ بتائے گی تمہیں۔" مہک نے خط کمال کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ کمال نے حیرت سے خط کو دیکھا۔ وہ بے یقینی کی حالت میں خط کو بنا کھولے یکٹک دیکھے جا رہا تھا جب عادل بولا۔

"کھول بھی لو اب اسے۔ ایسے ہی گھورتے رہو گے کیا؟" عادل نے کہا تو کمال نے سر جھٹکتے ہوئے خط کو کھولا۔ اُس میں تین سوال لائن میں لکھے تھے۔ سوالوں کو پڑھ کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔ پھر اگلے ہی لمحے وہ مسکرایا۔

"کیا ہوا ہنس کیوں رہا ہے؟" عادل نے اُس کی مسکراہٹ دیکھی تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"ہاں سوال ہی کیے ہیں اور وہ بھی اتنے مزے کے۔" اتنا کہہ کر کمال نے خط عادل کی جانب سرکایا۔ سوالوں کو پڑھ کر عادل مسکرایا نہیں۔ سوال سنجیدہ تھے۔ پتہ نہیں کمال کو ان میں کیا چیز ایسی محسوس ہوئی تھی جو وہ مسکرایا تھا۔

"کیا سوچا ہے کیا جواب دو گے؟ ان سوالوں کا؟" کمال نے عادل کی جانب دیکھا۔

"کچھ دیر مجھے اکیلے بیٹھ کر سوچنے دو۔۔ پھر لکھ کر تمہیں بتاتا ہوں۔" کمال نے اتنا کہا۔ پھر بنا کچھ کہے سنے وہ کمرے میں چلا

گیا۔

ایک گھنٹے بعد جب وہ کمرے سے نکل کر باہر بر آمدے میں آیا تو عادل بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

"تمہیں کب سے کتابوں کا ذوق ہو گیا؟" کمال نے پوچھا تو عادل مسکرا دیا۔

"یوں ہی کتابیں اچھی ہوتی ہیں۔ پڑھنا چاہیے انہیں۔ انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔"

"کس بارے میں کتاب ہے۔۔"

"چھوڑو۔ تم یہ بتاؤ خط لکھ لیا تم نے؟" عادل نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے کمال سے پوچھا۔

"ہاں۔ لکھ لیا ہے۔ کیا تمہیں پڑھاؤں؟" کمال نے دریافت کرنا چاہا۔

"ہاں اگر تمہیں مناسب لگے تو۔۔" کمال نے خوشی سے سر کو ہاں میں جنبش دی۔ جیسے کہہ رہا ہو' تمہیں تو لازمی دکھاؤں گا۔'

کمال نے خط عادل کو دکھایا۔ بنا کسی لمبی تمہید کے اُس نے تینوں سوالوں کے ایک ایک سطر میں جواب دیے تھے۔

پہلا سوال: ایک دو بار دیکھنے سے محبت نہیں ہوتی۔

جواب: جس سے محبت ہونی ہوتی ہے، بنا دیکھے بھی ہو جاتی ہے۔ میں نے تو آپ کو پھر بھی اتنی بار دیکھ لیا ہے۔

دوسرا سوال: اتنی کم عمر میں محبت کرنا مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔

جواب: محبت تو ہم پیدا ہوتے ہی کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ محبت کے لیے عمریں کہاں دیکھی جاتی ہے؟

تیسرا سوال: کیا شادی کرنا اتنا آسان ہے؟

جواب: ہاں آسان ہے۔ اگر تم ساتھ دو۔۔ میں سب سنبھال لونگا۔

عادل نے جوابات دیکھے تو اُسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کیسے عادل کو سمجھائے۔ مگر اُس نے خاموش رہنے پر ہی اکتفا کیا۔

"ٹھیک ہے شام میں مہک کو لے جانا کچھ دیر حویلی۔ وہ یہ خط زہرہ کو دے دے گی۔" خط کو چار حصوں میں فولڈ کرتا وہ کمال کی جانب بڑھا گیا۔ کمال نے بھی بنا کسی سوال جواب کے خاموشی سے خط تھام لیا۔

نجانے کمال کو کیوں اُمید تھی۔ وہ اُسے انکار نہیں کرے گی۔ عادل نے کیچن کی جانب دیکھا۔

مہک کیچن میں کھانا پکا رہی تھی۔ اُسی لمحے گھر میں شمیم اور زاہدہ داخل ہوئیں۔

"مہک بیٹا ایک گلاس پانی تو پلا دے۔"

مہک نے کیچن میں رکھے تولیے سے اپنے ہاتھ صاف کیے۔ دو گلاسوں میں پانی ڈالا اور ٹرے میں رکھے باہر بر آمدے میں آ گئی۔ زاہدہ اور شمیم نے پانی پیا۔

"بیٹا شام میں رقیہ کو اور باقی سب کو بھی پھر حویلی سے والوں نے بلایا ہے۔" شمیم نے گلاس ٹرے میں رکھتے ہوئے مہک کو بتایا۔

"ہاں ہمیں بھی تو رضیہ آپا نے کہا تھا کہ شام میں لازمی چکر لگائیں۔ عید پر وہ سب کو عیدی رات کے وقت ہی دیتے ہیں۔" زاہدہ نے پانی کا آخری گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔

"جی ٹھیک ہے امی۔" مہک نے اتنا کہا اور گلاس تھامے کیچن میں چلی گئی۔ کمال اور عادل خاموشی سے ایک طرف اپنی باتوں میں مگن تھے۔

"تم دونوں کے لیے کھانا بنا کر جائیں گے۔ گھر آکر کھانا کھالینا۔" زاہدہ نے عادل کو کہا۔ عادل بس اپنا سر جھٹک کر رہ گیا۔

"ہمیں حویلی میں نہیں بلایا؟" وہاں بیٹھے کمال نے پوچھا تو زاہدہ مسکرائیں۔

"نہیں۔ رات کے وقت تو وہاں شہریار صاحب بھی نہیں ہونگے۔ بڑی تہذیب والے لوگ ہیں۔ صبح لوگوں کو اپنے اپنے رشتوں داروں سے ملنا ہوتا ہے اس وجہ سے حویلی میں نماز کے بعد رش نہیں پڑتا مگر رات میں عورتوں کا جھرمٹ لگا ہوتا ہے اس لیے اُن کے درمیان کسی بھی مرد کا ہونا سختی سے منع ہے۔" زاہدہ نے کہا تو کمال نے کچھ نہ کہا۔

"ٹھیک ہے۔" شمیم نے کہا پھر کمال اور عادل کی جانب دیکھا۔ اُنہیں اس وقت اپنے دوستوں کے پاس جانا تھا۔

"تم دونوں گئے نہیں؟ جانا نہیں ہے کیا گھومنے؟" شمیم نے پوچھا۔

"جی خالہ جانا ہے۔" عادل نے کہا۔

"میں پانی پی کر آتا ہوں۔" عادل نے کہا اور پانی پینے کے لیے کیچن میں چلا گیا۔ خط اُسی کے پاس تھا۔ کیچن میں جاتے ہی اُس نے مہک کو کہا۔

"یہ خط کمال نے لکھا ہے۔" کس کے لیے؟ یہ پوچھنا مہک کو ضروری نہیں لگا کیونکہ ایک ہی کے لیے وہ خط لکھ سکتا تھا۔ مہک نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے میں اُسے آج شام میں دے دونگی۔" اتنا کہہ کر اُس نے خط کو تھام لیا۔ عادل بنا پانی پیئے کیچن سے باہر چلا گیا۔ مہک کھانا پکاتی رہی۔۔

☆☆☆☆☆

شام کے پانچ بجے ہی فضا میں اتنی سردی محسوس ہو رہی تھی۔ دھند کے جھکڑ چل رہے تھے۔ مہک نے بڑی سی شال اپنے کندھوں پر ٹکا رکھی تھی۔ زاہدہ اور شمیم اُس کے ہمراہ باغراکی گلیوں میں خاموشی سے چل رہی تھیں۔

"کتنی سردی پڑ رہی ہے۔ اللہ خیر رکھے۔ پتہ نہیں اگلے مہینے میں کیا حال ہو گا۔" سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے زاہدہ نے کہا۔

"ہاں سردی بہت شدید ہے۔" شمیم نے اُن کی ہاں میں ہاں ملائی۔

چند لمحوں بعد وہ کچی سڑکوں سے گزرتی ہوئیں حویلی کے دریچوں کو پار کر کے ہال میں جا بیٹھیں، جہاں انگیٹھی میں دہکتے انگاروں کی تپش سے وہ تینوں اپنے یخ بستہ ہاتھ سینک رہی تھیں۔ اتنے میں ہی زہرہ سفید پاؤں تک آتی مہرون کلر کی فراک میں ملبوس ہال میں داخل ہوئی۔

"یہ بچی ہے بہت خوبصورت۔" شمیم نے سرگوشی کے انداز میں زاہدہ کے کان میں کہا۔

"ہاں۔ سارے گاؤں میں سلجھی ہوئی بھی لگتی ہے۔ ورنہ اس عمر میں لڑکیوں کے ہنسی مزاق ہی ختم نہیں ہوتے۔ یہ بھی بالکل ہماری مہک جیسی ہے۔ سیانی۔" زاہدہ نے ستائشی نگاہ زہرہ پر ڈالی۔

"آخر کو ہے بھی تو شہریار راجپوت کی بیٹی۔" شمیم نے بھی ماننے کے انداز میں سر کو خم دیا۔

باتیں کرتی زہرہ کی ایک سرسری سی نگاہ مہک پر آن ٹھہری۔ وہ خاموشی سے اُس کے پاس آئی۔ زاہدہ اور شمیم سے ملنے کے بعد وہ مہک کا ہاتھ تھامے اُسے گاؤں کی لڑکیوں کے درمیان لے گئی۔ سب سے تھوڑا بہت تعارف کروانے کے بعد اُس نے مہک سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ مہک کو اب گھلنے ملنے میں آسانی ہو رہی تھی۔ تعارف کروانے والی جو اس گاؤں کی چھوٹی مالکن تھی۔

باتوں باتوں میں مہک نے کمال کا لکھا خط زہرہ کے حوالے کر دیا۔ جسے زہرہ نے مسکراتے ہوئے تھام لیا۔ ایک چیز جو عادل نے اُس خط میں نہیں دیکھتی تھی۔ وہ تھا خط کے بیک سائیڈ پر لکھا کمال کے گھر کے لینڈ لائن کا نمبر۔

نامعلوم اُسے کیوں اتنا یقین تھا کہ زہرہ اُسے انکار نہیں کرے گی۔

دو تین دن میں اُنہیں واپس لکھنؤ لیے نکلنا تھا۔ مگر وہ اتنے عرصے بعد باغرا جب آیا تو اپنی زندگی کی سب سے اہم چیز لے کر جا رہا تھا۔ زہرہ کی محبت جو اُس کے دل میں بستی تھی۔

وہ سب باتیں کر رہی تھیں جب ہال میں کچھ ملازمائیں بڑے بڑے تھال لیے داخل ہوئیں۔ سب تھالوں میں رنگ برنگی چوڑیاں، جھمکے اور عطر پڑے تھے۔ یقیناً وہ سب گاؤں کی عورتوں میں بانٹنے کے لیے ہی تھے۔ شمیم بہت خوش ہوئی تھیں۔ راجپوتوں کی مہمان نوازی آج بھی ویسی ہی تھی۔ بادشاہوں جیسی۔

وہ سب انجوائے کر رہی تھیں۔ رضیہ نے باری باری سب کو تحائف دیے۔ رات کے کھانے کا بھی انتظام اُن کی طرف کیا

گیا تھا۔

رات کا کھانا کھا کر جب وہ گھر آئیں تب کمال اور عادل بھی کھانا کھا چکے تھے۔

"بہت دیر کر دی آپ لوگوں نے آنے میں۔" کمال نے مہک کی طرف دیکھتے ہوئے ذو معنی انداز میں کہا۔ وہاں بیٹھا عادل بخوبی اُس کی بات کا مطلب سمجھتا تھا۔

"ہاں بس رضیہ آپا آنے ہی نہیں دے رہی تھیں۔" شمیم نے خوشی و مسرت سے جواب دیا۔

مہک کمرے میں گئی تو کمال بھی اُس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلا گیا۔

"کیا کہا اُس نے۔" مہک کا بازو پکڑ کر کمال نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں وہاں رش بہت زیادہ تھا۔ اس وجہ سے اُس نے نہ خط کھول کر دیکھا۔ نہ پڑھا۔ اور نہ ہی کوئی جواب دیا۔" مہک ایک لمحے کو رکی۔

"اور ہاں اماں کہہ رہی تھیں کہ پرسوں ہم نے لکھنؤ جانا ہے۔ اس وجہ سے اب حویلی میں بس ایک بار چکر لگے گا۔ اُس کے علاوہ نجانے تم دونوں کی بات کب ہو گی۔ اس لیے اگر اُس خط کے جواب میں اُس نے انکار کر دیا تو تم دوبارہ اُس کے بارے میں سوچو گے بھی نہیں۔" مہک نے اُسے تنبیہ کی۔

"کیا انسان کو اپنی سوچوں پر اختیار ہوتا ہے؟ کیا وہ اپنی یادوں کو لگامیں لگا سکتا ہے؟" کمال طنزیہ مسکراہٹ مسکرایا۔

"نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ وہ مجھ سے شادی نہ کرنا چاہے مجھ سے انسیت نہ رکھے الگ بات ہے۔ لیکن وہ مجھے پسند ہے۔ اچھی لگتی ہے مجھے۔" کمال نے اتنا کہا اور اپنے سامنے کھڑی مہک کے جواب کو سنے بنا ہی کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

دو دن بنا کسی رابطے کے گزر گئے۔ آج وہ لوگ لکھنؤ کے لیے واپس نکلنے والے تھے، واپسی سے پہلے اُنہیں حویلی جانا تھا۔
گاڑی میں سامان عادل اور کمال نے مل کر رکھا۔ کمال کا دل اداس تھا۔ وہ ابھی واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔
سامان جب سارا گاڑی میں رکھا جا چکا تھا تو وہ تینوں زاہدہ اور عادل سے باری باری ملے اور گاڑی میں جا بیٹھے۔ پانچ منٹ بعد وہ حویلی کے سامنے اُترے۔
"ماں، آپ اور مہک ہو آئیں میں یہیں آپ دونوں کا انتظار کر رہا ہوں۔" کمال نے کہا تو شمیم نے اُسے گھورتی نگاہوں سے دیکھا۔
"تم بھی ساتھ چلو۔" شمیم کمال کا بازو پکڑے اُسے اندر لے گئیں۔
شہریار راجپوت بیٹھے کچھ معاملات میں اُلجھے ہوئے لگ رہے تھے۔ جب رضیہ اپنے ساتھ اُن تینوں کو لیے کمرے میں داخل ہوئیں۔
شہریار نے ایک نظر سارے میں گھمائی۔
کمرے میں رضیہ کے بعد شمیم اور اُنکے پیچھے کمال اور مہک دونوں کو آتا دیکھ اُنہوں نے اپنی عینک اُتاری۔
"آیئے شمیم بہن۔۔" اپنی جگہ سے اُٹھتے ہی اُنہوں نے مہک کے سر پر ہاتھ رکھا اور کمال سے ہاتھ ملایا۔
"بھائی صاحب آج ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔ سوچا جاتے ہوئے ایک بار آپ سے ملتے ہوئے جائیں۔" بیٹھتے ہوئے شمیم نے وضاحت دینا چاہی۔
"اتنی جلدی؟ کچھ دن اور رہ لیتے؟" شہریار نے کہا تو فوراً شمیم بولیں۔
"بھائی صاحب بچوں کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔ پھر کمال فیکٹری میں بھی جاتا ہے۔ اس وجہ سے آج ہی جانا ہے۔ ہم تو بس ملنے آئے تھے۔" زہرہ محمل کے ساتھ اسکول چلی گئی تھی۔ عید کا چوتھا دن تھا۔ کمال کی نظریں اس کی متلاشی تھیں مگر وہ اُسے نظر نہ آ سکی۔
"ٹھیک ہے بہن۔ جیسا مناسب لگے آپ کو۔" شہریار راجپوت نے اتنا کہا تو کمال نے چونک کر اُن کی جانب دیکھا۔ وہ کہاں کھو گیا تھا۔
اُن کے ساتھ بیٹھا طفیل اپنے سعودی عرب جانے والے سارے کاغذات کا پلندہ اُٹھائے بیٹھا تھا۔ اُن لوگوں کے آنے کی وجہ سے وہ اب کاغذات سائیڈ ٹیبل پر رکھتا اُن کی جانب پوری طرح سے متوجہ تھا۔
اُسے بھی اسی ہفتے سعودی عرب جانا تھا۔ پھر نجانے جانے والے کب واپس آتے ہیں کوئی نہیں جانتا۔
اُن کے درمیان آدھا گھنٹہ بات چیت چلی۔ طفیل نے بھی بڑھ چڑھ کر اُس میں حصہ لیا۔۔

اُن سے ملنے کے بعد وہ لکھنؤ کے لیے نکل پڑے۔ زندگی جس معمول سے سب کی چل رہی تھی، اُسی معمول پر چلنے لگی۔ کمال نے فیکٹری میں کام کرنا شروع کر دیا۔ کالج کا بھی کام وہ بخوبی کرتا تھا۔ مہک بھی زندگی میں ویسے ہی مشغول ہو گئی جیسے باغرا جانے سے پہلے تھی۔ البتہ کبھی اُسے باغرا اور باغرا میں بسنے والوں کی یاد آتی تو وہ شمیم سے کھل کر بات کر لیا کرتی۔

کچھ لوگ دل میں بس جاتے ہیں۔ کچھ کو ہم چاہ کر بھی بھلا نہیں پاتے۔

مہک اور کمال کے لیے باغرا میں گزرے وہ دس دن اُسی فہرست میں شمار ہوتے تھے تو چاہ کر بھی بھلائے نہ جاسکتے ہوں۔

ایک رات کمال فیکٹری سے تھکا ہارا ہوا گھر داخل ہوا۔ شمیم نے اُسے جلدی سے گرم گرم پانی دیا تاکہ وہ اُس میں اپنے پاؤں بھگو سکے۔ باہر بہت سردی تھی۔ ایسے جیسے سردی جسم کے اندر ہر حصے میں جا رہی ہو۔

کمال نے اپنے پاؤں اُس پانی میں بھگوئے اُسے کافی حد تک سکون ملا تھا۔ گرم پانی سے غسل کر کے وہ کھانا کھانے ہی لگا تھا کہ لینڈ لائن پر کال آنے لگی۔ کمال نے ڈائننگ ٹیبل پر جانے سے پہلے رسیور اُٹھایا اور بولا۔

"ہیلو کون؟" اسکرین پر نمبر اُسے انجانا لگا۔

آگے سے کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے ایک بار پھر سے دریافت کیا۔ مگر اس بار پھر سے جواب نہ آیا تو کمال نے جھنجھلاہٹ میں فون رکھ دیا۔

ابھی وہ فون رکھ کر مُڑا ہی تھا کہ ایک بار پھر سے گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ اُس نے جھنجھلا کر دوبارہ فون اُٹھایا اور غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"اگر بات نہیں کرنی تو اپنا اور میرا وقت ضائع کیوں کر رہے ہو۔ تم جو بھی اب اگر کال کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

اتنا کہہ کر وہ فون رکھنے ہی والا تھا کہ اُس کے سماعتوں سے ایک آواز ٹکرائی۔

"ہیلو۔ میں زہرہ بات کر رہی ہوں۔" کمال کو لگا جیسے اُس نے کچھ غلط سُن لیا ہو۔ وہ کسی سکتے کے عالم میں وہیں کھڑا رہا۔ چند لمحوں بعد اُس نے کہا۔

"کون؟" اُس نے دوبارہ سے دریافت کیا۔

زہرہ نے مسکراتے ہوئے دوبارہ سے کہا۔ "میں زہرہ راجپوت۔" اس سے پہلے کے وہ کوئی اور بات یاں سوال کرتا زہرہ نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا کہ وہ بعد میں کال کرے گی۔

کمال کی بھوک مر چکی تھی۔ حیرت یا تعجب سے نہیں بلکہ خوشی سے۔

زہرہ اُسے کال کر سکتی ہے اُس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"کمال کھانا لگ چکا ہے آ جاؤ۔" وہ ابھی انہیں خیالوں میں گم تھا جب مہک نے آ کر اُسے اُس کی خیالی دُنیا سے باہر نکالا۔

وہ خیالی دُنیا تھی یا حقیقت۔ پتہ نہیں۔

اُس نے سر ہلایا۔

"ہمم۔ تم چلو میں ابھی آتا ہوں۔" مہک بھی سر ہلا کر بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئی۔

چند لمحے گزرے اور فون دوبارہ سے بجنے لگا۔ کمال نے ایک جھٹکے میں فون اُٹھایا۔

"ہیلو۔" آواز کو حد درجہ نارمل رکھتے ہوئے اُس نے کہا۔

"کمال میں زہرہ۔"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں۔" کمال نے فٹ سے جواب دیا۔

"کیا حال ہے آپ کا؟" زہرہ نے سوال کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" کمال نے فوراً سے جواب دیا۔

"آپ کا خط میں نے پڑھا۔ کیا آپ کو واقع میں ہی میں اچھی لگتی ہوں؟" کمال نے ہلکا سا سر کو کھجاتے ہوئے لجاجت سے جواب دیا۔

"جی۔۔"

"میں کیسے یقین کر لوں؟" زہرہ کا سوال سن کر وہ دو لمحوں کے لیے خاموش ہوا۔

"میں کیا کروں کہ آپ کو یقین آ جائے۔" کمال نے سوال کیا تو وہ ہنس پڑی۔

"آپ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" زہرہ دوسری طرف اتنی ٹھنڈ میں کھڑی اپنے دوپٹے کے ایک کنارے کو پکڑے اُس سے کھیل رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اُس نے فون کو تھام رکھا تھا۔

"اچھا۔" کمال بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"کب آؤ گے آپ باغرا؟؟" زہرہ نے سوال کیا تو وہ حیرت بھری خوشی سے فضا میں ہی نظریں جمائیں کچھ دیکھنے لگا۔

"ابھی تو دس دن ہوئے ہیں واپس آئے اتنی جلدی نہیں آپاؤں گا۔ بڑی عید پر دیکھوں گا۔" کمال نے اتنا کہا تو مہک دوبارہ سے کمرے میں آئی۔

"کمال کب سے کھانا لگا یا ہے۔ پھر گرم کر کے رکھا ہے میں نے میز پر۔ اب ٹھنڈا ہوا تو تم خود گرم کر کے کھا لینا میں کمرے میں جا کر لیٹنے لگی ہوں۔۔" کمال نے فوراً فون کو اپنی کمر کے پیچھے چھپایا تو مہک نے مشکوک نگاہوں سے اُسکی طرف دیکھا۔

"یہ کیا چھپا رہے ہو مجھ سے؟ ہیں؟ دکھاؤ مجھے۔" مہک نے آگے بڑھ کر دیکھنا چاہا تو کمال فوراً سے بولا۔

"تم جا کر سو جاؤ میں خود ہی گرم کر کے کھالوں گا۔" مہک نے اُسے موٹی موٹی سبز آنکھوں سے گھورا اور بنا کچھ کہے چلی گئی۔

"کون تھا؟" فون کے دوسری طرف موجود زہرہ نے پوچھا۔

"مہک تھی۔"

"کیا ہوا؟ اُسے پتہ تو نہیں چل گیا؟" زہرہ نے مارے خوف سے پوچھا۔

"ارے نہیں نہیں۔ کھانے کے لیے بلا رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں کام سے آیا ہوں۔" کمال نے وضاحت دینا لازم سمجھا۔

"چلیں صحیح ہے میں نے بس آپ کا حال ہی دریافت کرنا تھا۔ خیال رکھیئے گا اپنا۔" اتنا کہہ کر زہرہ نے کمال کو بھی بولنے کا موقع نہ دیا اور کال بند کر دی۔

کمال نے کتنی ہی دیر فون کو دیکھتے ہوئے گزار دی۔ جب اُسے ہوش آیا تو وہ ڈائننگ ہال کی طرف گیا۔ کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اُس نے کھانا گرم کیا اور آرام سے بیٹھ کر خوش دلی سے کھانا کھایا۔

زندگی میں اُسے جس سے محبت ہوئی وہ بھی اُس سے محبت کرتی تھی۔ اس سے زیادہ خوبصورت احساس اس دنیا میں بھلا کیا ہو سکتا ہے؟

اپنی خوشی میں اُسے ہر چیز حسین لگ رہی تھی۔ ورنہ کہاں وہ ان سب سے بیزار انسان کبھی متاثر ہوتا۔

زندگی ایسے ہی چلتی رہی۔ ہفتے میں ایک بار زہرہ اُسے کال کرتی۔ ٹھیک اُسی وقت پر جب وہ کام سے تھکا ہارا واپس آتا۔ زہرہ کی آواز سن کر اُس کی ساری تھکاوٹ کہیں دور چلی جاتی۔ حال چال پوچھ کر زہرہ فون رکھ دیتی۔ اور یوں اُن کے ایک ہفتے کے لیے وہ چند منٹس کی کال پورے ہفتے کے لیے بہت ہوتی۔

6 مہینوں میں کمال ایک یاں دو بار باغرا کا چکر لگا آتا۔ کبھی عادل بھی لکھنؤ آ جاتا۔

یوں ہی ہفتے مہینوں میں مہینے سالوں میں گزرنے لگے۔ تین سال ہو گئے تھے۔ زندگی بہت تیز رفتار سے گزرتی جا رہی تھی۔ محبتیں اور پکی ہونے لگیں۔

ایک دن عادل کے ساتھ زاہدہ بھی لکھنؤ شمیم سے ملنے آ گئیں۔

اُن کا ارادہ صرف شمیم سے ملنا نہیں تھا بلکہ کچھ اور بھی تھا۔ اُنہیں عادل کے لیے مہک کا رشتہ پوچھنا تھا۔

شمیم نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ سعید سے پوچھ کر بتا دیں گی۔ لیکن اُن کی طرف سے ہاں ہے۔ سعید سے شمیم نے زاہدہ اور عادل کے جانے کے بعد پوچھا تو اُنہوں نے خوشی خوشی ہاں کر دی۔ ایسے ہی اُن کا رشتہ طے پا گیا۔

مہک ٹھہری اپنے بھائی کی بہادر بہن اُس نے ایک دن فرطِ جذبات میں آکر ساری بات شمیم کے آگے رکھ دی۔ شمیم کا ایک ہی بیٹا جو اُنہیں ہر چیز سے عزیز تھا۔ کیسے وہ اُس کی اتنی بڑی خواہش پر انکار کرتیں۔ اُنھوں نے اس کے بارے میں اپنے شوہر سعید سے بات کی۔ ایک مہینہ اُنہیں سمجھا کر جب اُن کی طرف سے اجازت ملی تو شمیم نے اُنہیں واپس بلانا شروع کر دیا۔

دو مہینے اُنہیں واپس آتے آتے لگ گئے۔ پہلے اُنھوں نے مہک کی شادی کی۔ 19 برس کی لڑکی کی شادی ایک خوبرو نوجوان سے ہوئی۔ اُسے فخر محسوس ہوتا تھا عادل کو اپنے شوہر کے روپ میں دیکھ کر۔

اُن کی شادی بہت خوبصورتی سے گزر رہی تھی۔

زاہدہ بھی اُسے اپنی بیٹی کی طرح ہی پیار کرتیں۔ اُس کے نخرے اُٹھاتیں۔

عادل بھی اُسے بہت لاڈ سے رکھتا تھا۔ شادی کے کچھ ہفتے بہت جلدی گزر گئے۔ خوشی خوشی مگر خوشی کونسا ہمیشہ کے لیے آتی ہے۔ خوشی کا ٹائم تو بہت کم ہوتا ہے۔

اُن کی بھی خوشی ماند پڑنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆

"ماں آپ لوگ کب جائیں گے زہرہ کے ہاں اُس کا ہاتھ میرے لیے مانگنے؟ اب تو شہریار انکل کی بھی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ وہ بتا رہی تھی کہ جب سے انکل کی ڈیتھ ہوئی ہے اُس کے چچا اُسے بار بار جلال کے ساتھ شادی کرنے کے لیے مجبور کر رہے ہیں۔ اور کئی دوسرے لوگ بھی اُسے آکر دیکھ چکے ہیں۔" کمال اپنی ماں کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔

"اچھا میں کرتی ہوں تمہارے ابو سے بات۔ کل پرسوں چلتے ہیں باغرا۔ ویسے بھی سعید کو اس ہفتے پھر سے سعودی جانا ہے۔ تو یہ کام بھی ہو جائے یہی ٹھیک رہے گا۔" شمیم نے اُس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"چلیں ٹھیک ہے میں پھر اگلے ایک ہفتے کی چھٹی لے لیتا ہوں فیکٹری سے۔ اور اپنے آفس کے باس سے بھی۔" کمال نے اُٹھتے ہوئے کہا تو شمیم بولیں۔

"یہ فیکٹری کا کام چھوڑ کیوں نہیں دیتا؟ آفس کا کام کرتا تو ہے۔ تو ایک ہی جگہ کا بہت ہے۔ گھر کے اخراجات سہی سے چل تو رہے ہیں۔" شمیم نے اُسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"اچھا سوچتا ہوں اس بارے میں بھی۔ آپ سامان پیک کرنا شروع کریں۔ کل دوپہر میں نکلیں گے اور رات تک باغرا۔" اپنے ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے کمال نے کہا تو شمیم مسکرا دیں۔

"جھلا نہ ہو کہیں کا۔" وہ اُٹھ کر یقیناً سعید کے پاس گئیں تھیں۔ اُنہیں بتانا تھا کہ اُن کا بیٹا کل ہی جانے کی ضد کر رہا ہے۔

سعید نے کچھ نہیں کہنا تھا۔ وہ بھی اپنے بچوں کی خوشی میں خوش ہونے والے انسان تھے۔

اُن لوگوں نے مہک اور عادل کو بنا بتائے جانے کا سوچا۔

اگلے ہی دن وہ باغرا پہنچ گئے۔

اس بات کا علم زہرہ کو بھی نہیں تھا۔ عادل نے جب باہر گاڑی کے رکنے کی آواز سنی تو وہ اُٹھ کر باہری دروازے کی سمت بڑھا۔

آگے سے سعید، شمیم اور کمال گھر میں داخل ہو رہے تھے۔

"ارے ارے ماشاللہ۔۔ بنا بتائے اتنا اچھا سرپرائز۔ مہک دیکھو تو ذرا کون آیا ہے۔" کمرے میں سے دوپٹہ سیٹ کرتی وہ باہر کو آئی۔ سامنے ہی اپنے بابا، کمال اور امی کو دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی اُن کے گلے سے لگ گئی۔

"ماں آپ لوگوں نے ہمیں بتایا بھی نہیں۔" اُن کو گلے سے لگاتے ہوئے مہک نے کہا۔

"ہاں۔ ہم نے سوچا کیوں نا سرپرائز دیا جائے سب کو۔" شمیم نے ہنستے ہوئے کہا تو مہک نے اُن کو دوبارہ سے گلے لگا یا۔

سب سے مل کر وہ اُنہیں کمرے میں لے گئے۔ نومبر کا مہینہ تھا۔ سردی شروع ہو چکی تھی۔

کمرے میں وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ رقیہ کے گھر سے زاہدہ آئیں۔

اُنہیں خود کافی حیرت ہوئی تھی۔

"ائے شمیم بنا بتائے کیوں آئی ہے؟ اطلاع کر کے آتی۔ ہم کچھ اچھا سا اہتمام کرتے، اب ایسے ہی تھوڑی نہ تمہیں کچھ بھی کھلا پلا سکتے ہیں۔ خاص مہمان ہو تم ہماری۔" شمیم سے ملتے ہوئے زاہدہ نے کہا تو وہ جواباً ہنس پڑیں۔

"ایسی بھی بات نہیں ہے زاہدہ۔ ہم تو بس ایک ضروری کام سے آئے تھے۔"

"کیسا ضروری کام؟" زاہدہ نے دریافت کیا۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ ذرا سانس تو لینے دے۔"

"ہاں ہاں بھئی۔ کھل کر سانس لو۔ تمہارا اپنا گھر ہے۔" اتنا کہہ کر وہ خود ہی ہنس دیں۔

دو دن تو اُن کی کمال اور زہرہ کے رشتے کے حوالے سے کوئی بھی بات نہ ہو سکی۔ تیسرے دن اُنہوں نے اپنے آنے کی وجہ زاہدہ کو بتائی تو زاہدہ سوچ میں پڑ گئیں۔ کچھ لمحے سوچنے کے بعد زاہدہ بولیں۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ اب سارا گاؤں شہیر راجپوت کے ہاتھ میں ہے۔ شہریار بھائی تو انصاف بھی انصاف سمجھ کر کرتے تھے لیکن یہ لوگ اپنا مفاد دیکھتے ہیں۔ نجانے یہ لوگ اس رشتے کے لیے راضی ہونگے بھی یا نہیں۔" زاہدہ ایک لمحے کو رکیں۔

"میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔ دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ مانتے ہیں کہ نہیں۔ اگر بچے اور بچی کی یہی خواہش ہے تو اُمید ہے کہ کوئی اعتراض نہ بنے۔" اتنا کہہ کر زاہدہ خود سوچ میں پڑ گئیں۔

کیا واقع شہیر راجپوت انصاف سے کام لے گا؟ یاں اپنا مفاد ہی دیکھے گا؟ وہ نہیں جانتی تھیں۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

بھلا مستقبل کا بھی کسی کو پتہ ہوتا ہے؟

کسی کو نہیں ہوتا۔

آج شام اُنہوں نے سوچا تھا کہ وہ جائیں گے اور پوچھیں گے۔ عاجزی سے، محبت سے۔ مگر جواب کیا ہوگا۔ اس کا جواب اُن کے پاس بھی نہیں تھا۔

شام کے ساڑھے پانچ ہو رہے تھے جب وہ حویلی میں موجود تھے۔ حویلی میں بس چند ملازمین، رضیہ اور زہرہ ہی تھے۔ شہر یار کے بعد حویلی کافی سنسان اور ویران لگنے لگی تھی۔

حویلی کے بڑے مہمان خانے میں ایسا سناٹا چھایا تھا کہ کوئی سانس بھی لے تو اُس کی آواز بھی سنائی پڑ رہی تھی۔

وہ تینوں (سعید، شمیم اور زاہدہ) رضیہ کے سامنے بیٹھے افسوس کر رہے تھے۔ حال ہی میں شہریار کی طبعی موت پر کچھ مصروفیت کے باعث وہ لوگ آ نہ سکے تھے۔

رضیہ خاموشی سے بس اُن کی باتیں سُن رہی تھیں جب مہمان خانے میں زہرہ داخل ہوئی۔ شمیم بہت خوش اسلوبی سے اُس سے ملیں۔

"کیا حال ہے بیٹا؟ خیریت سے ہو؟" شمیم نے پوچھا تو وہ بس مسکرا کر رہ گئی۔

کچھ لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے، پھر سعید نے بولنا شروع کیا۔

"رضیہ آپا میں ایک بار پھر آپ کے در پر سوالی بن کر آیا ہوں۔۔ اور مایوس ہو کر جانے دینا آپ کے ہاں کی صفت نہیں۔" سعید کی بات سُن کر رضیہ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"کیسا سوالی بن کر آئے ہو تم سعید؟" رضیہ نے متحیر سا ہو کر سوال کیا۔ زہرہ سانس روکے وہیں بیٹھی رہی۔

"ہمیں زہرہ کو اپنی بیٹی بنانا ہے، رضیہ آپا۔" سعید کی بات سُن کر نجانے کیوں رضیہ کو اچھا لگا تھا۔ اُن کے چہرے پر مسکان آئی تھی۔

کچھ دیر وہ خاموش بیٹھی رہیں پھر سوچ کر بولنا شروع کیا۔

"اب شہریار تو اس دُنیا میں ہے نہیں جو اس فیصلے میں کوئی سوچ بچار کرتے۔ اور میں اکیلی اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ شہیر بھائی سے صلاح مشورہ کر کے آپ کو بتاؤں گی کچھ۔" اُن کا جواب سُن کر وہاں بیٹھی زہرہ خاموشی سے اُٹھ کر کچن کی جانب

جانب چل دی۔

"ٹھیک ہے آپا جیسے آپ کو بہتر لگے۔"سعید جو تب سے ایک الجھن کا شکار تھا اتنے اچھے سے جواب ملنے پر اُسے کافی حد تک سکون ملا تھا۔

کافی دیر وہ باتیں کرتے رہے جب زہرہ ٹرے میں سجے ہوئے کپ سمیت لوازمات، ملازماؤں کی مدد سے اُٹھا کر لا رہی تھی۔

"ارے بیٹا اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟"شمیم نے اُسے اتنا سب کچھ لاتے دیکھا تو بولے بنا نہ رہ سکیں۔

"کہاں شمیم یہ کیسا تکلف۔ مہمان نوازی کرنا بھی تو آنا چاہیے اگلے گھر جائے گی تو اس کے لیے ہی آسانی رہے گی۔"رضیہ نے کہا تو شمیم نے خوشی سے اُن کی ہاں میں ہاں ملائی۔

مزید آدھا پونہ گھنٹہ وہ لوگ وہاں بیٹھے ہونگے اور رضیہ سے اجازت لے کر وہ گھر آ گئے۔

کمال بار بار صحن کے چکر کاٹ رہا تھا اور عادل اور مہک اُس کی اس حرکت پر مسکرا رہے تھے۔

"ایسے گھوم گھوم کر چکر لگانے سے وہ لوگ جلدی آ جائیں گے کیا؟"اُسے یوں مسلسل گھومتا ہوا دیکھ مہک نے کہا تو کمال نے اُسے سرے سے اگنور کر دیا۔

"ارے دیکھو کوئی ویلیو ہی نہیں ہے میری۔ بیٹا میں نہ بتاتی اماں کو، تو ابھی تک بس فون کالز پر باتیں ہی کرتے ہونا تھا تم نے۔ شکر مناؤ میرا۔ جو میں نے تمہاری سفارش کر دی۔"ابھی وہ ایسے ہی مزاق میں باتیں کر رہے تھے جب وہ تینوں گھر میں داخل ہوئے۔

کمال نے حیرت سے اُن کی جانب دیکھا۔ مہک کو آنکھ کے اشارے سے پوچھنے کے لیے کہا تو وہ اُٹھی اور شمیم کے پاس جا کر پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا اماں؟ کوئی جواب دیا اُنہوں نے؟"شمیم نے مہک کی جانب دیکھا۔

"ہاں کہہ رہے تھے کہ سوچ کر بتائیں گے۔ بلکہ شہیر بھائی سے پوچھ کر بتائیں گے۔ ویسے رضیہ آپا کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ بہت خوش ہیں کہ ہم نے زہرہ کا ہاتھ مانگا ہے۔"شمیم نے اپنا قیاس لگایا۔ کمال کو یہ سن کر اُمید ملی۔ خوشی بھی ہوئی تھی۔

"ہاں مجھے بھی بڑی بی بی کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ جیسے ابھی ہاں کر دیں گی۔ لیکن نجانے پھر کیوں شہیر بھائی سے پوچھنے کے لیے اُنہوں نے وقت مانگا ہے۔ جبکہ بیٹی تو وہ اُن کی ہے۔ اُس کے سارے فیصلے بھی وہ خود کریں یہی بہتر بات ہے۔"زاہدہ نے کہا تو عادل اُنہیں دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"جیسے لوگ ہیں نا شہیر راجپوت اور اُن کے سپوت اللہ ہی خیر رکھے۔"کمال اُس کی بات سن کر حیران ہوا۔

"کچھ نہیں ہوتا اچھا اچھا سوچو۔ اور کمرے میں چلو باہر کافی ٹھنڈ ہو چکی ہے۔ ایسے ہی کسی کو سردی لگ گئی تو اس موسم میں

جلدی صحت یاب ہونا مشکل ہیں۔" شمیم نے کہا تو سب کمرے کی جانب ہو لیے۔

"ویسا کیا ہی نظارہ ہو گا جب زہرہ اور کمال کی شادی ہو گی۔" کمرے میں انٹر ہوتے ہی مہک نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ کمال اور عادل نے سن لیا تھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ ہنسے تھے۔ کمال کو اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ اُسے اتنے پازیٹو ریسپونس کی اُمید نہیں تھی۔

زندگی کتنی حسین لگنے لگتی ہے جب دلی مراد پوری ہوتی نظر آنے لگے۔ کمال کو بھی اب زندگی حسین لگنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆

رات کے کالے اندھیرے میں سایہ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ مگر دور باغرا کی حویلی پر جگمگ کرتے برقی قمقموں سے سارے میں ایک روشنی کی کرن دکھائی پڑ رہی تھی۔ شہیر راجپوت قدم قدم بڑھتا حویلی کی ہی جانب جا رہا تھا۔ جب وہ صدر دروازے کے پاس پہنچا تو وہیں رک گیا۔

نجانے کب وہ اس حویلی پر قابض ہو سکے گا۔ دل میں شیطانیت لیے اُس نے ساری حویلی پر حسد بھری نگاہ دوڑائی۔ وہ ابھی اس پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ باغرا کے سابق سردار کی بیوی (بڑی مالکن) سے سب کو محبت تھی۔ عقیدت تھی۔ ایسے میں وہ خود کو لوگوں کے سامنے لالچی ثابت کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اُس نے ایک نگاہ پھر ساری حویلی پر دوڑائی۔ سر کو نخوت سے جھٹک کر وہ حویلی میں داخل ہو گیا۔

سیدھا وہ رضیہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ رضیہ کے آرام میں خلل تو پیدا ہو چکا تھا۔ مگر آج ہی سعید کی بات اُنہیں شہیر سے کرنا مناسب لگا۔ اُنہیں اعتراض نہیں تھا۔ مگر وہ ایک بار بس صلاح لینا چاہتی تھیں۔

"آؤ شہیر۔ بیٹھو۔" اُسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے رضیہ نے ملازمہ کو گھنٹی بجا کر کمرے میں بلایا۔

ملازمہ کسی جن کی مانند فوراً سے حاضر ہوئی۔

"سردار آئیں ہیں۔ ان کے لیے چائے اور اُبلے انڈوں کا بندوبست کرو۔" ملازمہ نے تابعداری سے سرہاں میں ہلایا اور وہاں سے چلی گئی۔

"خیریت تھی؟ اس وقت خیر سے آنا ہوا؟" سیدھا ہو کر وہ اُس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"جی بھابھی، ویسے ہی دل چاہ رہا تھا کہ ایک بار حویلی سے ہو آؤں۔ بھائی صاحب کی بہت یاد آ رہی تھی۔" مصنوعی محبت سے کہنے والے کہاں سچ کہا کرتے ہیں۔ رضیہ بھی واقف تھیں۔

"اچھا کیا۔ اور سناؤ مسرت کا کیا حال ہے؟ جلال کیسا ہے؟ کوئی کام اور ذمے داری سنبھالنی شروع کی اُس نے تمہارے ساتھ یاں ابھی بھی نہیں۔ اکیلے تو تم یوں تھک جاؤ گے۔" رضیہ نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"جی جی آپا۔ گاؤں کے کافی مسئلوں کا حل وہ تلاش رہا ہے۔ میری جگہ اُس نے اچھے سے سنبھال رکھی ہے اور میں نے سردار کا عہدہ۔" یہ کہتے ہوئے اُن کے انداز سے صاف تکبر جھلک رہا تھا۔ ایک عجیب ہی برتری جو سالوں سے وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

رضیہ نے اپنے سامنے بیٹھے شہیر کا ہر لفظ بغور سنا۔ "اچھی بات ہے۔" اسی لمحے ملازمہ ٹرے میں دو کپ چائے اور اُبلے انڈے رکھے کمرے میں داخل ہوئی۔ انڈوں کو دو حصوں میں کاٹا گیا تھا۔

ملازمہ نے نفاست سے ٹرے میز پر رکھی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

"لو شہیر۔ چائے ٹھنڈی نہ ہو جائے۔" چائے کا کپ اُس کی جانب بڑھاتے رضیہ نے کہا تو شہیر نے کپ تھام لیا۔ ایک ایک کرتا وہ چائے کے سپ لے رہا تھا جب رضیہ نے اُسے ایک بار پھر مخاطب کیا۔

"ایک ضروری بات کرنی تھی تم سے۔" چائے پیتے شہیر نے آنکھیں اُٹھا کر اُن کی جانب دیکھا۔

"جی بھابھی بولیئے۔"

"دراصل آج کچھ دیر پہلے سعید اور شمیم آئے تھے۔" وہ ایک لمحے کو رک کر شہیر کے تاثرات کا جائزہ لینے لگیں۔

"اچھا؟" شہیر نے ایک بھنو اوپر اُٹھا کر اُن سے بات کو جاری رکھنے کا کہا۔

"اپنی زہرہ کا ہاتھ مانگا ہے اُنہوں نے۔ اور مجھے لڑکا بہت پسند ہے۔ کوئی اضافی بات نہیں کرتا۔ سلجھا ہوا ہے اور کماتا بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ بیٹی ہماری شہر میں رہے گی اور خوش رہے گی۔" رضیہ نے ایک لمحے کو رک کر شہیر کی جانب دیکھا۔

شہیر نے چائے والا کپ میز پر پٹخنے کے انداز سے رکھا۔

"بھابھی آپ کا دماغ تو کام کرتا ہے کہ نہیں؟ وہ لوگ آج سے کتنے سال پہلے ہماری مدد کے محتاج رہ چکے ہیں۔ ہمارا دیا اُن کے لیے جینے کا باعث رہا۔ اور آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ اپنی بیٹی وہاں بیاہنہ چاہتی ہیں؟" شہیر کی آواز قدرے بلند ہوئی۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آرہا کہ آپ نے اُن کو وہیں انکار کیوں نہیں کر دیا؟ کیا عزت رہ جائے گی ہماری سارے سماج میں کہ راجپوتوں نے اپنی بیٹی بیاہی بھی تو کہاں؟ غریبوں کے ہاں۔ جن کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔

"ہم نے جلال کا رشتہ اتنی بار زہرہ بیٹی کے لیے مانگا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اب جب کسی غریب نے آ کر مانگا ہے تو آپ نے فوراً سے ہاں ہی کرنے کا سوچ لیا۔" شہیر غصے میں تڑپ کر بولا۔ رضیہ ہنوز خاموش تھیں۔

"چلو ٹھیک ہے میرا بیٹا کام نہیں کرتا۔ لیکن یہ ساری جائیداد کس کی ہے؟ اُسی کی ہے نا۔ اُسے کیا ضرورت ہے کسی بھی قسم کا کام کرنے کی۔" شہیر نے فخر سے کہا تو رضیہ بولیں۔

"زندگی کی ہر چیز پلیٹ میں رکھ کر نہیں مل جایا کرتی شہیر۔ یہ بات بچوں کو ماں باپ نے ہی سیکھانی ہوتی ہے۔"شہیر کو رضیہ کی بات سن کر شہیر کے تو جیسے سارے وجود میں ہی آگ لگ گئی۔

"تو آپ کو میرا بیٹا نکھٹو اور کام چور لگتا ہے؟" وہ ابھی اتنا ہی بولے تھے کہ رضیہ نے اُن کی بات کاٹ دی۔

"میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔" شہیر کا ماتھا گرم ہو رہا تھا۔

"دیکھیں بھابھی آپ کو جلال نہیں پسند کوئی بات نہیں، خیر ہے۔ لیکن زہرہ کی شادی ہم اپنے ہی حسب نسب کے لوگوں میں کروائیں گے۔ اتنے گرے ہوئے لوگوں میں راجپوتوں کی بیٹی کبھی بھی نہیں جا سکتی۔ یہ تو آپ سارے گاؤں والوں کے سامنے ہماری بے عزتی کروانے پر تلی ہیں۔"

"اس میں بے عزتی اور عزت والی کیا بات ہے؟ دیکھو شہیر لوگ اچھے ہونے چاہیے۔ پیسوں کا کیا ہے وہ آج ہے کل نہیں۔ اس لیے ٹھنڈے دماغ سے سوچنا ضرور۔" رضیہ نے اتنا کہا تو وہ فوراً ایک لمحے کو بھی ضائع کیے بنا بولے۔

"آپ نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے منع کر دیا۔ اس سے آگے کوئی بھی بات نہیں ہو گی۔ وہ لوگ جواب طلب کرنے آئیں تو اُن کو سیدھا انکار کر کے چلتا کریئے گا۔"شہیر نے جیسے اپنی زبان سے حرفِ آخر نکالے تھے۔

"زہرہ کو بھی وہ لڑکا پسند ہے شہیر۔ اس وجہ سے میں چاہتی ہوں کہ اس کی شادی وہیں ہو جائے۔"شہیر جو اُٹھ کر جانے کا سوچ رہا تھا۔ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ اُسے جھٹکا لگا تھا۔

پہلے شاید وہ کچھ نہ کر پاتا۔ مگر اب شہیر کے پاس زہرہ کے کردار پر چھینٹیں پھینکنے کو ایک اہم بات موجود تھی۔

"بھابھی جلال کے لیے انکار بھی وہ پھر اسی وجہ سے کرتی تھی؟ کیونکہ اُسے سعید کا بیٹا پسند تھا؟ اور یہ بات آپ کو کب سے پتہ ہے اور وہ کب سے اُسے پسند کرتی ہے؟"شہیر کی آواز ہر لفظ کے ساتھ اونچی ہوتی جا رہی تھی۔

زہرہ نے اُن کی اتنی اونچی آوازیں سنی تو کمرے کے باہر آن کھڑی ہوئی۔ اُس کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔

"پتہ نہیں۔ اُس نے آج ہی کہا وہ بھی میرے پوچھنے پر اُس نے بتایا۔" رضیہ کی بات سن کر شہیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں بھابھی اب تو آپ یہ مبالغہ کر رہی ہیں، ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی بار میں اُسے وہ لڑکا اتنا پسند آ گیا کہ وہ فوراً سے شادی کے لیے مان گئی۔ اُسے ابھی کے ابھی یہاں بلائیں۔۔" آواز اس قدر اونچی تھی کہ زہرہ سہم کے رہ گئی۔

ایک دو منٹ وہ خاموشی سے کھڑا رضیہ کو دیکھتا رہا۔ جب اُنہوں نے آواز نہ لگائی تو وہ خود ہی اونچی اونچی آواز میں زہرہ کو پکارنے لگے۔

"زہرہ۔۔۔۔ زہرہ۔۔۔"

"کیا کر رہے ہو شہیر؟ ہمارے گھر میں کبھی کسی نے اتنی اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ اور تمہاری آواز ہے کہ ہر لمحے بلند

ہوتی جارہی ہے۔" رضیہ نے اُن کو روکنے کی کوشش کی۔۔

وہ خود ہی کمرے سے باہر جانے لگے تھے۔ جیسے ہی اُنہوں نے دروازہ کھولا سامنے زہرہ کو دیکھتے ہی اُس کی نرم کلائی کو اپنی مضبوط مٹھی میں جکڑ لیا۔ اُسے کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئے۔

باپ کا سایہ سر پر نہ ہو تو لوگ بھیڑیوں کی طرح نوچ کھاتے ہیں۔ زہرہ کو اندازہ ہو رہا تھا۔

اُسے زور سے بیڈ پر پھینکتے ہوئے اُنہوں نے اونچی آواز میں کہا۔

"کب سے کرتی ہو تم سے اُس لڑکے سے باتیں؟" جب کوئی جواب نہ آیا تو وہ آگے بڑھنے لگے تھے کہ رضیہ نے آگے بڑھ کر شہیر کو کھینچ کر تھپڑ مارا۔

"تمہارے بھائی نے آج تک اسے اُف تک نہیں کہا اور تم اُس پر ایسے ظلم ڈھا رہے ہو؟ میری بیٹی ہے۔ اس کے ہر ایک فیصلے پر میرا اختیار ہے۔ یہ وہی کرے گی جو میں کہوں گی۔ تم سے صلاح لینی تھی میں نے۔ تم سے فیصلہ کرنے کو نہیں کہا تھا۔ جو تم اُس پر ایسے ہاتھ اُٹھا رہے ہو، یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے جو تم نے یہ حرکت کی۔ روز روز باغرا کے سردار کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مجھ سے تھپڑ کھائے۔" وہ ہانپنے لگی تھیں۔ اُنہیں شدید غصہ تھا۔

ابھی وہ خود پر ضبط رکھے ہوئے تھیں۔

"تمہارا بیٹا آخر کرتا ہے؟ اور تم نے ساری عمر کیا کیا ہے؟ بس اپنی جھوٹی انا کو میرے شوہر کے نام کے پیچھے زندہ رکھا۔ شہریار نے یہ ساری عزت اپنے بل پر بنائی تھی۔ نہ کہ اُنہیں یہ سب کسی نے ہاتھ میں لا کر تھما دی تھی۔ اپنے اقتدار کا ناجائز فائدہ مت اُٹھاؤ۔ ورنہ میں اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اُٹھاؤنگی۔" اُن کا سانس پھولنے لگا تھا۔

زہرہ خاموشی سے روئے جارہی تھی۔ شہیر بت بنے کھڑا تھا۔ تھپڑ پڑتے ہی اُس نے بے اختیار اپنا ہاتھ اپنے گال پر رکھا تھا جہاں رضیہ نے تھپڑ مارا تھا۔

بنا کچھ کہے آنکھوں میں خون لیے وہاں سے وہ خاموشی سے چلا گیا۔ آنکھوں میں انگارے دہک رہے تھے۔ کندھوں پر شال اوڑھتے ہوئے وہ پوری وجاہت سے نکلا تھا۔ کوئی دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ ابھی تھپڑ کھا کر نکل رہا ہے۔

رضیہ بے اختیار ہو کر زہرہ کی طرف بھاگیں۔

"تم ٹھیک ہو بیٹا کہیں لگی تو نہیں؟" اُس کو چیک کرتے ہوئے رضیہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"جی ماں۔۔" اُس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"کل میں ایک بار پھر اُسے سمجھانے کی کوشش کرونگی۔ اُمید ہے کہ وہ مان جائے گا۔" رضیہ نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

☆☆☆☆☆

اگلی صبح بہت سے لوگوں کے لیے اچھی نہیں تھی۔ لیکن ابھی اُنہیں پر سکون فضا محسوس ہو رہی تھی۔

"ماں اُن لوگوں نے کب تک جواب دینے کا کہا ہے؟" مہک صبح ناشتہ کرتی شمیم سے پوچھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں بیٹا جب اُن کو لگے گا کہ جواب دینا چاہیئے وہ جواب دے دیں گے۔ ایسے کاموں میں جلد بازی نہیں ہوتی۔" مہک نے کچھ سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے جب باہر دستک ہوئی۔ دروازہ بار بار بجتا ہی چلا جا رہا تھا۔ عادل ناشتہ چھوڑ کر باہر دروازے پر دیکھنے گیا کہ کون آیا ہے۔ جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا۔ وہ متعجب سا وہیں ساکت ہو گیا۔

سامنے شہیر راجپوت اپنے ملازمین کے ساتھ کھڑا تھا۔ اُن کے ہاتھوں میں کئی تھال تھے۔ کیا ایک ہی رات میں وہ اتنا بدل گیا تھا؟

"آیئے۔" راستہ چھوڑتے ہوئے عادل نے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"ارے نہیں بیٹا۔ میں تو یہاں جلال کے نکاح کی دعوت دینے آیا تھا۔ اگلے سوموار کو اُس کا نکاح ہے۔" عادل سن کر مسکرایا۔ ملازم نے تھال میں سے ایک مٹھائی کا ڈبہ نکال کر عادل کی جانب بڑھایا۔ عادل نے آگے ہو کر ڈبہ پکڑ لیا۔

"شکریہ۔"

"پوچھوگے نہیں کہ کس کے ساتھ ہے نکاح؟" شہیر نے ہنستے ہوئے کہا تو عادل نے مروتاً پوچھ لیا۔ ورنہ اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اُس کا نکاح کس کے ساتھ اور کب ہو رہا ہے۔

"زہرہ بیٹی کے ساتھ ہے اُس کا نکاح۔ سب گھر والوں کی دعوت ہے۔ آپ سب لازمی آنا۔" عادل متحیر سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

"مجھے باقی بھی لوگوں کو دعوت دینی ہے۔ سوموار کو ملاقات ہوتی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے۔ مگر عادل کو وہاں سے ہلنا یاد ہی نہیں رہا تھا۔

کافی دیر جب وہ وہاں سے کمرے میں نہ گیا تو اُس کے پیچھے مہک آئی۔

"کون تھا؟ اور یہ کیا ہے؟" مہک نے باہر جھانکنے کی کوشش کی۔ عادل کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ بھی ویسے ہی تھا۔

"کب سے یہاں پر کھڑے ہیں آپ۔ اندر چلیے ناشتہ بھی پورا نہیں کیا۔" وہ اُسے بازو سے پکڑے اندر لے جانے لگی تو وہ بولا۔

"شہیر راجپوت آیا تھا۔ جلال کے نکاح کی دعوت دینے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ کب ہے اُس کا نکاح؟"

"اس سوموار کو۔" عادل نے میکانکی سی کیفیت میں کہا۔

"اچھا اچھا۔ کس کے ساتھ؟" عادل کو لگا اب وہ بول نہیں پائے گا۔ ہمت کر کہ اُس نے بتایا۔

"زہرہ راجپوت کے ساتھ۔" اُسے اپنے ہی کانوں سے دھواں نکلتا ہوا محسوس ہوا۔

"کیا؟" مہک نے آنکھیں پھاڑے عادل کی جانب دیکھا۔

پیچھے کھڑا کمال بھی اُن کی باتیں سن چکا تھا۔

"آپ کو سننے میں غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ ابھی کل تو رضیہ خالہ نے اتنی خوشی سے کہا تھا کہ وہ سوچ کر بتائیں گی۔ اچانک ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم مہک۔" اتنا کہہ کر عادل پیچھے کی جانب مڑا تو کمال نم آنکھوں سے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کمال۔۔" اُس نے اُس کا نام لیا تو مہک نے بھی گردن موڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

کمال نے نفی میں سر ہلایا۔ جیسے خود کو دلاسہ دینا چاہا ہو۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔

اگلے گھر مٹھائی دیتے ہوئے شہیر کو کل رات کی باتیں یاد آئیں۔

جب وہ گھر پہنچا غصے سے ہوتی لال آنکھوں کو دیکھ مسرت نے اُس نے پوچھنا چاہا۔ مگر جواب نہ ملا۔ چند لمحے بعد وہ بولا۔

"جلال کہاں ہے؟"

"جلال بیٹا۔۔۔! جلدی آؤ تمہارے ابو تمہیں بلا رہے ہیں۔" مسرت نے کہا تو پانچ منٹ بعد وہ اپنے گرم بستر سے منہ بسورے نکلا۔

"کیا ہے امی رات گئے میں بھی آپ لوگوں کے کام ختم نہیں ہوتے۔" اُسے اس وقت اپنے گرم نرم بستر کو چھوڑنا موت لگ رہا تھا۔

"ارے بیٹا تمہارے ابو کو کوئی بات کرنی تھی تم سے۔ بیٹھو ادھر۔" مسرت نے اتنا کہا اور شہیر کے چہرے پر نظر ڈالی۔ تاثرات بے حد کٹھور لگ رہے تھے۔

"کیا ہوا شہیر؟ سب خیریت ہے نا؟" مسرت نے پوچھا تو شہیر نے ویسی ہی نظر سے اُس کی جانب دیکھا۔

پھر جلال کی طرف دیکھا۔

"اگلے ہفتے تمہارا نکاح ہے۔" اُن دونوں پر جیسے دھماکہ ہوا تھا۔

"کس کا؟" جلال نے تعجب سے پوچھا۔

"تمہارا۔"

"کس کے ساتھ ؟" اس بار مسرت نے پوچھنا چاہا۔

"زہرہ کے ساتھ۔" مسرت کو لگا جیسے اُنہوں نے صحیح نہیں سنا۔

"کس سے ؟" اُنہوں نے دوبارہ پوچھا تو وہی جواب ملنے پر وہ خاموش ہو گئیں۔

"پر وہ تو شادی کے لیے مان نہیں رہی تھی اب اچانک کیا ہوا۔" جلال نے پوچھا تو شہیر نے جھنجھلا کر اُس کی جانب دیکھا۔

"جب تمہیں کہا ہے کہ تم نکاح کی تیاری کرو تو مزید سوال کرنے کا کیا فائدہ ہے ؟" شہیر نے رعب سے کہا تو دونوں ماں بیٹے چپ ہو گئے۔

کیا کچھ چل رہا تھا شہیر کے دماغ میں۔ یہ تو بس وہ ہی جانتا تھا۔

☆☆☆☆☆

مسکراتے ہوئے وہ سارے گاؤں والوں کو دعوت دے چکا تھا۔ آخر میں رضیہ بیگم کو۔

"ہم جلال کا نکاح کرنے جا رہے ہیں اس سوموار کو۔" شہیر نے کہا تو رضیہ نے ہنستے ہوئے مٹھائی چکھی۔

"ماشاللہ ماشاللہ۔۔ کس کے ساتھ ؟"

"اپنی بیٹی زہرہ کے ساتھ۔ اور کس کے ساتھ کریں گے بھلا۔" رضیہ کا منہ تک جاتا ہاتھ ایک لمحے کو رکا۔

اُنہوں نے مٹھائی وہیں رکھ دی۔ "یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟" رضیہ نے تعجب سے پوچھا۔ لہجہ حیرت زدہ تھا۔

"کیسی باتیں کیا کر رہا ہوں آپا؟ سہی بات کر رہا ہوں۔ زہرہ بیٹی ہمیشہ آپ کی نظروں کے سامنے رہے گی۔ اس سے زیادہ آپ کو اور کیا چاہیئے۔"

"شہیر تم نے اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر خود کیسے کر لیا؟" اُنہیں غصہ آ رہا تھا۔

"کیونکہ میں باغرا کا سردار ہوں۔ اور آپ بھی جانتی ہیں کہ یہاں وہی ہوتا ہے جیسا سردار کا حکم ہوتا ہے۔ ہمیں پہلے ہی زہرہ کی شادی جلال سے کروا دینی چاہیے تھی۔ لیکن کوئی بات نہیں دیر سویر سے کیا ہی ہو جاتا ہے؟ شادی آج ہو یا کل کرنی تو ہے ہی۔" شہیر نے مسکراتے ہوئے کہا اور ملازمہ کو آواز دی۔

کچھ لمحوں میں ہی ملازمہ وہاں موجود تھی۔

"جاؤ زہرہ بی بی کو بلا کر لاؤ۔" شہیر نے کہا تو ملازمہ سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی۔ پانچ منٹس بعد زہرہ شہیر راجپوت کے سامنے کسی مجرم کی مانند سر جھکائے کھڑی تھی۔

"جی چچا۔ آپ نے بلایا تھا۔" زہرہ نے کہا۔

"ہاں۔ بیٹھو۔" وہ بنا کچھ کہے بیٹھ گئی۔

"یہ لو۔ منہ میٹھا کرو۔" زہرہ نے نا سمجھی میں ماں کی طرف دیکھا۔ جو کچھ بھی کہنے سمجھنے کی حالت میں نہیں تھیں۔

زہرہ نے ایک گلاب جامن اُٹھایا اور کھانے لگی۔ ابھی اُس نے گلاب جامن منہ میں ڈالا ہی تھا کہ شہیر کے الفاظ سے وہ پتھر کی ہو گئی۔

"اس سوموار کو تمہارا نکاح ہے، جلال شہیر راجپوت سے۔" پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس نے اپنی ماں کی جانب دیکھا۔ وہ کچھ نہ بولیں تو آنکھ سے آنسو گرا۔

"باغرا کے سردار کا حکم ہے۔ تمہاری ماں بھی اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی بیٹا۔ اس لیے آرام سے اس شادی کے لیے مان جاؤ۔" شہیر نے اتنا کہا اور چہرے کے تاثرات ایک پل میں تن گئے۔

وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بنا کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اُس کا فیصلہ حرفِ آخر تھا۔ وہاں بیٹھی زہرہ اور رضیہ جانتی تھیں۔

"میرے بس میں ہوتا تو تمہیں یہاں سے کہیں بہت دور لے جاتی۔ مگر یہ سرداروں کی سرداری ہے بیٹا۔ ایک بار جو لفظ منہ سے ادا ہو گیا سو ہو گیا۔ اُسے پورا کرنا اُن کی انا کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس لیے اسے ہی اپنی قسمت سمجھ کر نکاح کی تیاری کرو۔" کالی سیاہ آنکھوں سے اب آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔

رضیہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

زہرہ کمرے میں خاموشی سے روتی رہی۔ یہی اُس کا مقدر تھا۔

☆☆☆☆☆

"ہم ایک بار جاتے ہیں حویلی۔ پوچھتے ہیں رضیہ آپا سے کہ ایسا کیا ہو گیا جو ایک ہی دن میں اُنہوں نے اتنا بڑا فیصلہ سنا دیا ہے۔" شمیم نے کہا تو سعید نے روک دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کی بیٹی ہے جیسے وہ چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔ ہم اس معاملے میں کسی کی بھی قسم کی زبردستی نہیں کر سکتے اُن کے ساتھ۔ اپنا سامان پیک کرو کل واپس لکھنؤ کے لیے نکلنا ہے۔ ہفتے والے دن میری فلائٹ بھی ہے۔" سعید نے اتنا کہا اور اپنے سامنے رکھا اخبار اُٹھا لیا۔

کمال ضبط کیے اُن کی باتیں سنتا رہا۔ عادل اور مہک اُس کی جانب بیچارگی سے دیکھ رہے تھے۔ مگر وہ ذرا بھی کمزور نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تو بس ایک ہارا ہوا انسان لگ رہا تھا۔ جسے اپنی محبت کا ماتم منانا تھا۔

نہ ہی وہ لوگ حویلی گئے اور نہ ہی کسی قسم کی بات ہوئی۔ نکاح کی تیاریاں ہونے لگیں۔ وہ لوگ واپس لکھنؤ چلے گئے۔

دن تھا جمعرات کا۔ تاریخ تھی 12 دسمبر 2004

سردی کی شدت سے باہر ہر شے جم گئی تھی۔ کمال خاموشی سے ہال میں بیٹھا تھا۔ جب فون بجا۔ اس وقت تو بس زہرہ کال کرتی تھی۔

کمال نے بنا جوتا پہنے ٹھنڈے فرش پر اپنے پاؤں دھرتے ہوئے کال رسیو کی۔

"زہرہ؟" اُس نے فون کان سے لگاتے ہی اُسکا نام لیا۔

"کمال مجھے نہیں کرنی شادی جلال سے۔ تم مجھے یہاں سے آکر لے جاؤ۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تم نے اپنی مرضی سے نکاح کی ہامی بھری ہے۔" کمال کی نم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اُس نے زور سے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں۔ نہیں۔ شہیر چچا زبردستی کر رہے ہیں۔ میں نے اُس جلال سے شادی کے لیے انکار کیا اس لیے وہ میری پسند سے شادی پر راضی نہیں ہو رہے۔ تم پلیز مجھے یہاں سے لے جاؤ۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اس سے پہلے کے کمال کچھ کہتا زہرہ نے یہ کہہ کر کال کاٹ دی کہ کوئی آگیا ہے وہ اُسے کچھ دیر میں کال کرتی ہے۔

کمال اُس کی باتیں یاد کر کر کے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اُس نے بنا کچھ سوچے سمجھے عادل کو کال لگائی۔

"ہیلو۔" عادل کی بھاری آواز اُسے سنائی دی۔ یقیناً وہ اس وقت نیند میں تھا۔

"زہرہ کی کال آئی تھی۔" کمال نے فوراً کہا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" عادل نے غصے سے کہا۔

"بھاگنے کا کہہ رہی تھی۔ اس سوموار کو اس کا نکاح ہے؟ کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟"

"تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ تو ایک لڑکی کو بھگانے کا کہہ رہا ہے۔" عادل کی ساری نیند اُڑ چکی تھی۔

"تو میرا ساتھ دے گا یا میں اُسے خود با غرا سے بھگا کر لے جاؤں؟" کمال کی بات سن کر عادل کچھ لمحے خاموش رہا۔

"دیکھو وہ جذبات میں ہو گی اس وجہ سے کہہ دیا ہو گا ورنہ اتنا بڑا فیصلہ وہ کیسے کر سکتی ہے؟ ایک بار اُسے کہو کہ سوچ لے۔ پھر جو کرنا ہوا میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔" کمال اُس کی بات سن کر مطمئن ہو گیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں کچھ دیر میں کال کرتا ہوں پھر بتاتا ہوں۔" اتنا کہتے ہی اس نے کال بند کر دی۔ عادل کے دل میں خوف آیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد زہرہ نے دوبارہ سے اُسے کال کر لی۔ "کمال پلیز مجھے یہاں سے لے جاؤ ورنہ میں نے زہر کھا کر خود کی جان

لے لینی ہے۔"وہ جذبات میں کیا کچھ کہے جا رہی تھی۔

"اچھا اچھا میں بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔ ہفتے والے دن ابو کی فلائٹ ہے۔ مہک اور خالہ زاہدہ نے بھی کل لکھنؤ آ جانا ہے۔ اتوار والے دن تم عادل کے ساتھ لکھنؤ آ جانا یعنی 19 تاریخ کو۔۔ ہم یہاں سے کسی اور شہر شفٹ ہو جائیں گے اور پھر جلد ہی انڈیا بھی چھوڑ دیں گے۔ اتنے پیسے تو میں نے جمع کر رکھے ہیں۔"اتنا کہہ کر کمال نے زہرہ کو عادل کا نمبر لکھوایا۔ جو اُس نے فوراً سے لکھ لیا۔

"عادل سے رابطے میں رہنا۔ وہ تمہیں بتائے گا کب، کہاں اور کیسے آنا ہے۔ پریشان مت ہونا زہرہ میں سب سنبھال لونگا۔"

پھر کافی دیر اُن دونوں نے ایک دوسرے کو دلاسہ دیا۔ اور کال بند کرتے ہی کمال نے عادل کو دوبارہ سے کال لگائی۔

اُس کے ساتھ اگلا سارا لائحہ عمل بنا کر وہ اپنے بستر پر جا لیٹا۔ لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ کیا کرنے جا رہے تھے اس کا اندازہ اُنہیں خود بھی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆

دو دن بعد

سعید فلائٹ سے سعودی عرب کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ عادل گھر میں اکیلا تھا۔ وہ رات اور اگلا دن اُس نے بنا کہیں جائے گزار دیے۔ خاموشی سے۔ مہک، شمیم اور زاہدہ کمال اور عادل کے پلان سے بالکل ناواقف تھیں۔

اتوار کی رات کے 9 بج رہے تھے جب اُس نے ایک نمبر ڈائل کیا۔

"چھوٹی مالکن۔ رات کو بارہ بجے آپ گیٹ سے باہر نکل آیئے گا۔ میں آپ کا بالکل حویلی کے سامنے انتظار کر رہا ہونگا۔"

کال اُٹھاتے ہی اس نے بولنا شروع کیا۔

"ٹھیک ہے اتنا کہہ کر دوسری جانب سے فون رکھ دیا گیا۔

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ اُس نے چاروں اطراف کا جائزہ لیا۔

بارہ بج کر چند منٹ ہی گزرے تھے کہ وہ پاؤں میں جو گرز پہنے گھر کی سیڑھیوں سے چوری چھپے ہاتھوں میں ایک بڑا کالا بیگ اُٹھائے بنا کوئی آواز کیے قدم قدم کرتی نیچے صحن میں اُتری۔۔۔

بہت زوروں سے بارش ہو رہی تھی۔ وہ ٹھنڈ سے کانپنے لگی۔۔ بارش اُسے بھگوتی جا رہی تھی۔۔۔

اُس کے کمر سے نیچے جاتے بال سارے گیلے ہو چکے تھے۔۔

وہ ساری بارش میں بھیگ چکی تھی۔۔

اُس نے گردن گھمائی۔۔

چاروں اطراف کا جائزہ لیا۔۔

کوئی اُسے دیکھ تو نہیں رہا۔۔۔؟

وہ سہمی ہوئی اپنا منہ اپنی بڑی سی سفید چادر میں بار بار چھپا رہی تھی۔۔

اُس کی کالی سیاہ آنکھیں رات کی سیاہی میں مزید کالی لگ رہی تھیں۔۔

سفید دودھیا رنگ ٹھنڈ سے نیلاہٹ پکڑ رہا تھا۔ مگر وہ اس سے بے نیاز ابھی تک اپنی تمام حسیّات کو ارد گرد کا جائزے لینے کے لیے استعمال کر رہی تھی۔۔ اُسے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

وہ آخری سیڑھی پر آچکی تھی۔

نیچے لال اینٹوں والا صحن بارش کے پانی سے بھر چکا تھا۔۔

پیر جو اُس نے سفید جو گرز میں قید کیے ہوئے تھے جیسے ہی پانی سے بھرے صحن میں رکھے تو دونوں جو گرز میں پانی بھر گیا۔۔

اُس کے پاؤں بھی گیلے ہو گئے۔۔

بارش اُس گاؤں پر تڑا تڑ برس رہی تھی۔۔

بیگ اُس کی بساط سے زیادہ وزنی تھا۔۔

وہ بہت مضبوطی سے اُسے تھامے ہوئے تھی۔۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ باہری دروازے تک پہنچی۔۔

ایک نظر ساری حویلی پر دوڑائی۔۔

وہ ٹھنڈ سے کانپ رہی تھی۔

گھر کے مالکین سمیت گھر کے ملازمین بھی اس وقت گہری نیند کی آغوش میں سوئے ہوئے تھے۔ اُس نے اگلے ہی لمحے گردن کو سیدھا کیا کنڈی کھولی اور باہر نکل گئی۔۔

اُس کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر گالوں پر لڑکھا تھا جو بارش کے قطروں میں ہی زائل ہو کر رہ گیا۔۔۔

کیچڑ سے اُس کے پاؤں گندے ہو چکے تھے۔۔۔

اپنی آنکھوں کو چھوٹا کر کے اُس نے ذرا غور سے دیکھا۔

باہر عادل کھڑا اُسی کا منتظر تھا۔۔

اُس کے چہرے پر زہرہ کی نسبت زیادہ خوف تھا۔۔

وہ آہستگی سے بھاری بیگ اُٹھائے اُس کے پاس چلتی گئی۔

بارش کی وجہ سے اُس کا پاؤں بار بار پھسل رہا تھا۔۔ وہ بار بار گرتے ہوئے بچ رہی تھی۔۔

عادل فوراً سے آگے بڑھا۔۔

"اتنے بھاری بیگ میں کیا کچھ ڈال لائی ہیں آپ چھوٹی مالکن۔۔" وہ احتراماً بولا تھا۔۔

"کچھ بھی نہیں۔۔" وہ مارے ڈر و خوف سے کچھ بول نہ پائی۔ اُس کے ہونٹ کالے ہو چکے تھے۔ ٹھنڈ سے دانت ایک دوسرے پر بج رہے تھے۔۔

"جلدی چلیں کوئی دیکھ نہ لے۔۔" عادل اُس کے ہاتھ سے بیگ پکڑے فوراً سے چلنے لگا وہ بھی بنا کچھ کہے اُس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔۔ تابعداری سے۔۔ بنا کسی سوال جواب کے۔۔

گاؤں سے باہر نکلتے ہی ایک تانگا کھڑا تھا جس کا انتظام پہلے سے ہی کیا گیا تھا۔

عادل نے وہ بیگ رکھتے ہی اُس زہرہ کو تانگے پر بٹھایا اور ریلوے اسٹیشن کی جانب گھوڑے کو دوڑا دیا۔۔

وہ دونوں مکمل طور پر بھیگ چکے تھے۔۔

بیس سے پچیّس منٹ بعد وہ دونوں ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تھے۔۔ عادل نے دو ٹکٹس لیے اور آ کر زہرہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔۔

"یہاں سے شہر جانے میں کتنا وقت لگے گا؟" زہرہ عادل سے بس اتنا ہی پوچھ پائی۔۔

"سات آٹھ گھنٹے لگ جائیں گے مالکن۔۔" وہ احتراماً جواب دیتا بار بار گردن کو آگے کر تا ریل گاڑی کا انتظار کر رہا تھا۔۔

"ایسے دیکھنے سے ٹرین جلدی آ جائے گی؟" اتنے سیریس ماحول میں بھی اُسے مزاق سوجھ رہا تھا؟

"نہیں مالکن۔۔" وہ ذرا شرمندہ سا ہوا تھا۔۔

"تم مجھے مالکن کیوں کہہ رہے ہو؟"

"کیونکہ میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔۔"

"گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کی بھی عزت ہوتی ہے؟" اُس نے پوچھا تو عادل کوئی جواب نہ دے سکا۔

کچھ لمحے بعد ٹرین اسٹیشن پر آن رکی۔ وہ دونوں ٹرین پر سوار ہو گئے۔۔

اُسے اب پہلے جتنا خدشہ نہیں رہا تھا۔۔ وہ اب خود کو آزاد گردان رہی تھی۔

وہ سکون سے آنکھیں موند گئی۔

کچھ ہی گھنٹوں میں اُسے کمال کے پاس پہنچ جانا تھا مگر انسان جیسا سوچتا ہے زندگی ہمیشہ اُس سے برعکس کرتی ہے۔

ابھی وہ آدھا سفر ہی طے کر پائے تھے کہ ٹرین میں کسی خرابی کی وجہ سے ٹرین کو روک دیا گیا۔ ٹرین اگلے اسٹیشن پر نہیں جا سکتی تھی اس وجہ سے اُنہوں نے بس سے جانے کا سوچا۔۔

وہ ٹکٹس لے چکے تھے جب زہرہ کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا اور اس کے قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔ اُسے لگا جیسے وہ یہیں مر جائے گی۔ وہ جو کبھی باغرا سے ایک دفعہ بھی باہر اکیلی نہیں گئی تھی۔ آج اتنی دور اکیلی سفر کر کے آ گئی تھی۔ اُس نے بمشکل اُس کا نام پکارا۔

"جلال۔۔" اس سے آگے اُس نے ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا کہ ایک زور دار تھپڑ جلال نے اُسے مارا۔

عادل بس کے قریب کھڑا تھا۔ زہرہ کو لینے جب وہاں واپس آیا تو جلال نے اُسے آگ بگولہ ہوتی نظروں سے دیکھا۔

"اگر اپنی جان عزیز ہے نا تو یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ ایک بات اور سُن لو اگر چاہتے ہو کہ کمال، تمہاری ماں اور تمہاری بیوی زندہ رہیں تو جا کر کہہ دینا کہ زہرہ مر گئی۔۔" اُس کی آواز میں ایسی گرج تھی کہ عادل کچھ بھی نہ کہہ پایا۔ جلال اپنے ساتھ اپنی پوری فوج لایا تھا۔

جلال نے اُسے دوبارہ سے دفع ہونے کا کہا۔ وہ وہاں سے جا نہیں رہا تھا جب جلال نے اُسے کہا۔

"تمہاری بیوی تمہیں بہت عزیز ہے نا؟ اگر وہ ماردی گئی تو؟ اگر زندہ دیکھنا چاہتے ہو اپنے گھر والوں کو تو وقت رہتے اپنے گھر چلے جاؤ۔" جلال دھاڑا تھا۔ عادل نے آگے بڑھ کر اُس کا گریبان پکڑا۔

"یہاں وقت ضائع کرتے رہو۔ وہاں تمہارے گھر والے اپنی سانسیں ضائع کر رہے ہونگے۔" اُس کے خباثت سے کہا تو عادل نے اُسے اک جھٹکے سے پیچھے دھکہ دیا۔ بے بسی کے ساتھ اُس نے جلال کے پیچھے کھڑی زہرہ کو دیکھا۔ اُس کے چہرے پر افسوس تھا، دکھ تھا، تکلیف تھی، رنج تھا۔ نجانے وہاں کیا کیا تھا۔ زہرہ روتی رہی اور وہ اُسے معافی طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے چل گیا۔

"دیکھا تم نے۔ کوئی بھی اپنی عزیز چیز کو یوں چھوڑ کر نہیں جاتا۔ وہاں لکھنؤ میں اس کی عزیز چیزیں ہیں نہ کہ تم۔ تم چلو میرے ساتھ تمہیں تو گھر جا کر بتاتے ہیں۔" وہ اُس کا بازو اپنی مضبوط گرفت میں جکڑے اُسے واپس باغرا لے جانے لگا۔

"ٹرین سے آئی تھی نا؟ ٹرین سے ہی واپس جاؤ گی تم۔" اُسے گھسیٹتا ہوا وہ ٹرین میں لایا۔

"یہاں سے ایک انچ بھی تم ہلی تو یقین جانو، گھر زندہ نہیں پہنچو گی۔" اُسے تنبیہ کرتے ہوئے جلال نے اُسے سیٹ پر بٹھایا۔ سارے راستے اُس کا دل کر رہا تھا کہ کہیں زمین پھٹے اور وہ اُس میں سما جائے۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ مرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آنکھوں سے آنسو تک گرنے بند ہو چکے تھے۔ وہ دم سادھے بیٹھے رہی تھی۔

صبح کے 4 بج رہے تھے جب وہ سب کے سوئے ہی باغ اواپس پہنچ گئے تھے۔ یہاں سے جاتے ہوئے اُس نے سوچا تھا کہ شاید وہ یہاں کبھی واپس نہیں آپائے گی لیکن انسان جیسا سوچے لازمی تو نہیں کہ ویسا ہی ہو۔ انسان کی سوچ اُسے وہاں جا کر مات دیتی ہے جہاں کا اُس نے تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔

برقی قمقموں سے حویلی دور سے اپنی وجاہت ظاہر کر رہی تھی۔ جب وہ حویلی میں داخل ہوئی تو اُسے یہ تھا کہ ماں ابھی تک سوئی ہو گی۔ کسی کو اس بات کا پتہ ہی نہیں ہو گا۔ مگر اس بار پھر زندگی نے اُسے دھوکہ دیا۔

شہیر چچا، مسرت چچی اور اُس کی ماں وہ سب اُس کے بھاگنے کے بارے میں جان چکے تھے۔ وہ سب اُسی کا انتظار کر رہے تھے۔

جب وہ مہمان خانے میں جلال کے ساتھ داخل ہوئی اُس کے سفید جوگرز جو کہ کیچڑ کی گندگی سے گندے ہو ہو کر مٹیالے ہو چکے تھے، قالین پر رکھتے ہی قالین گندا ہو گیا۔

اُسکی نظر سب سے پہلے صوفے پر بیٹھی رضیہ پر گئی۔ اُن کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ خاموش تھیں۔ جیسے آج اُن کے شوہر کے ساتھ ساتھ اُن کی عزت بھی مر گئی۔ اور وہ اُس کا خاموشی سے سوگ منا رہی ہوں۔

زہرہ کی نظریں شرمندگی سے جھک گئیں۔

"یہ گل کھلانے کے لیے آپ نے اُس دن اپنی بیٹی کی طرف داری کی تھی آپا؟" شہیر نے تڑخ دار لہجے میں کہا لیکن رضیہ کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔

زہرہ نے آگے بڑھ کر اپنی ماں سے معافی مانگنی چاہیے۔ لیکن مسرت چچی کے الفاظ نے اُس کے قدموں کو وہیں روک دیا۔

"اس جیسی اولاد سے تو اولاد کا نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔"

"زہرہ تم اُسے پسند کرتی تھی۔ اُس دن جب میں نے پوچھا تو تم نے کچھ بتایا کیوں نہیں؟" شہیر نے اُس سے پوچھا لیکن وہ خاموش رہی۔ چاہ کر بھی الفاظ منہ سے ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔

شہیر قدم قدم چلتا ہوا اُس کے قریب آیا۔

زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"تو اُسی سے شادی کرنی ہے تمہیں؟"

اب پھر زہرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"اور اگر ہم تمہیں اجازت نہ دیں تو؟" شہیر نے کہا تو زہرہ نے نظریں اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔

"چچا، شادی تو میں اُسی سے کرونگی۔"

"کیا کہا تم نے؟ ایک بار پھر کہو۔" شہیر کے لہجے میں ایسی گرج تھی کہ وہ کچھ بول نہ پائی۔

"میں نے تم سے کچھ کہا ہے۔" بالکل اُس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تو وہ کچھ لمحے خاموش رہی۔ پھر بولی۔

"چچا شادی میں کمال سے ہی کرونگی۔ وہ نہیں تو کوئی نہیں۔" زہرہ نے شہیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہا۔

تو شہیر نے اپنی پوری شدت کے ساتھ اُس نازک وجود پر تھپڑوں کی برسات شروع کر دی۔

ایک تھپڑ۔۔

دوسرا تھپڑ۔۔۔

تیسرا تھپڑ۔۔

چوتھے تھپڑ پر وہ بیہوش ہو کر زمین بوس ہوئی تھی۔

"پڑی رہے یہ یہیں پر۔۔" شہیر نے شدت بھرے غصے سے کہا۔

"کل جس سے میں کہوں گا یہ اُسی سے نکاح کرے گی۔ اُس جیسے لڑکے سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جائے۔۔" نخوت سے کہتا وہ اُسے وہیں زمین پہ پڑا چھوڑ کمرے سے باہر نکل گیا۔ مسرت اور جلال ابھی تک وہیں کھڑے تھے جب رضیہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور مہمان خانے سے باہر چلی گئیں۔

مسرت نے اپنا منہ بگاڑا تھا۔

"پہلے ہی لگام ڈال کر رکھی ہوتیں تو یہ نوبت تھوڑی نہ آتی۔" ایک ادا سے کہتی پیر زمین پر پٹختی وہ وہاں سے چلی گئیں۔ جلال بھی اُس کی طرف دیکھتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

بھلا کوئی آدمی کتنا ہی بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو وہ ایسی عورت سے تھوڑی نہ شادی کر سکتا ہے جو گھر سے بھاگی ہو۔ ایک نامحرم کے ساتھ۔ سر نفی میں ہلاتا وہ وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

تقریباً صبح کے ساڑھے چھ ہو رہے تھے جب عادل گھر پہنچا تھا۔ گھر کی بہت سی چیزیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ پاؤں خالی جگہ پر رکھتا جب وہ برآمدہ پار کر کے کمرے میں پہنچا اندر کے ماحول نے اُس کے دل کو دہلا کر رکھ دیا۔

کمال کے پیر پر کوئی چیز لگی تھی۔ نوک دار چیز۔ خون سے سارا فرش بھرا ہوا تھا۔ مہک ایک سائیڈ پر گھبرائی سی بیٹھی روئے جا رہی تھی۔ اُس کے پاس ہی زاہدہ نیچے زمین پر گری تھیں۔ سر پر چوٹ آئی تھی۔ کمرے کے وسط میں شمیم بیہوش پڑی تھیں۔

مہک نے سر اُٹھا کر دیکھا تو وہاں عادل حیرانگی سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ روتے روتے اُٹھی۔ اُس کے گلے سے جا لگی۔

آواز حلق سے نکل نہ پا رہی تھی۔

"عادل امی نہیں رہیں۔" یہ الفاظ تھے یاں پگھلہ ہوا سیسہ۔ جو کسی نے اُس کے کانوں میں اُنڈیل دیا تھا۔

"کمال کو بھی اُن لوگوں نے بہت مارا۔ اور ماں کو بھی۔۔" شل ہوتے دماغ کے ساتھ وہ مہک کے گرد اپنے بازوؤں کو حائل کر تا رونے لگا تھا۔

باپ کے بعد اب ماں؟

اُس نے جیب سے فون نکالا اور ایمبولینس کو کال کی۔ آدھے گھنٹے میں ایمبولینس وہاں موجود تھی۔

اُن تینوں کو ہسپتال منتقل کیا گیا مگر زاہدہ موقع پر ہی دم توڑ چکی تھیں۔ کمال اور شمیم کی حالت نازک تھی۔ مہک کو بھی کچھ خروشیں آئی تھیں جن کی ڈاکٹر نے مرہم پٹی کر دی۔

زندگی ایک ہی لمحے میں پلٹ گئی تھی۔ بہت بھاری رات تھی۔ کٹ گئی۔ کٹ ہی جانی تھی۔ سب کی کٹ جاتی ہے۔

صبح کا سورج طلوع ہوا تو ایک گھر میں جنازہ تھا اور ایک گھر میں نکاح جیسی پاک تقریب۔

☆☆☆☆☆

جب صبح اُس کی آنکھ کھلی، تو اُس نے اپنے آپ کو وہیں فرش پر گرے ہوئے پایا۔ اُس کا سر چکرا رہا تھا۔ گیلے کپڑوں میں اتنی دیر بیہوش رہنے سے اُس کا سارا وجود ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اُس نے اپنے پاؤں کو ہلانے کی کوشش کی۔ مگر پاؤں تو جیسے برف کے بن چکے تھے۔ وہ ابھی آہستہ آہستہ اُٹھ کر صوفے تک گئی ہی تھی کہ کمرے میں مسرت داخل ہوئی۔

"اوہ بی بی۔۔ اُٹھ جاؤ۔ نکاح ہے تمہارا۔" زہرہ نے سرخ ہوتی آنکھوں سے مسرت چچی کو دیکھا۔

"میں کسی بھی صورت جلال سے نکاح نہیں کرونگی۔" زہرہ نے چیختے ہوئے کہا۔ اُس کی بات سُن کر مسرت چچی مسکرا دیں۔ زہرہ کو اُن کا یوں ہنسنا عجیب لگا۔

"تجھے کس نے کہا کہ تیرا نکاح میرے۔۔۔" اپنے سینے پر فخر سے ہاتھ رکھتے ہوئے مسرت نے کہا۔

"میرے شیر جیسے بیٹے سے ہو گا؟ ارے تجھے تو میں اپنے گھر کے ملازم کے ساتھ نہ بیاہوں۔" مسرت چچی کے الفاظ سُن کر اُسے ذرا بھی افسوس نہیں ہوا۔

"تیرا نکاح کسی اور سے ہے۔" زہرہ نے سوال طلب نظروں سے پوچھا۔

"ارے ارے۔۔ تیرے عاشق کے ساتھ تھوڑی نہ تیری شادی ہو سکتی ہے؟ اُس کے ساتھ شادی کرنے کے لیے تو اب تمہیں مرنا ہو گا۔۔" زہرہ نے نا سمجھی سے چچی کی جانب دیکھا۔

"ہاں صحیح سنا تم نے۔ تیرے چچا نے مروا دیا ہے اُسے۔۔" چچی نے بڑے رازدارانہ انداز میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

زہرہ کو لگا جیسے اُس نے کچھ غلط سُن لیا ہے۔

کمال کی موت کی خبر نے اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ چند لمحے ساکت کھڑی رہی، جیسے اس کے کانوں نے جو سنا ہو، اس پر یقین کرنے سے انکار کر دیا ہو۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا اور وہ دوبارہ وہیں بیہوش ہو کر گر پڑی۔

کچھ دیر بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ عجیب سی کیفیت میں تھی۔

وہ خالی خالی نظروں سے اپنے اردگرد موجود چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو، مگر اس کے ذہن میں کوئی سرا ہاتھ ہی نہ آرہا ہو۔ اسے نہ یاد تھا کہ وہ حویلی میں کیسے آئی، نہ یہ کہ ابھی کچھ دیر پہلے کیا ہوا تھا۔ موت کی وہ خبر بھی جیسے اس کے ذہن سے کہیں دور جا چکی تھی۔

"میں یہاں کیسے آئی ہوں؟"

مسرت اسے حیرت سے دیکھتی رہی۔

شدید ذہنی صدمہ بعض اوقات انسان کے ذہن کو اس قدر متاثر کر دیتا ہے کہ وہ کچھ وقت کے لیے اپنی زندگی کے مخصوص واقعات یا ایک خاص مدت سے جڑی یادیں بھول جاتا ہے۔ اسے

Dissociative Amnesia

کہا جاتا ہے۔ ایسے میں انسان باقی معمول کی باتیں جانتا پہچانتا ہو سکتا ہے، مگر شدید صدمے سے متعلق یادیں ذہن سے عارضی طور پر غائب ہو سکتی ہیں۔

اور اس وقت وہ بھی اسی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

اسے اندازہ تک نہیں تھا کہ اس کی زندگی کا ایک پورا باب اس کے ذہن سے مٹ چکا ہے۔

جب تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تو مسرت نے اسے خاموشی سے تیار کروایا۔ وہ اب بھی اسی طرح بے تاثر بیٹھی تھی، جیسے اسے اپنے اردگرد ہونے والی کسی چیز کا احساس ہی نہ ہو۔

اور پھر اسی حالت میں اس کا نکاح شاہد کے ساتھ پڑھوا دیا گیا۔

کیونکہ اُن کو شہیر نے اچھی خاصی رقم دی تھی۔ ایک ایسی لڑکی سے شہیر اپنے بیٹے کی شادی کرنا اپنی بے عزتی سمجھتے تھے۔

بہت زیادہ سٹریس کی وجہ سے اُس کی میمری لوس ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی کچھ دھندلا سا اُسے یاد آتا تو دماغ پھٹنے لگ جاتا۔

شادی کے چار مہینے بعد اُسے سب یاد آنے لگا تھا۔ لیکن سب یاد نہیں آیا تھا۔

☆☆☆☆☆

کمال کو دو دن بعد ہوش آیا۔

کمال کو جیسے ہی ہوش آیا اُس نے عادل سے زہرہ کے بارے میں دریافت کیا۔ عادل اپنی ماں کو کھو چکا تھا۔ اور کمال جس حالت میں تھا وہ اس بات کو سمجھنے والا بھی نہیں تھا۔ اور عادل مزید کسی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

عادل نے وہی کہا جو اُسے جلال نے کہنے کے لیے کہا تھا۔

"کمال۔۔! زہرہ اُس دن میرے ساتھ تھی۔ آدھے راستے پر جلال نے ہمیں پیچھے سے آن لیا۔ اور زہرہ کو بھاگنے کی سزا بھی اُس نے میرے سامنے دی۔ اُسے وہیں مار دیا گیا۔ مجھے معاف کرنا میں اُسے بچا نہ سکا۔" عادل کی بات سُن کر کمال کافی دیر صدمے میں رہا۔ اُس کا تو جیسے جینے کا مقصد ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ جینا چھوڑ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

حال

وہ دونوں برگد کے موٹے تنوں پر بیٹھے اپنی گزری حسین یادوں کو یاد کر رہے تھے۔ کچھ تلخ حقیقتیں اُنہیں تکلیف بھی دیتی رہیں۔

"جانتے ہو کمال، مجھے وہ گزری رات آج صحیح سے یاد آئی ہے۔ اور میں ساری عمر اسے بھولنا نہیں چاہتی۔" وہ ایک لمحے کو رکی۔ گال پر لڑھکتے ہوئے آنسو کو صاف کرتے ہوئے وہ بتا رہی تھی۔

"میرا ایک بیٹا ہے کمال۔ اُس کا نام شہزاد ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"مجھے معاف کر دو میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکی۔ میں اپنے بیٹے کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ تم بھی اپنی زندگی میں آگے بڑھ جاؤ۔ میں آج باغ اسی لیے آئی تھی کہ اپنے حصے کی پراپرٹی شہیر چچا کے نام کر دونگی۔ پھر وہ کبھی بھی آپ لوگوں کو تنگ نہیں کریں۔۔" وہ رو رہی تھی۔ اور کمال کو لگ رہا تھا اُس کی زندگی رائیگاں ہے۔

"آپ پلیز اپنی زندگی میں آگے بڑھ جاؤ کمال۔ میری وجہ سے اپنی زندگی برباد مت کرو۔ آپ کی اتنی پیاری بہن ہے۔ دوست ہے۔ ماں باپ ہیں۔ میری وجہ سے اُن کو تکلیف مت دو۔"

"زہرہ کیا کوئی راستہ نہیں ہے؟" کمال نے پوچھنا چاہا۔

"راستے تب تلاش کیے جاتے ہیں جب کسی چیز سے نجات چاہیے ہو۔ کمال میں تو عادی ہو گئی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ بھی اس چیز کے عادی ہوں۔" وہ ایک لمحے کو رکی۔ اُس کے پاؤں پر برگد کا ایک بڑا پتا آن گرا۔

"میں چاہتی ہوں آپ انڈیا سے کہیں دور چلے جائیں۔ جہاں یہ سب باتیں بھی آپ کو یاد نہ آئیں۔" وہ کہہ رہی تھی، مگر اُس

کا دل اندر کہیں مر رہا تھا۔ مگر اُسے عادت ہو چکی تھی۔

اس سے پہلے کمال کچھ کہتا عادل وہاں اُن کے پاس آیا۔

"کافی دیر ہو گئی ہے کمال۔ اب ہمیں چلنا چاہیئے۔ کوئی آگیا تو سب کے لیے مصیبت بن جائے گی۔" زہرہ نے آنسو پونچھے اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ مُڑنے ہی لگی تھی کہ کمال نے اُسے آواز دی۔

"کیا میں تمہارا کچھ پل کے لیے ہاتھ تھام سکتا ہوں؟" زہرہ کے سارے وجود پر جیسے کچھ رینگ گیا تھا۔

"میں کسی کی امانت ہوں کمال۔ اور آپ بھی کسی کی امانت ہیں۔ میں یہ نہیں کر پاؤنگی۔ میری خاطر مجھے معاف کر دینا۔ اور اپنی زندگی میں آگے بڑھ جانا۔ ورنہ میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤنگی۔" اُس نے اتنا کہا اور خاموشی سے چلی گئی۔

پیچھے بچا کمال اور اُس کی تنہا زندگی۔ جس میں اُس نے بس زہرہ کو چاہا تھا۔ کیا نصیب تھے اُس کے۔

پہلی بار جسے شدت سے چاہا وہ ہی اُسے نہیں ملا۔

شام کا وقت آہستہ آہستہ اور وزنی ہوتا جا رہا تھا۔ "اُٹھ جاؤ کمال۔ اندھیرا ہو گیا ہے بہت۔"

"وہ ابھی میرے اتنے قریب تھی عادل، وہ یہاں تھی۔" کمال نے ہاتھ کے اشارے سے اُس کو بتایا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"کچھ دیر اور۔۔۔" اُس نے منت بھرے لہجے میں کہا تو عادل انکار نہ کر سکا۔

کتنے ہی لمحے سرک گئے اُس کی آنکھوں سے ویسے ہی آنسو بہہ رہے تھے۔

"کمال۔۔۔ اُٹھو، ہمیں واپس ہوٹل جانا ہے۔" اُسے بازو سے اُٹھاتے ہوئے عادل نے کہا تو کمال اُٹھ کھڑا ہوا۔ کسی بے جان شے کی طرح۔

اُسے زہرہ کی باتوں کا پاس رکھنا تھا۔ جو جو اُس نے کہا تھا اُسے وہ وہ کرنا تھا۔

زہرہ روز روز مرنے کی عادی ہو چکی تھی، اُسے بھی خود کو اس چیز کا عادی بنانا تھا۔

زندگی ہم سے وہ چیز مانگتی ہے جو ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اُسے اللہ کی خوشنودی کے لیے چھوڑ دینا ہی اُس کی ذات پر یقین رکھنے کے لیے سب سے اہم ہوتا ہے۔ انسان جب سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتا ہے تب اللہ اُسے وہ سب دیتا ہے جس میں خیر ہی خیر ہو۔

اُن کی زندگی میں بھی خیر ہی خیر ہونے والی تھی۔ اور یہی سب سے اہم بات تھی۔

☆☆☆☆☆

زہرہ نے گھر جا کر شہزاد کو پکڑا۔ شہیر نے اُس کے سامنے کاغذوں کا پلندہ رکھا۔ زہرہ نے ایک ایک کر کہ ہر صفحے پر سائن کر دیا۔ سارر اکچھ شہیر کے نام ہو گیا تھا۔ من چاہی چیز اُس نے پالی تھی۔

کمرے میں وہ تینوں ہی تھے (رضیہ، شہیر اور زہرہ) جب شہیر بولا۔

"تمہیں جاننا تھا نا کہ ہمیں کیسے پتہ چلا تھا کہ تم اُس رات بھاگنے والی ہو؟" شہیر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا۔ مگر اُس کی آنکھیں ہر جذبے سے عاری تھیں۔

"تم کال پر بات کرتی تھی نا اُس سے؟ سارا منصوبہ کال پر ہی بنایا تھا نا تم نے؟" شہیر ہنسا تھا۔ اتنا کہ زہرہ کو اپنے کان پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"مجھے تو اُسی دن شک پڑ گیا تھا جب رضیہ آپا نے بتایا تھا کہ تم اُسے پسند کرتی ہو۔ اتنا آسان رابطہ فون کہ علاوہ بھلا کسی اور طرح سے ہو سکتا تھا؟"

"تم ہمیں بے وقوف بناتی رہی اور ہم تمہیں۔۔" شہیر نے کہا تو رضیہ نے آنکھ میں آئے آنسو کو صاف کیا۔

"اس حویلی کے علاوہ باقی سب تم نے خوشی خوشی میرے نام کر دیا ہے۔ یہ بھی رضیہ آپا کی وجہ سے تم سے نہیں لی۔ کیا یاد کرو گی۔" اتنا کہہ کر شہیر نے فائل بند کی اور نخوت سے اُس کے چہرے پر ایک کاٹ دار نگاہ ڈالتا باہر نکل گیا۔

اب شاید اُس کی زندگی میں سکون آجائے۔

☆☆☆☆☆☆

27جون 2026

اگلے دن فلائٹ اپنے مقررہ وقت پر لینڈ ہوئی تھی۔ ساری رات پرانی باتوں کو یاد کرتے ہوئے وہ انڈیا واپس آیا تھا۔

عادل اُسے پک اپ کرنے کے لیے وہاں پہلے سے ہی موجود تھا۔ اُسے گلے سے لگاتے ہوئے عادل نے سر تا پیر اُس کا جائزہ لیا۔ "کیا دیکھ رہا ہے؟" کمال پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ اپنی حالت کو چھپانے میں وہ ماہر تھا۔ رات کی اداسی بھی وہ چھپا گیا۔

"یہی کہ آج سے بیس بائیس سال پہلے والا کمال اور اب کے کمال میں کوئی فرق نہیں آیا، ویسے کا ویسا ہی ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہے۔" عادل نے کہا تو کمال مسکرا دیا۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے جناب۔ تم بھی تو ویسے کے ویسے ہی ہو۔" کمال نے کہا تو عادل بھی مسکرا دیا۔

"اچھا جلدی چلو گھر میں مہک اور بچے انتظار کر رہے ہیں تمہارا۔" عادل نے بیگ پکڑ کر کار کی ڈگی کھولی۔

"ہم پہلے باغرا چلیں؟" کمال نے ایسے انداز سے کہا کہ عادل انکار ہی نہ کر سکا۔

"ٹھیک ہے۔" اتنا کہہ کر وہ باغرا کے لیے نکل پڑے۔

جون کی تپتی دوپہر میں، وہ سوٹ بوٹ پہنے باغرا میں داخل ہوئے۔ ائیر پورٹ سے یہاں تک آنے میں اُنہیں دو گھنٹے لگے تھے۔ یہاں سے واپسی اُنہیں لکھنؤ جانا تھا۔ آٹھ گھنٹوں کا سفر طے کرنا تھا۔

گرمی کی شدت اُس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اُس نے دوبارہ سے گاڑی میں بیٹھنا چاہا۔

عادل کے ساتھ وہ زمین کے حوالے سے باغرا آیا تھا جبکہ زمین تو عادل کی ہی تھی۔ یہ اُس نے عادل کو بتایا تھا، جبکہ وجہ کچھ اور تھی۔ اور یہ بات عادل بھی جانتا تھا۔

"پہلے تم گھر جا کر مہک سے ملتے۔ بچوں سے ملتے۔" عادل نے اُس سے کہا تو وہ بولا۔

"میں نے سوچا پہلے اُس جگہ کو دیکھ لوں جہاں میں پیدا ہوا تھا۔" اس نے قرب سے آنکھیں میچیں۔

"اچھا صحیح ہے۔ سردار کے گھر جانا چاہتے ہو؟" عادل نے پوچھا تو کمال نے ہاں میں سر ہلایا۔

"کسی انسان کا دل اتنا بھی موم نہیں ہونا چاہیئے کمال۔" عادل نے کہا تو کمال نے بس ایک نگاہ اُسے دیکھا۔

"چلو چلتے ہیں۔" کمال نے اُس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اپنی بات کہی۔ عادل نے سر ہلا دیا۔

وہ دونوں میں گاڑی میں بیٹھ گئے اور پانچ منٹ میں وہ حویلی کے مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔ شہیر راجپوت (باغرا کا سابق سردار) گزشتہ چند سالوں سے فالج کے مرض میں مبتلا تھے، جس کی وجہ سے وہ چارپائی سے اُٹھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ مسرت کو فوت ہوئے چار سال ہو گئے تھے۔

کمال مہمان خانے میں بیٹھا تو اس کی نظریں بے اختیار حویلی کے ہر کونے پر پھرنے لگیں۔ وہ ہر چیز کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اسے

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت نے یہاں قدم ہی نہ رکھا ہو۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا برسوں پہلے ہوا کرتا تھا۔ دیواریں، صحن، درخت اور ہوا میں بسی ہوئی وہ مانوس خوشبو، سب کچھ ماضی کی یادوں کو تازہ کر رہا تھا۔

مہینے کے آخری دن چل رہے تھے اور انہی دنوں زہرہ بھی اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ حویلی میں رہنے کے لیے آئی ہوئی تھی۔ جون کے دنوں میں وہ ویسے بھی اپنے بچوں کو لے کر گاؤں آجایا کرتی تھی۔

کمال نے زہرہ کو دیکھا تو نرمی سے اس کا حال احوال دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے زہرہ کو دو بیٹوں کی نعمت سے نوازا تھا۔ ایک شہزاد اور دوسرا عاطف۔ شہزاد حافظِ قرآن تھا، جبکہ عاطف عالمِ دین بننے کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ شاہد ابھی بھی ویسا ہی تھا۔ زہرہ سے محبت کرنے والا۔

کمال نے ایک نظر بھر کر زہرہ کو دیکھا۔ زہرہ نے اُسے دیکھا تو کمرے میں شہزاد داخل ہوا، اُس کے بعد عاطف داخل ہوا۔ اور وہ دونوں زہرہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھی زہرہ کے چہرے پر ایک خاص وقار اور اطمینان جھلک رہا تھا۔ کمال نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا تو ماضی کی کئی یادیں اس کے دل میں جاگ اٹھیں، مگر اس نے خاموشی سے اپنے جذبات کو اپنے اندر ہی چھپا لیا۔

"کیسے آنا ہوا کمال صاحب؟ اتنے سالوں بعد؟" کمرے میں جلال داخل ہوا تو اُس نے کمال سے پوچھا۔

کمال اور عادل سے ملنے کے بعد وہ بھی وہیں بیٹھ گیا۔

"ہاں بس زمین کے سلسلے میں آنا ہوا۔ ہم چاہ رہے ہیں کہ اُسے بیچ دیں۔ اگر آپکو مناسب لگے تو آپ ہی خرید لیں۔" عادل نے کہا تو کمال نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"جیسا تمہیں ٹھیک لگے عادل۔۔" جلال بہت بدل چکا تھا۔ انسان کفارا ادا کرنے میں ماہر ہو تو زندگی آسان ہو جاتی ہے۔

کافی دیر وہ اُن سے باتیں کرتے رہے۔ ایک گھنٹے بعد وہ لکھنؤ کے لیے نکل پڑے۔

"کیا ضرورت تھی اپنا گھر اُن کو بیچنے کی؟" عادل نے کمال کی بات سنی تو مسکرایا۔

"مجھے جو بہتر لگا کمال میں نے وہی کیا۔ جلال کو پچھتاوا ہے اپنے کیے کا۔ ہم جب چاہیں یہاں آجا سکیں گے۔ اور ہمارے گھر کی حفاظت بھی ہوتی رہے گی۔" کمال نے کچھ سوچ کر سر ہلایا۔

"تم تھک گئے ہو گے۔ میں سیٹ ایڈجیسٹ کر دیتا ہوں۔ تم آرام کر لو۔" اتنا کہہ کر عادل نے ایڈجسٹمنیٹ لیور سے سیٹ کو سَیٹ کر دیا۔

کمال آنکھیں موندیں پر سکون ہو کر لیٹ گیا۔ اُسے اپنی بہن اور ماں سے ملنا تھا۔ فریش ہو کر جانا چاہتا تھا وہ۔ زہرہ سے تو وہ مل چکا۔ بلکہ اُسے دیکھ چکا۔ زہرہ نے بس اُسے ایک نظر دیکھا تھا۔ اور کمال کے لیے یہ کافی تھی۔

اُس کی زندگی میں نور اور اُس کے دو بیٹوں نے آکر زندگی کو مکمل کیا تھا۔ وہ خوش تھا۔ مگر 25 سال پہلے شروع ہونے والی وہ داستان اُسے آج بھی غمگین کرتی تھی۔ زہرہ کو بھی کرتی تھی۔ اُسے بس چھپانا آتا تھا۔

طفیل نے بھی شادی کرلی تھی۔ اُس کو اللہ نے دو بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا تھا۔ اُسے زہرہ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ شکایت تو اُس سے کی جاتی ہے، جس کے ہاتھ میں اختیارات ہوں۔ زہرہ تو خود بے بس تھی۔ مگر آج ہر کوئی اپنی زندگی میں ایک تسلسل کے ساتھ بہہ رہ رہا تھا۔ زندگی جی رہا تھا۔

زندگی میں جس چیز کی خواہش کی جائے اُس کا حصول ہی زندگی کا اہم مقصد نہیں ہوتا۔ بلکہ موجودہ وسائل کے ساتھ خود کو ڈھال لینا اہم ہوتا ہے۔

زہرہ، طفیل اور کمال نے یہی کیا تھا۔

اپنی پسند کو ضد یا انا کا مسئلہ بنائے بغیر ایک بہترین فیصلہ کیا۔ اور وہ تینوں اب اپنی اپنی فیمیلیز کے ساتھ ایک خوشگوار لائف گزار رہے ہیں۔

☆ تمت البخیر ☆

حرفِ آخر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب پہلے شکر اور فضل اُس رب کا جس نے مجھے اس قابل بنایا۔ میں اللہ پاک کا جتنا شکر کروں اُتنا کم ہے۔

اب بات کریں کہانی کی تو اُس کا نچوڑ کچھ یوں ہے کہ ہم بہت سی چیزوں کو معمولی سمجھتے ہیں مگر وہ معمولی نہیں ہوتیں۔ جیسے آج بھی جرگہ نظام کو ایک عام سی چیز سمجھ کر ہم اگنور کر دیتے ہیں۔ مگر یہ عام بات نہیں ہے۔ اور اگنور کرنے والی تو بالکل بھی نہیں ہے۔

پاکستان کے ساتھ ساتھ انڈیا میں بھی وڈیروں اور جرگوں کا سکہ آج بھی رائج ہے۔ جرگے بیٹھتے ہیں، پنچائیت لگتی ہے، اور جو اختیارات اور قوانین ایک حکومت کے ہونے چاہیے وہ گاؤں کے سردار اور وڈیرے اپنی مرضی کے مطابق اپنے مفاد کو آگے رکھ کر استعمال کرتے ہیں۔ اُس سے چاہے کسی کی جان جائے، کوئی ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ جائے یاں کتنا ہی بڑا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے، وڈیروں کا اپنا مفاد سرفہرست رہنا چاہیے۔

پاکستان کے ساتھ ساتھ انڈیا میں بھی کئی مقامات پر ابھی بھی ایسے ہی قوانین رائج ہیں، جن کے خلاف آواز اُٹھانا ہر شہری کا فرض ہے۔ ورنہ ہر روز کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ایسا فیصلہ ضرور ہوتا ہے جو کسی کی زندگی کے رنگ چھین لیتا ہے۔

اور کبھی کبھی تو زندگی ہی چھین لیتا ہے۔

یہ اس کہانی کو لکھنے کا میرا پہلا مقصد تھا۔

دوسرا مقصد اس کہانی یاں زہرہ اور کمال کی زندگی کو لکھنے کا یہ تھا کہ زندگی میں ہم بہت سی چیزوں کو اپنے دل وجان سے چاہتے ہیں۔ مگر وہ ہمیں نہیں ملتیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان اپنی زندگی کو جینا چھوڑ دے۔

اللہ بہتر لے کر بہترین سے نوازتا ہے۔ اور یہ اُس ذات کی سب سے باکمال صفت ہے۔

زہرہ اور کمال کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اپنی خواہشات کو کھو دینے کے بعد اُنہوں نے زندگی کو جیا۔ نہ کہ ایک ہی جگہ ٹھہر کر رہ گئے۔ یقیناً بہت سے قارئین کو حُزن اچھا لگے گا اور بہت سے قارئین اس سے متفق نہیں ہو پائیں گے۔ لیکن ایک مصنف کسی کو متفق کرنے کے لیے نہیں لکھتا۔ ایک مصنف معاشرے میں ہونے والی چیزوں کو بیان کرتا ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہوں۔ زندگی حسین ہے، جب تک سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔

لیکن جیسے ہی انسان کی زندگی کے مطابق جو اُس نے سوچا ہوتا ہے چیزیں ویسے کام نہیں کرتیں (اور اکثر ہی نہیں کرتیں) تو اُسے زندگی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

زندگی ایک بوجھ کی طرح جینے کے لیے اللہ نے نہیں دی۔ اُس کے فیصلوں کو ماننا پڑتا ہے۔ چاہے وہ آپ کے حق میں ہوں یاں پھر آپ کے اگینسٹ۔

کچھ خواہشات کو پانے کے لیے انسان بہت جدوجہد کرتا ہے اور اُنہیں پالیتا ہے۔ لیکن اُس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

کوئی نا کوئی نئی خواہش جنم لے لیتی ہے۔ اور انسان اُس کے حصول کے لیے کاوشیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن اگر اُسے پہلی چیز ہی اپنی کوشش کے بعد نہ ملے تو تب آگے بڑھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ بانسبت اس کے کہ آپ نے ایک چیز کے لیے کوشش کی اور اُسے پالیا۔

انسان کو اپنے حوصلے ہمیشہ بلند رکھنے چاہیے۔ زہرہ آج بھی ایک باہمت خاتون ہے۔ جس نے اپنے دونوں بیٹوں کو اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے اللہ کی راہ میں دے دیا۔ اُن کا ایک بیٹا حافظِ قرآن ہے۔ اور دوسرا عالم دین۔

یہی ایک عورت کے لیے کافی ہے کہ اُسے اس دنیا میں ہی اجر مل گیا اور آخرت میں سونے کا تاج ملے گا۔ کیا یہ انعام اُس صبر سے بہت بہتر نہیں؟ جو اُس نے آج سے پچیس سال پہلے کیا تھا؟ یقیناً بہت بہتر ہے۔ اور جو بھی انسان اللہ کی خاطر صبر کرتا ہے اُسے دونوں جہانوں میں بہترین سے نوازا جائے گا۔ انشاللہ۔

22، اگست 2026